

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224973

UNIVERSAL
LIBRARY

میزانِ عمل

حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

مقدمہ

حکیم نصر اللہ خان صاحب زیدی کے ایڈیٹر اخبار دینہ بجنور
سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی لمیٹید پی ایچ او الدین پورہ

ملک محمد الدین صاحب دیرہ نونی منیچک ڈاکوٹ کے

انتہام سے تصدیق و اشاعت کیا گیا ہے

قیمت

۸

میزانِ عمل

جسٹس الاسلام امام غفرلہ رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف
مدونہ

اسلام نضر اللہ خاں صاحب زنی آئیڈیٹر اخبار دینہ بجنور
سابق اسٹنٹ ایڈیٹر رسالہ صوفی

صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی لمیٹڈ میاں بوالدین
جسٹس

ماہ محمد الیہ بن صاحب زنی صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی

اتہام سے بچنے کے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

قیمت
۸۰

صوفی بزننگ اینڈ بزننگ کمپنی لمیٹڈ پٹنڈی بہاؤ الدین پنجاب

ڈاکٹر کٹر صاحبان

۱۔ ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بی۔ اے۔ آگسٹ / ایل۔ ایل۔ ڈاکٹر۔ ایسٹ لاء لاہور

۲۔ شیخ محمد ممت از صاحب فاروقی بیرسٹریٹ لاء لاہور

۳۔ سردار محمد عبداللہ خاں صاحب افسر خزانہ بغداد شریف

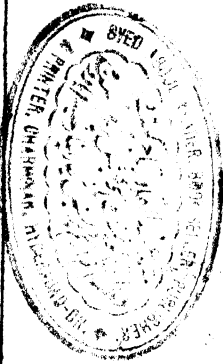
۴۔ رحمت علی خاں صاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ کیلے فوریا

۵۔ ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پٹنڈی بہاؤ الدین پنجنگ ڈاکٹر کٹر

کتاب دیگر کئی نادر و بیش قیمت کتابیں صوفی بزننگ کمپنی کے زیر اہتمام شائع ہوئی ہیں

اس کے راہن جوہوں نے پچیس یا زیادہ حصے خریدے حسب ذیل صاحب ہیں :-

- (۱) حضرت مجدد نشین صلی اللہ علیہ وسلم (۲) بابو ابراہیم صاحب کبھی بریکر کک پلائی وٹرنپورٹ بوشہ ایران ساکن
- کے عورت خلیج بنوں (۳) بہتان جمال الدین صاحب پورائی۔ ایم۔ ایس۔ الہ آباد (۴) جعفر علی صاحب ساکن بہوڑ
- حال ۵۔ فرانز فورس مردان (۵) ایم۔ ایم۔ خاں صاحب پٹنڈی ہوسٹل کالج کیمبرج (۶) صوفی اسلامیہ کول
- پٹنڈی بہاؤ الدین (۷) جوہری عالم صاحب آف ہسٹری و انکوائری کائنات جات لود اللہ بلوچستان (۸) شیخ محمد ممتاز
- فاروقی بیرسٹریٹ لاء لاہور (۹) ڈاکٹر شیخ محمد عالم صاحب بیرسٹریٹ لاء لاہور (۱۰) پروفیسر شیخ جمیل صاحب بیرسٹریٹ لاء لاہور (۱۱) پی۔
- ریکو (۱۲) رحمت علی خاں صاحب پریزیڈنٹ مسلم ایسوسی ایشن آف امریکہ (۱۳) ایک خاتون معرفت ایڈیٹر صاحب صوفی
- (۱۴) ملک محمد اکرم خاں صاحب مینڈ پٹنڈی بہاؤ الدین (۱۵) بابو علی الدین صاحب کلرک لوکو پٹنڈی آفس
- یوگنڈا ایکو کھلیڈن میاں (۱۶) شیخ محمد بلال صاحب چوراسی خلیج بوشہ پور (۱۷) محمد عبدالستار صاحب چیل مچنٹ
- لارخ (۱۸) ڈاکٹر عبدالواحد صاحب پولوڈ سپینسری سرنگ کشمیر (۱۹) باغ دین صاحب بیابان ٹیڈ ایسٹ امریکہ
- (۲۰) نور الدین صاحب براڈرک امریکہ (۲۱) فوجدار خاں صاحب براڈرک امریکہ (۲۲) ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر صوفی
- (۲۳) پیر بخش ولف فیض محمد صاحب براڈرک امریکہ (۲۴) سردار محمد عبداللہ خاں صاحب مینڈ پٹنڈی لکھنؤ
- اکوٹس بیئر (۲۵) مولانا محمد علی الدین صاحب ایڈیٹر و چیف جسٹس ٹاشکورت کونجی ٹوٹم لوی (۲۶) ڈاکٹر
- عبدالرشید علی غنی الرشد جنگو میاں صاحب ایچ۔ ایم۔ بی۔ بلگرام والا ہولی ڈاردار (۲۷) نور محمد عبداللہ صاحب
- لکھنؤ سٹی ہوسٹل مینجنگ آرڈر و ڈیپٹی مینجنگ (۲۸) ایلیانصا صاحب لکھنؤ خاں صاحب معرفت تحصیل صاحب مینجنگ
- (۲۹) صدیق احمد صاحب ایچ۔ بی۔ پی۔ یو معرفت تحصیل صاحب گ (۳۰) مولوی محمد حسین صاحب خوشنویس عاقل گ
- خلع جوہر الوالہ (۳۱) منشی باب بیگ صاحب پٹنڈی راجی۔ آئی۔ پی۔ ریکو ہول (۳۲) بیگ صاحب جہانزادہ بادشاہ صاحب



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

سعادت کی تلاش جو جویں ہر زمانہ کے لوگ سرگرداں رہے ہیں۔ اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور عمل کے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی۔ ان کی حقیقت اور اندازہ معلوم کرنے کے لئے علمائے سلف و خلف نے اپنی تمام تر توجہ صرف کر دی ہے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ہم علم اور عمل میں تیز کرنے اور پہچان کے لئے ایک معیار مقرر کریں اور کھڑے اور دکھوٹے کی شناخت کے لئے ایک کسوٹی معین کریں۔ چنانچہ ہم نے مناسب سمجھا کہ اس بابے میں کامل غور و خوض سے کام لیکر بتا دیں کہ سعادت کے حصول میں سہل انگاری اور محاسل سے کام لینا حماقت ہے۔ اور اس کے لئے علم اور عمل کا اجتماع لازمی ہے اس کے بعد ان سے بہرہ اندوز ہونے کا طریق معین کریں اور بتائیں کہ عمل سعید کیا ہے اور اس کا رستہ کیا ہے۔ ان تمام امور کی توضیح کے لئے ہم دلائل و براہین پیش کریں گے محض تقلیدی رنگ مد نظر نہ ہو گا۔ یہ درست ہے کہ اس طرح تحریر طویل ہو جائیگی لیکن کیا کریں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں! البتہ ہم کوشش کریں گے کہ علم کے اصول و قوانین کی حدود سے سیر متجاوز نہ کریں، واللہ المستعان،

تیری رحمت سے الٰہی پائیں یہ ننگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں نکلے امن کیلئے

غزالی

فصل

سعادت کی طلب میں سہل انگاری محنتیں

سعادت اخروی سے ہماری مراد ہے۔ وہ بقا جو غنائی ہے، وہ شراب نشاط جس میں درد غم نہ ہو، وہ مسرت جس کو غم کی تلخی منقص نہ کرے، اور ایسی عزت ابدی جو ذلت سے آستانہ نہ ہو، وہ بے نگرہی و استغنا جس میں احتیاج کو کبھی دخل نہ ہو، اور وہ کمال جسے زوال نہ ہو، ساتھ ہی ہر وہ چیز جس کی تمنا کی جاسکتی ہے، اور ہر وہ شے جس کیلئے دل تڑپ سکتا ہے، حاصل اور موجود ہو، اُن اور یہ چیزیں ابد الابد کے لئے ہوں اور زمانے کی تیز تلوار ان کا رشتہ منقطع نہ کر سکے، فرض کرو کہ تمام دنیا اناج سے اُٹی پڑی ہے پھر ایک پرندہ ہے، جو ہزار سال کے بعد ایک دانہ اس میں سے چک لیتا ہے، تو یقین سمجھو کہ ایک روز وہ اناج ختم ہو جائیگا۔ لیکن سعادت اخروی کا وہ گنج بے پایاں ہے جو کبھی نہٹ نہیں سکتا۔

اس قسم کی نعمت عظمیٰ کی ترغیب و تحریص دلانے کی ہم کوئی ضرورت نہیں دیکھتے جبکہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ تمام مملکت اور کچھ دار لوگ اس سے بدرجہا کمتر اور ادنیٰ چیزوں کے حصول کے لئے ہزاروں سہ کی مصائب اور تکالیف خوشی سے برداشت کر لیتے۔ اور دنیا کی لذتیں تیاگ دیتے ہیں۔ سچ و مصائب ہزار ہا شمار ہوں کہ ختم ہو جاتی ہیں۔ اور دنیا کی لذتیں لاکھ بے حساب ہوں۔ آخر گذر جاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک تو عقلمند و ہی شخص ہے جسے آئندہ کی یقینی اور بہتر نعمت کے لئے موجودہ اور ادنیٰ شے کو چھوڑ دینا آسان ہو چنانچہ جو لوگ صنعت اور تجارتی کاروبار سے تعلق رکھتے ہیں وہ اس زرین ہول پر خوب کار بند ہیں۔ علم و فن کی تلاش میں لوگ غریب الوطن۔ فقر و فاقہ۔ ذلت۔ زد و کوب اور برتر از وہم و قیاس مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لیتے ہیں، اور اُن کے طمینان

قلب اور سکون خاطر کی ذمہ دار صرف یہ بات ہوتی ہے۔ کہ زمانہ مستقبل میں وہ گوہر گرانی
 اُن کے ہاتھ لگا بیٹھا جو زمانہ حال کی تمام تکالیف و شدائد کا بہترین عوضانہ اور موجودہ رنج
 و ملال کا بہترین اجر ہوگا۔ دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو زروال کا طالب ہو۔ اور
 اُسے کہا جائے کہ تمہیں ایک ماہ کے بعد کبیر اعظم دیدی جائیگی بشرطیکہ تم گھر سے سونا
 خرچ کرو، اور ایک ماہ تک انتظار کرو، تو وہ اس پر عمل نہ کرے، اگر کوئی شخص اس قسم
 کی آئندہ نعمتوں کی امید میں تھوڑی سی بھوک برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تو اُسے
 کوئی شخص عقل مند تصور نہیں کر سکتا۔ اور شائد اس قسم آدمی کا وجود بھی عقلا کا حکم رکھتا ہے
 حالانکہ دنیا فانی ہے۔ موت گھات میں، اور سونا آخرت میں کام نہیں دیتا۔ اور ممکن ہے
 کہ وہ جینے کے اندر یا بعد جانِ جانِ انھوں کے پر کرے، غور کرو کہ یہ شخص کبیر کی طبع میں مدیخ
 مال و زر خرچ کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر طرح کی مصیبت اٹھانے کے لئے آمادہ۔
 پھر عقل مند لوگ اس عمرِ ناپائیدار میں جس کی حد سو سال ہے، اپنی خواہشات نفسانی اور دنیاوی
 لذتوں کی حد بندی کرنے میں کیسے کوتاہی کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس عمل کا عوض عیشِ سرمدی اور
 آرامِ جادواں کی صورت میں ملنے والا ہے۔

عرفی اگر یہ گریہ میسر ہے وصال

صد سال مے تو ان یہ تمنا گریستن

اور یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ سعادت کی شاہراہ پر گامزن ہونے سے گریز کرتے ہیں تو اس
 کی وجہ صرف یہ ہے کہ انہیں قیامت پر پورا یقین ہی نہیں، ورنہ عقل ناقص کا بھی تقاضا
 ہے کہ سعادت کے حصول کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے، چہ جائیکہ وہ لوگ اس کا انکار
 کریں جو عقل کامل سے بہرہ مند ہیں +

فصل

قیامت کے متعلق عدم یقین بھی حماقت ہے

ہماری رائے ہے کہ قیامت کے متعلق ایمان میں کوئی تاہی کرنا بھی بیوقوفی پر وال ہے کیونکہ اگر غفلت و غود فراموشی غالب نہ ہو تو سعادت کے رستوں سے بے پروا ہی بھی نہ ہو۔ آخرت کے باب میں لوگوں کے چار گروہ ہیں :-

اول۔ وہ لوگ جن کا اعتقاد ہے کہ حشر و نشر اور جنت و دوزخ بعینہ اسی طرح ہیں جس طرح شریعتوں نے ہمیں بتایا ہے، اور ان میں سب سے زیادہ رطب اللسان اور نصیح قرآن ہے۔ ان کے نزدیک لذتیں اور محسوسات تمام اسی طرح پر ہو گئی جیسے دنیا میں مباشرت، کھانا، پینا، سو گھنا، چھوٹا، پہننا اور دیکھنا ہے، اور ان کو اعتراف ہے کہ ان لذتوں پر مستغنا اور قسم قسم کی لذات و سرور ہو گئی، لیکن ان لذتوں کی کیفیت اور صنف جیٹہ بیان سے باہر ہے۔ یہ وہ جنت نگاہ اور فردوس گوش ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی نہیں اور کان نے سنی نہیں۔ اور نہ ہی کسی انسان کے دل میں اس کا تصور سما سکتا ہے۔ یہ غیر منقطع ہے اور بدلانا بائیک ریٹیگی، یہ علم و عمل کی بدولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس گروہ میں تمام سامان اور بیوہ و نصاریٰ کا اکثر حصہ داخل ہے +

دوم۔ فرقہ جس میں مسلمان فلاسفہ کا وہ طبقہ جو الہیین کہلاتا ہے داخل ہے۔ کہتا ہے وہ ایک اس تسبیح کی لذت ہے جو انسانی قلب کے تصور میں نہیں آسکتی۔ اس کا نام لذت عقلی ہے، اور سہیات؛ تو خارجی طور پر ان کی موجودگی کے وہ منکر ہیں، ان جیسے بینہ میں ہوتا ہے۔ خیالی طور پر ان کا وجود ہو سکتا ہے، لیکن بینہ کے حالات بیداری کیساتھ زائل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ ہمیشہ رہینگے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ باتیں ان لوگوں کے لئے ہوتی ہیں جو محسوسات کے ساتھ شغف رکھتے ہیں، اور جن کے دل اس جانب بہت مائل ہیں۔ وہ ان کو لذات عقلیہ کی طرف منسوب نہیں کرتے، بہر حال اگر آخرت کی کیفیت صرف اسی قدر ہو تو بھی اس کی طلب میں کوتاہی مناسب نہیں، وجہ یہ ہے کہ لذت بھی

وہی چیز ہوتی ہے جس کے ذوق سے انسان کا دل چھوٹنے لگھانے یا دیکھنے کے ذریعہ متاثر ہو چکا ہو +

خارجی اور حصول اثر کا موجب ہیں لذت ایک داخلی اثر ہے جو خارجی اشیاء کی موجودگی سے پیدا ہوتا ہے۔ جب بغیر خارجی امور کے وجود کے تاثرات حاصل ہو سکتے ہیں جیسے حالت نوم میں۔ تو ان کی موجودگی میں اثرات کے حصول کے متعلق کو کوئی شک و شبہ گنجائش نہ رہی +

تیسرا طبقہ۔ یہ لوگ خیال اور حقیقت کے طریق سے لذت حسیہ کے انکار کی طرف گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ تخیل آلات جسمانی کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ موت بدن اور روح میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ اور بدن ہی تخیل اور تمام احساسات کا آلہ ہے۔ جب ایک دفعہ روح جسم علیحدہ ہو جاتی ہے تو دوبارہ واپس نہیں ہوتی چنانچہ صرف آلام لذت باقی رہتی ہیں۔ یہ حسی نہیں بلکہ حسی سے بزرگتر ہیں، انسان اس عالم میں بھی لذت عقلیہ کی جانب مائل ہے۔ اور اس سے زیادہ آلام عقلیہ سے نفور۔ یہی وجہ ہے کہ حصول حاش میں لذت اور بے عزتی کو ناپسند کرتا ہے۔ سزا کے وقت علیحدگی کو دوست رکھتا ہے۔ مباشرت اور خواہش نفسانی کو پورا کرنے کے وقت اسے پڑھ دیا محبوب ہے۔ اور گزشتہ سرخ و آلام اور مصائب کی یاد اسے تکلیف دیتی ہے چنانچہ ہم نے بار بار دیکھا ہے۔ کہ شطرنج کھیلنے والے دو ایک روز تک شطرنج کے شوق میں کھانا پینا بھول جاتے ہیں۔ کیونکہ کھیل کی لذت عقلی کھانے کی لذت حسی پر غالب آ جاتی ہے۔ لذت عقلی کے غلبہ کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ میدان جنگ میں بسا اوقات اکیلا آدمی دشمنوں کے جم غفیر پر پل پڑتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس حرکت کے پیچھے ہی خیال کار فرما ہے کہ لوگ اس کی شجاعت و جوانمردی کی تعریف کریں گے۔ اور یہی خیال اسے زندگی کو خیر باد کہہ دینے پر ابھارتا ہے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دنیا کی حیات ان لذات کے مقابلہ میں جو دار آخرت میں ہوگی کوئی نسبت نہیں رکھتیں ممکن ہے ان کی نسبت ان کے ساتھ وہی ہو، جو نفیس و لذیذ طعام کی خوشبو کو اس کے ذائقے سے اور محبوب کے دیدار کو وصال یار سے ہے۔ بلکہ اس سے بھی دور تر کی کوئی نسبت ہو ان کا گمان ہے۔ کہ جب عوام کے فہم سے یہ باتیں بلند نہیں۔ تو مثال کے طور

ہر اُن کے سامنے انہی لذات کا بیان کیا جاتا ہے۔ جن سے وہ آشنا ہیں۔ جیسے ایک لڑکا ہو اور اُسے فصل و قضا اور وزارت کے عہدے پر فائز کرنے کے لئے تعلیم دیا جائے تو چونکہ وہ ان عہدوں کی ذمہ داریوں اور ان کی حقیقت سے نا آشنا ہے اور اُن کی کیفیت نہیں جانتا۔ اس لئے اُسے ان چیزوں کی ترغیب دی جاتی ہے جن کی لذت سے وہ واقف ہے۔ مثلاً گیند جس کے ساتھ وہ کھیلتا ہے یا چڑیا جسے وہ اڑاتا ہے۔ حالانکہ اگر حقیقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کہاں گیند اور چڑیا سے کھیلتا اور کہاں حکومت و وزارت کی لذت، لیکن چونکہ اس کا فہم اعلیٰ شے کے ادراک سے قاصر رہتا ہے اس لئے اُس کے سامنے ادنیٰ بات کی مثال پیش کی جاتی ہے۔ اور وہ اپنی استعداد کے مطابق بتدریج ترقی کرتا جاتا ہے۔ اگر لذات آخرت کو صرف اسی کے مطابق بھی مان لیا جائے تو طلب و جستجو میں کوتاہی مناسب نہیں۔ بلکہ جدوجہد کو دوگنا کرنا چاہئے۔ صوفیاء اور اہلین اس طرف گئے ہیں۔ اوّل سے آخر تک یہاں تک کہ مشائخ صوفیاء نے تفسیر کر دی ہے اور مزید تشریح کی گنجائش نہیں رکھی، اور وہ کہ اٹھتے ہیں کہ جو شخص طلب جنت کے لئے یا خوف و دوزخ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ لٹیم ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف قصد کرنے والوں کا مقصود ان چیزوں سے بہت بالاتر ہے + جو شخص مشائخ سے ملیگا۔ اُن کے عقائد کے بارے میں اُن سے گفتگو کرے گا اور ان کی مصنفیت کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اُسے معلوم ہو جائیگا کہ ان کا یہ اعتقاد اُن کے احوال کے سبب سے مطابقت ہے +

وقتہ چہارم۔ علوم اور جملہ مطلق کا گروہ ہے، جو اپنے نام کے بجائے بھی نہیں جانتے ان کا خیال یہ ہے کہ موت عدم محض کا نام ہے + اور طاعت و معصیت کی کوئی جزا و سزا نہیں، انسان مرنے کے بعد اسی طرح نیست و نابود ہو جاتا ہے جس طرح ولادت سے قبل تھا حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو فرقہ کننا ہی غلطی ہے کیونکہ گروہ کا مفہوم اجتماع سے ہے اور یہ مذہب کسی جماعت کا نہیں نہ ہی کسی مشہور صاحب نظر سے منسوب ہے۔ البتہ یہ ان عقل کے دشمنوں کا مسلک ہے، جن پر خواہشات نفسانی کا دیو غالب اور اُن کا شیطان اُن پرستولی ہو چکا ہے۔ وہ اپنی خواہشات کا قلع قمع کرنے پر قادر نہیں۔ ان کی خود پسندی اور خود رائی انہیں اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقادمت خواہشات میں اپنے

عجز کا اعتراف کریں۔ چنانچہ اپنے تصورِ فہم کے باعث وہ غدر پیش کرتے ہیں مادرِ کتے ہیں یہی بات واجب اور حق ہے۔ اپنی بات کی تیغ زکھنے کے لئے وہ ادھر ادھر اٹھ پاؤں مارتے ہیں، اور باطل کی پیروی میں محو ہو جاتے ہیں۔ اتباع ہو ائے نفسانی بیوقوفوں کو سب سے زیادہ باطل عقیدوں کی تصدیق میں جہلت کڑھاتی ہے۔ بعض بد بخت اس عقیدہ باطل کو بعض مشہور دقیقہ رس علماء مثلاً ارسطو، تھالطون یا کسی اور فلاسفہ کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ یہ ایک فریب ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ سامع سے کہتے ہیں میں تمہاری معرفت ان کے علم کو کہاں پہنچ سکتی ہے، انہوں نے ایک عرصہ دراز ان باتوں کی ٹوہ میں صرف کر دیا ہے۔ غریب اور سادہ لوح سامع اس تبلیغ کو نہیں سمجھ سکتا اور ان کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے۔ ظالموں سے کوئی حوالہ طلب نہیں کرتا جس سے معلوم ہو کہ واقعی ان لوگوں کا یہ مذہب بھلا، حالانکہ اگر اسے کوئی ایسی اطلاع دی جائے جس سے اس کا چند ٹکڑوں کا نقصان ہوتا ہو، تو وہ اس وقت تک اس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک کوئی دلیل و برہان پیش نہ کی جائے۔ اگر کوئی شخص اُسے کہے کہ تمہارے باپ نے فلاں شخص سے دس روپے دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب اس کے نزکہ میں سے ادا کرو۔ اس کے پاس ایک دستاویز بھی ہے جس پر گواہوں کے دستخط بھی ثبت ہیں۔ تو وہ فوراً پکار اٹھے گا حجت لاؤ۔ وہ زندہ گواہ کہاں ہے جو اس کی شہادت دے۔ اور دستاویز اور نقل خطوط کا کیا اعتبار ہے۔ پھر کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ جو شخص چند ٹکڑوں کے باب میں اس قدر محتاط تھا مذہب کے بارے میں اس قدر بے پرواہ ہے کہ مذہب کی بابت حوالے کی تصدیق کے وقت دو گواہ بھی طلب نہیں کرتا۔ جو اس امر کی شہادت دیں کہ ہاں ہم نے یہ بات سنی ہے۔ اور بغیر کسی تحریر یا اس کی تصانیف دیکھنے کے اگرچہ وہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہو اُمناد صدقنا پکار اٹھتا ہے۔ حالانکہ مناسب تو یہ ہے کہ اگر اپنے کانوں سے بھی سُن لے پھر بھی اُسے تسلیم کرنے میں توقف کرے۔ جب تک اس کے بارے میں کوئی دلیل و برہان نہ مل جائے۔ اگر صرف دیکھا دیکھی پیروی کرنا مقصود ہے تو انبیاء اولیاء علیہ السلام کی تقلید بلکہ جہرہ انام کی پیروی اس ایک شخص کی تقلید سے اولیٰ ہے۔ جو خطا سے معصوم نہیں +

ان تمام معتقدات کو سُن لینے کے بعد اگر تم تلاشی حق ہو تو اس گمراہ فرقہ کے عقائد

کے بارے میں تمہاری حالت چار باتوں سے خالی نہیں۔ اول یہ کہ تم قطعاً اس کے بطلان کے معترف ہو، دوم یہ کہ تم اس کے بطلان کے متعلق ظن رکھتے ہو، سوم یہ کہ اُس کی صحت کے بارے میں تمہیں ظن غالب ہو۔ یا امکان بعید کے طور پر اس کے بطلان کو درست سمجھو۔ اور چہارم یہ کہ اُس کی قطعی صحت کے متعلق تمہارا یقین ہو، بہر حال تمہاری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ تم علم و عمل میں شغول ہو جاؤ۔ اور لٹاؤ دنیوی سے اعراض کرو۔ ہاں شرط یہ ہے کہ تمہاری عقل سلیم اور طبیعت نیک ہو۔ تم پر یہ بات غفنی نہ رہے کہ پہلی اور دوسری صورتوں میں تمہاری عقل کا اقتنا یہی ہے۔ کہ تم علم و عمل کی طلب میں کمر بستہ ہو، چہرے کا سرگرم عمل ہو جس طرح دانشمندی کا تقاضا ہے کہ طلب نفع کے لئے سمندر میں سفر کرنے کے لئے سواری مینا کی جائے۔ یا طلب ریاست کے لئے اول شہاب میں علم حاصل کیا جائے اور وزارت یا کوئی اور عزت و جاہ کے منصب کے حصول کے لئے اُس کے مطابق کوشش کی جائے۔ حالانکہ ان تمام امور کے نتائج ظنی ہیں اور قطعی نہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جب ایک حریص آدمی کے دل میں یہ بات سما جائے کہ کیمیا کا وجود عقلاً نہیں اور اُسے معلوم ہو جائے کہ ایک ماہ کی مشقت کے بعد وہ اس سے ہم آغوش ہو جائیگا، پھر اس کے بعد تمام عمر خواہ وہ ایک ماہ سے بھی کم ہو، یا زیادہ اُس سے متمتع ہو تا رہیگا اور عیش سے بسر اوقات کریگا۔ تو اس کی عقل کا فیصلہ ہی ہوگا کہ مصیبت و مشقت کا میدان خوش خوش بسر کرے۔ اور اس کی تکلیف کو حقیر سمجھے۔ اگر اُسے قطعی طور پر معلوم بھی ہو کہ اس کی عمر زیادہ نہیں تو بھی کامیابی کا خیال اس کے لئے صد وجہ تسلی ہوتا ہے +

اگر تم تیسری حالت میں ہو اور اُس کی صحت کا ظن غالب ہو، انبیاء اولیا اور مجاہدین کی سچائی کا کچھ خیال دل میں باقی ہو۔ تو بھی تمہاری عقل یہی کیگی کہ طریق امن و سلامتی پر گام زن ہونا اور خطرناک صورت حالات سے اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔ مثلاً فرض کرو کہ تمہیں کسی بادشاہ کا قرب حاصل ہے، اور تمہارے نزدیک اس قسم کے اسباب جمع ہو جائیں جس سے تم اس کے خاص مصاحبوں اور محرمان راز میں سے ہو سکو، مثلاً کوئی ایسی خدمت جس کے متعلق تمہارا ظن غالب ہو کہ اس کے سرانجام دینے سے بڑا شہ سلامت خوش ہو کر تمہیں خلعت و دینار عطا فرمائیں گے ساتھ ہی ظن غالب کے خلاف ایک احتمال بھی ہو اس امر کا

کہ کسی وقت ممکن ہے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جائے جس سے وہ غضبناک ہو کر تمہیں عذاب شاہی میں مبتلا کرے۔ تمہاری ذلت و رسوائی کا موجب ہو۔ اور تمہیں تمام عمر کے لئے مصیبت میں ڈال دے۔ تو تمہاری صائب رائے ہی مشورہ دی گئی تم اس خطرے میں کودنے سے پرہیز کرو؛ کیونکہ اگر تم اس خدمت کے سرانجام دینے میں کامیاب بھی ہو گئے تو اس کا اجر کچھ سونا ہے جو تمام عمر تمہارا ساتھ نہ دیگا۔ اور اگر ناکام رہے تو بادشاہ کا عذاب بہت بڑا ہے جو تمہاری زندگی بھر تمہارا پیچھا چھوڑنے کا نہیں، اس لئے کامیابی کا ثمرہ ناکامی کی سزا کا حریف نہیں ہو سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر تمہارے سامنے نفیس کھانے کا ایک ٹشت رکھا ہو اور چند لوگ یا ایک شخص کہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ حالانکہ اس کا حال نیپوں کا سا بھی نہ ہو۔ جو معجزات کے ذریعہ سے اپنے قول کی تائید کی قدرت بھی رکھتے ہیں۔ پھر تم اس کے کذب کے متعلق ظن غالب رکھتے ہو؛ جس طرح تم میری صورت کے اعتبار سے تمام انبیاء کے کذب کا ظن غالب رکھتے ہو؛ تو تم اُسے سچا ہی سمجھنے کی کوشش کرو گے؛ اور سمجھو گے کہ کھانا کھا لینے میں لذت ہے اور زبان کا چٹکارا لیکن اگر وہ زہر آلود ہوا۔ تو ہلاکت میں کوئی شبہ نہیں چھٹا۔ اس لحاظ سے بھی عقل یہی کہتی ہے کہ اگر تم دانشمند ہو تو خطرے سے اجتناب ہی کرو چنانچہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آکر جھگڑنا شروع کیا اور امر آخرت میں شک و شبہ کا اظہار کیا۔ حضرت رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بحث و جدل کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں مگر تو صورت حالات وہی ہوئی جیسا تمہارا خیال ہے تو ہم سب خلاصی پا جائیں گے۔ لیکن اگر بات وہی نکلی جو ہم کہتے ہیں تو تم تو ماسے جاؤ گے۔ اور ہم نجات پا جائیں گے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا قول سے یہ نتیجہ نکالنا صریح ستم ظریفی ہوگی۔ کہ امیر المؤمنین کو امر آخرت میں کوئی شک و شبہ تھا، انہیں بلکہ یہ تو ایک قسم کی تنبیہ ہے۔ مخاطب کی حد جبل کے مطابق جو امور آخرت کو دلائل کے ذریعہ سمجھنے سے قاصر ہے اسی طرز استدلال کو ہم نے استعمال کیا ہے، تاکہ جو لوگ اللہ کی طاعت میں کوتاہی کرتے ہیں اور باطل پرستی کی پیروی، تو ان کے لئے امور آخرت میں غور کرنا آسان ہو جائے۔

یہ بات قطعی طور پر واضح ہو گئی۔ کہ کوئی عظیم الشان مصیبت اگرچہ معلوم نہ ہو، قتال کے رو سے اُسے یقین مستحق و ترجیح دینی چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ کسی پتھر کا حقیر یا اہم ہونا

اضافی ہوتا ہے۔ تو چاہئے کہ تم عمر کے انجام اور اسودہ حال لوگوں کے حصہ دنیا پر غور کرو اور سعادت اخروی کے کمال اور اس کے دوام کے بارے میں جو تین فرقوں کا اعتقاد ہے اُن سے قبول کرو اور بدیہی طور پر جان لو، کہ دنیا کے عیش و آرام میں سے جو کچھ تم حصول آخرت کے بدلے میں چھوڑتے ہو نہایت حقیر ہے۔

اور اگر تم چوتھی صورت میں ہو یعنی تم چوتھے گروہ کے مقتدات کو صحیح تسلیم کرتے ہو تو ہم تمہاری انتہائی جہالت و قصور فہم کو مد نظر رکھ کر دو طریق پر تم سے خطاب کریں گے۔ اول یہ کہ آخرت کے انکار کے لئے تمہارے پاس کوئی حقیقی اور ضروری دلیل نہیں جس کو غلط ثابت نہ کیا جاسکے حتیٰ کہ کہا جائے تمہیں کوئی ایسی شہادت اور ثبوت پیش نہ ہوئی ہے جس کو انبیاء اولیاء علیہم السلام اور مجتہد فاضل لوگ معلوم کرنے سے قاصر رہے۔ جب اس قدر بزرگ باوجود اپنی کثرت تعداد و وسعت معلومات۔ بلندی نظر اور کثرت معجزات کے ایک بات کو نہ سمجھ سکے اور اُس کے متعلق غلطی میں پڑ گئے، تو اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم اس معاملہ میں صحیح مسلک پر گامزن ہو اور غلطی سے محفوظ رہو، تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم غلطی کو اپنی ذات سے منسوب کر لو، لیکن اگر تم کہتے ہو کہ ممکن ہے ان لوگوں سے بھی غلطی ہو گئی ہو۔ اور مجھ سے بھی غلطی ہو گئی ہو، تو تم تیسری حالت میں ہو جاؤ گے، پھر اگر تمہارا سینہ اسقدر وسیع نہیں کہ اس بات کو بھی قبول کر سکو، اور کہو کہ میں نے تمام دنیا کے اعتقاد کا باطل ہونا پہچان لیا ہے اور یہ محال ہے کہ روح موت کے بعد پھر از روئے جو ہر باقی ہو، یا پھر لوٹ کر آئے۔ اور اس بات کا تمہیں ایسا ہی یقین ہو، جیسے تم معلوم کر چکے ہو کہ ایک سے دو زیادہ ہوتے ہیں، اور سیاہی اور سفیدی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی، تو یہ بھی تمہاری بد مزاجی اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے۔ اور اس قسم کا دشمن عقل و خدا ایسے مرض میں گرفتار ہے جس کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں۔ آہ انہیں لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ** یہ لوگ چار پاٹے ہیں بلکہ ان سے بھی گمراہ تر۔

دوم۔ یہ لوگ سعادت اخروی کا انکار تو کرتے ہیں۔ لیکن دنیوی سعادت کے انکار نہیں ہیں، اب دنیا کی سعادت کی انتہائی منزل کیا ہے؟ عزت و حرمت، بلند اقبال و حکومت۔ قدرت و اختیار، رنج و ملال اور غم و آلام سے سلامت رہنا، اور ہمیشہ حیات

و آرام سے زندگی بسر کرنا، تو یہ امور بھی علم و عمل کے بغیر انسان کو میسر نہیں آ سکتے علم کے بارے میں سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ اس کی عزت کو دوام ہے کیونکہ نہ تو اُسے کوئی شخص معزول کر سکتا ہے اور نہ ہی باطل جیسے دنیا کی حکومت اور سیادت سے کوئی افسر معزول و موقوف ہو سکتا ہے۔

یہ بھی مخفی نہ رہے کہ علما کو علم اور ان انکشافات علمیہ میں جو وہ اکثر مشکل مسائل کے حل کرنے میں خصوصاً جب وہ مسائل زمین و آسمان کے ملکوت اور الہیات سے متعلق ہوں۔ وجدانی کیفیت اور لطیف و سرور حاصل ہوتا ہے جس کو وہ لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں جنہیں مشکلات حل کرنے کا کبھی موقعہ میسر نہیں پڑا پھر یہ ایسی لذت ہے جس کی انتہا نہیں کیونکہ معلومات کی کوئی حد نہیں اور نہ ان کے حصول میں کوئی روک ٹوک ہے۔ کیونکہ جوں جوں دانشگان علم کی کثرت ہوتی جاتی ہے توں توں معلومات بھی زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ بلکہ جب عالمِ عظیم دنیا اور اس کی ریاست کا طالب ہو۔ تو کثرتِ شرکاء سے وہ علم سے زیادہ اُفس پذیر ہوتا ہے کیونکہ دنیا ہی تو ہے۔ جو مزاحمت سے تنگ ہوتی ہے۔ اور علم تو کثرتِ طلب سے اور زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ پھر باوجودیکہ دنیا کا مترین لذات ہے۔ اس شخص کے لئے جو اس سے مانوس ہے تو وہ زیادہ دائمی ہو جاتی ہے۔ جب عالم پر اس کا انعام کرنے والا اللہ اور اس کے فرشتے ہوں، لیکن شرط یہ ہے کہ عالمِ خالصۃً علم کا ہو رہے، اسی لئے تم دیکھتے ہو کہ روسا اور والیان ملک ہمیشہ معزول ہو جانے کے سوا ان ریح میں بہستار رہتے ہیں، اور ان کو بھی ہشتیاق ہوتا ہے۔ کہ ان کی عزت علما کی سی ہو +

عمل سے ہماری مراد صرت یہ ہے کہ خواہشات نفسانی کو درست رہستہ پر نگاہیا جائے۔ رہو اغضب کو ضبط غیض کی لگام دینی جائے، و نفسانی صفات کو توڑا جائے تاکہ نفس عقل کے تابع ہو جائے۔ اس کے قابو سے کبھی باہر نہ ہو۔ اور اپنی حاجات کے بر لافے میں جو تندابیروہ اختیار کرے عقل کی حدود سے باہر نہ ہوں۔ ع

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسِ سبحانِ عقل

پس جو شخص اپنی شہوات کو مغلوب کر لے وہی حقیقی طور پر آزاد ہے۔ بلکہ وہ بادشاہ ہے ایک عابد و زاہد بزرگ نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ میری سلطنت تمہاری حکومت سے

عظیم تر ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیسے؟ زاہد نے جواب دیا اس لئے کہ جس کے تم بندے ہو وہ میرا غلام ہے۔ مراد یہ ہے کہ بادشاہ اپنے نفس کا غلام ہے اور زاہد کی خواہشات نفسانی مقمور و مغلوب ہو چکی ہیں۔ خواہشات نفسانی کا بندہ جو ان پر غالب نہیں آسکتا اور ان کی گردن توڑ نہیں سکتا، طبعی طور پر کمزور دل اور غلامی پسند ہوتا ہے۔ دائمی رنج و غم میں مبتلا اور تواتر مصیبت میں گھرا رہتا ہے۔ اگر ایک روز اپنی مراد ولی سے شاد کام ہو لیتا ہے تو کئی روز بالوسی و نامرادی سے ہمکنار رہتا ہے۔ اس کے علاوہ اپنی آرزوؤں کو پورا کرنے کے لئے اسے ہزاروں کسم خطرات۔ سو طرح کے مصائب اور لاکھوں شقتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، اور روز بروز ان کی غلامی کا طوق اس کی گردن پر حاوی ہوتا جاتا ہے۔ اس لئے خواہشات کی حد بندی اسباب رنج و الم کی حد بندی ہے۔ اور ان کو مٹانے کی صرف یہی صورت ہے کہ ریاضت و مجاہدے کو کام میں لایا جائے۔ اور یہی عمل کے معنی ہیں! تو جب عالم باطن کی حالت تمام لوگوں سے بہتر ہے اور اس بات کو وہ شخص بھی تسلیم کرتا ہے جو سعادت کو صرف دنیا میں ہی محدود سمجھتا ہے۔ دنیا کسی کی ہوکے نہیں رہتی اور اس کی لذتیں اس کی مصیبتوں سے زیادہ بھی ہیں! اتباع شہوات میں غرق رہنے والا اور معذرات میں نظر دس کر کرنے سے اعراض کرنے والا شخص بالاتفاق دنیا میں شقی اور بد بخت ہے، اور تینوں فرقوں کے نزدیک وہ آخرت میں بھی اپنے نصیب سے ہارے ہوئے ہے۔ ان بیوقوفوں کی ایک قلیل جماعت جن کی ہمتی کسی شمار و قطار میں نہیں اور نہ ہی فائدہ دل میں ان کو گنا جاسکتا ہے سہتے ہے۔

پس ظاہر ہو گیا کہ آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے علم و عمل میں کوشش و مستحکم کرنا عقل و دانش کے لحاظ سے ضروری ہے۔ اور جو شخص اس میں کوتاہی کرتا ہے۔ وہ جاہل ہے اگر تم پوچھو کہ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اس میں کوتاہی کرتے ہیں۔ لیکن آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں، تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے۔ کہ اس کا باعث یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا امور میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے، یہی غفلت ان کی زندگی پر مستولی ہے۔ لوگ اس وقت تک اس خوابِ فرگوش سے بیدار نہیں ہوتے جب تک خواہشات متواتر اور پے در پے آکر ان کو فریب دینے لگتی ہیں۔ ان کی بیداری اور تنبیہ کے لئے ایک پاکیزہ سیرت و عظیم ضرورت ہے۔ افسوس کہ موجودہ زمانے میں اس قسّم لوگ عتقا ہو چکے

ہیں۔ اور اگر شاذ و نادر طور پر کوئی ہو بھی تو یہ لوگ اس کی جانب متفت نہیں ہوتے اور اگر التفات کریں اور کچھ احساس اور حسن عزم زمانہ مستقبل میں طاعت میں یکسو ہونے کے متعلق ان کے دلوں میں پیدا ہو تو ہواؤ ہوس اُن پر هجوم کر کے آتی ہے! اور تنبیہ و اعتبار کی جو روح ان میں پیدا ہوئی تھی زائل ہو جاتی ہے۔ غفلت و خود فراموشی کا پردہ لوٹ آتا ہے۔ اور عقلمند انسان پھر اپنی نامطبوع حرکات کا مرکب ہونے لگتا ہے جن سے اُسے منع کیا گیا تھا اور وہ اُسی ہلک اور خطرناک رستہ پر گامزن رہتا ہے حتیٰ کہ اُدم لذات اس کی روح و جسم میں جدائی ڈال دیتی ہے۔ یہ تمام ہوا پرستیاں یہ جلد شہوات کی پیروی اور یہ سب بد عملیاں اسے موت کی دستبرد سے بچا نہیں سکتیں، اس وقت حسرت و نامرادی کے سوا اور کوئی چارہ کار اُسے نظر نہیں آتا۔ اللہ ہمیں اس غفلت و بدستی سے اپنی پناہ میں رکھے کیونکہ یہی تمام شقاوت و بدبختی کی جڑ بنیاد اور اصل الاسول ہے +

فصل

شاہراہ سعادت یعنی علم اور عمل

الگزم کہو کہ یہ تو ہم پر واضح ہو گیا کہ شاہراہ سعادت پر قدم زنی عقلمندی کی دلیل ہے اور اس میں سستی اور تسال سے کام لینا جہالت کا ثبوت، لیکن جو شخص اس رستہ سے واقف ہی نہیں وہ کیسے اس پر چل سکتا ہے۔ اور ہم کس طرح معلوم کریں کہ علم اور عمل ہی وہ شاہراہ ہے تاکہ ہم اس پر توجہ صرف کریں۔ تو اس کے معلوم کرنے کے دو طریقے ہیں۔ اول مجملہً پرانا رستہ ہی مناسب ہے۔ یعنی ہم اس رستہ پر ملتفت ہو جاؤ۔ جس پر اول تین فرسے متفق رہے ہیں۔ ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ فوز و نجات صرف علم و عمل سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس امر میں متفق انسان ہیں علم عمل سے اشراف ہے عمل گویا علم کا تہ ہے عمل علم کو اپنے پروں پر لیکر مائل پرواز عطا ہے۔ یہاں تک کہ اُسے اس کے مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا المیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ کلمات طیب اسی کی طرف صعود کرتے ہیں اور عمل صالح

ان کو ہند کرتا ہے ! پاکیزہ کلمات بحث و نظر کے وقت علم کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ تو یہی صعود ہے۔ اور یہی موقع پر پہنچتا ہے۔ عمل ایک غلام ہے جو علم کو اٹھاتا ہے اور لیکر چلتا ہے۔ علم کی عمل و تربیت کے باسے میں یہ ایک تنبیہ ہے +

فردِ اول جمہور پر مشتمل ہے اور مفہومِ اول یعنی ظاہر شرع پر متمسک ہے۔ اس کا مذہب اور مسلک علم و عمل کے ذریعہ نجات ہونے کے متعلق بالکل صاف اور عیاں ہے اور اس کا مکمل بیان احاطہ تحریر میں نہیں آ سکتا۔ صوفیا اور فلاسفہ بھی جو اللہ اور یومِ آخرت پر بالجمہ ایمان لائے ہیں، اگرچہ اس کی کیفیت کے باسے میں مختلف رائے ہیں، اس امر میں متفق ہیں کہ میں کہ سعادت کا راز علم اور عبادت میں مضمر ہے۔ باوجود اس کے ان لوگوں کا علم و عمل کی تفصیل کا انتظار کرنا۔ اور باوجود اس اتفاق رائے کے توقف کرنا سراسر حماقت ہے۔ فرض کرو کہ ایک شخص کسی مرض میں مبتلا ہے۔ اطباء کی کتابیں اور ان کے اقوال باوجود احسان طب کے اختلاف کے اس امر پر متفق ہیں کہ اس بیماری کے ازالہ کے لئے بہتر دوا مفید ہیں۔ تو اگر مریض اس میں توقف کرتا ہے تو اس کی عقل میں فتور ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں تو اسے نہایت مبادرت سے کام لینا چاہئے تھا۔ ان بعض اوقات مریض کو مرض کے ازالہ کے بعد اس امر کا موقع ملتا ہے کہ اس بات کے متعلق تحقیقات کرے، تقلید جمہور کے لئے نہیں بلکہ مرض کی حقیقت اور بہتر دوا کے مرض کے ازالہ کے لئے مناسب ہونے کی وجہ کارار معنوم کرنے کے لئے، چنانچہ اسے بے حد بصیرت حاصل ہوتی ہے جب غور و فکر سے مستقل طور پر کام لیتا ہے تو اتباع و تقلید کے عمیق گڑھے سے نکل کر صاحب بصیرت ہونے کی فلک بجا چوٹی پہنچ جاتا ہے۔ غرض صوفیا اور ان کے علاوہ تین فرقوں کا یہی دعویٰ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک شخص اس مقام کو بصیرت و تحقیق کے ذریعہ حاصل کر لے اس کی صورت یہی ہے کہ تم موت کی حقیقت کو پہچان لو۔ اور اس بات سے خوب واقف ہو جاؤ کہ موت آکر کتنا قابل استعمال کر دیتی ہے۔ اسے معدوم نہیں کرتی +

اس کے بعد یاد رکھو کہ اول ہر ایک چیز کی سعادت۔ اس کی لذت اور راحت، صرف اس چیز کا کمال خاص حاصل کر لینے میں مضمر ہے۔ (دوم) انسان کے لئے کمال خاص یہ ہے کہ وہ ان تعلیمات کی حقیقت کا ادراک کر لے جن پر اس کی ہستی کا دار و مدار ہے۔ ان سے وہ توجہات اور محسوسات خارج کر دینے چاہئیں جن میں اس کے ساتھ جیوان بھی مشترک ہیں۔

دوم، روح ذاتی حیثیت سے اس کمال خاص کے لئے تحت تشنه کام ہے۔ اور فطری طور پر اس کے لئے متعدد شہوات بدنیہ اور دوسرے عوارض میں اس کا مشغول و مصروف ہو جانا اسے اس کمال کے حاصل کرنے سے مانع ہے جب انسان اُن پر غالب آجائے شہوات کو توڑے اُن کو بے دست و پا کرے۔ عقل کو اس کی غلامی سے رہا کرے۔ اور اس کی حلقہ بگوشی سے آزاد، اس وقت انسان ملکوت السموات والارض کو مطالعہ کرنے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کرتا ہے۔ بلکہ اپنے نفس اور اس کے متعلق عجائبات کو بنظر عمیق لائحہ کرتا ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب انسان اپنے کمال خاص کی منزل مقصود کو پالیت ہے۔ دنیا میں وہ نیک بخت اور سعادت اندوز ہوتا ہے کیونکہ سعادت کے معنی یہی ہیں کہ انسان کی روح ہر اُس کمال کو پالے جو اُس کے لئے ممکن ہے۔ اگرچہ درجات کمال کا نہ تو کوئی شمار ہے اور نہ کوئی حد۔ لیکن ہم جب تک اس دنیا میں ہیں۔ اس لذت سے ذوق آشنا نہیں ہو سکتے، اس کی مثال یوں ہے۔ کہ ایک شخص ہو جس کی قوت ذائقہ ضائع ہو چکی ہے اس کے سامنے لذیذ نہیں کھانا رکھیے۔ وہ اس کی لذت سے واقف نہ ہوگا۔ لیکن اگر یہ لذت اُس کی حس ذائقہ عود کر آئے تو وہ فوراً کھانے کی لذت سے پوری طرح لطف اندوز ہونے لگے گا۔ اس لحاظ سے موت کی مثال حس ذائقہ کے عود کرنے کی سی ہے۔ چنانچہ میں نے بعض سرآمد حلقہ مصنف کو سنا کہ فرماتے تھے سالک الی اللہ جنت کو اسی دنیا میں دیکھتا ہے اور فردوس اعلیٰ اس کے گوشہ دل میں اس کے ہمراہ رہتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اس مقام کو حاصل کر سکے۔ اس کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ علائق دنیوی سے یکسر علیحدگی اختیار کی جائے۔ اور امور الدنیہ میں فکر و نظر پر پوری ہمت صرف کی جائے حتیٰ کہ المامات الہی کے روشن راز ہائے سرستہ کا انکشاف کرنے لگے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ روح کو ان تمام کمزورتوں سے صاف کر لیا جائے، اس مقام بلند پر پہنچنے کا ہی دوسرا نام سعادت ہے۔ اور عمل اس کے لئے ممد و معاون، پس یہی وہ گروہ ہے جس کا دعویٰ ہے کہ علم و عمل کی سعادت کے ساتھ معرفت کو مناسبت حاصل ہے، چنانچہ یہ دوسرا طریقہ ہے یقین کی منزل تک پہنچنے کا۔ جو کچھ انہوں نے کہا وہ پختہ ہے اور ان کے نزدیک عرفان محابہ نفس اور ریاضت کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا الذین جاہدوا فینا لنھدینھم سبیلنا جو لوگ ہماری راہ

میں کو شش کرینگے ہم انکو اپنے رستہ دکھا دیں گے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ تم جستجو میں مجاہدہ اور یکسوئی کو استعمال کرو۔ بعض اوقات حقیقت حال کا انکشاف تم پر نفی و اثبات کے ذریعہ سے ہو گا۔ تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ تم علم و عمل سے شروع کرو جس پر تینوں فرقوں اتفاق ہے۔ کیونکہ تمہاری غرض سوال سے بحث و جدال نہیں بلکہ جستجوئے کامرانی ہے۔ اُس مریض کی مانند کہ جب تمام اصناف کے طبیب اس کے مرض کے بارے میں متفق الرٹھے ہو جائیں تو یونیز جھگڑا کرنے کے شفا کی طلب میں مصروف ہو جاتا ہے +

فصل

متروکہ نفس کا اجمالی بیان

اگر تم کو کہ یہ تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ علم و عمل میں مشغول ہونا واجب ہے لیکن معلوم بے شمار ہیں، اور یہی حال اعمال کا ہے کہ وہ نوع اور مقدار کے لحاظ سے کثیر اور مختلف ہیں مثلاً صرف اسی قدر جان لینا کافی نہیں کہ مبردات بیماری کو نافع ہیں، جب تک مبردات کی نوع اُن کی مقدار، ان کے استعمال کا وقت دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر یہ متفرق طور پر استعمال کرنے کا طریق، وغیرہ وغیرہ جو امور ضروری طور پر تفصیل کے محتاج ہیں معلوم نہ ہوں۔ لہذا انسانیت ضروری ہے کہ قسم اور کیفیت بیان کی جائے اور ساتھ ہی اس کے استعمال کا طریقہ اور کیفیت بھی بتائی جائے۔ ان سوالات کا مجمل جواب یہ ہے کہ ان مسائل کے لحاظ سے لوگ دو فرقوں پر منقسم ہیں، اول وہ لوگ جو تقلید پر تعلق ہیں۔ وہ بحث و نظر کی مشقت گوارا کرنے سے مستغنی ہیں، بلکہ وہ اپنے امام و پیشوا کے قدم بقدم چلنے کو ہی موجب سعادت و طمانیت سمجھتے ہیں۔ دوم وہ لوگ جو تقلید کا ممنون ہونا پسند نہیں کرتے وہ مریض کی طرح طبیب کے فرمودہ کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کو اس امر کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اطباء کا رتبہ حاصل کریں یہ منزل بہت دُور کی ہے۔ اس کے لئے نوع کی عمر چاہئے۔ اس منزل کو پالنے کی سعادت صدیوں میں کسی ایک کو ملتی ہے اور وہ بھی شاذ و نادر طور پر۔ لیکن ہم چاہتے ہیں کہ

تمہیں تقلید اور پیروی کی ذلت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہونے کے طریقے بتاویں۔ اگر توفیق الہی تمہاری امداد کرے اور تکمیل حاصل کرنے کا وسیع تمہارے دل میں پیدا ہو جائے تو تم مجاہدہ نفس کے ذریعہ اپنی مراد کو پہنچ جاؤ گے۔ یاد رکھو تم اپنی آرزو کو نہیں پاسکتے جب تک اپنے نفس۔ اُس کی قوتوں اور خاصیتوں کی معرفت مکمل حقد حاصل نہ کرو کیونکہ جو شخص زید سے واقف نہیں وہ اس کے ساتھ تعلقات کیسے قائم کر سکتا ہے۔ مجاہدہ معاملہ نفس ہے جس سے اُس کا ترکیب ہوتا ہے اور انسان فلاح کا مقام حاصل کر لیتا ہے چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے قد آفلح من نراکھا وقد خاب من دساھا اس نے فلاح پائی جس نے اُسے پاکیزہ بنایا۔ اور وہ غائب و خاسر ہوا جس نے اُسے دہلے رکھا۔ جو شخص کپڑے کی صورت سے آشنا نہیں وہ اُس کی سیل کے دور کرنے کا تصور کیسے کر سکتا ہے چونکہ نفس کی پہچان ہی اصل الاصول ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے معاملے کو تخصیص اور اکرام کے طور پر عظمت عطا فرمائی۔ اور اُس کو اپنی ذات پاک کے ساتھ نسبت بخشی چنانچہ فرمایا انی خالق بشر من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی اس آیت میں اس امر کی جانب صاف اشارہ ہے کہ انسان کا جسم آنکھوں اور اک حاصل کرتا ہے اور نفس عقل اور بصیرت سے۔ نہ جو اس سے اللہ تعالیٰ نے اس کے جسد کو مٹی نسبت دی۔ اور اُس کی روح کو اپنی ذات سے۔ خداوند کی زبان میں روح دی ہے جسے ہم نے نفس کا نام دیا ہے اور یہ اس لئے کہ ارباب بصیرت کو معلوم ہو جائے کہ نفس انسانی امور البیہ میں سے ہے۔ اور پست درجہ اجسام ارضی سے ارفع اور زبردست تر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی تم سے روح کی بابت پوچھتے ہیں کہ وہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ کہتے ہیں کہ سابقہ کتب آسمانی میں بھی لکھا تھا اے نبی آدم اپنے نفس کو پہچانو تم اپنے رب کو پہچان لو گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے اعرفکم بنفسہ اعرفکم بربہ تم میں سے جو شخص اپنے نفس سے زیادہ واقف ہے۔ وہ اپنے رب سے بھی زیادہ واقف ہے۔ اور ولا تکلونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم فرما کر اس بات کو واضح کیا کہ دونوں ایک دوسرے سے لازم و ملزوم کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایک کو بھول جانا دوسرے کو بھول جانے کے

مراد ہے۔ اسی لئے فرمایا سنسایہما ایاتنا فی الاوقات فی انفسہما اور
 وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفْلا تَبْصُرُوْنَ۔ یہاں ظاہری جسم کو دیکھنے کی جانب توجہ دلانا
 مقصود نہیں کیونکہ یہ تو ہمارے کو بھی نظر آتا ہے۔ یہ جائیکہ انسان کو مختصر یہ کہ جو شخص
 اپنے نفس کے حالات سے ناواقف ہوگا۔ وہ دوسری خارجی اشیاء سے بدرجہ اعلیٰ
 بے خبر ہوگا۔ اللہ عزوجل کی بندوں پر خاص الخاص رحمت اور عنایت ہے۔ کہ اس نے
 انسان کے وجود میں باوجود اس قدر صغیر الجثہ ہونے کے اتنے عجائبات جمع کر دیئے ہیں اور
 اوصاف و خصائل کے لحاظ سے انسان کل کائنات کے عجائبات کا حریف ہو رہا ہے۔ گویا
 تصنیف عالم کی یہ ایک عجیبی قطع ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ انسان اس میں غور و فکر
 کرے کہ اللہ عزوجل کے علم کی طرف مواصلت حاصل کرے۔

”نفس“ کے متعلق جبہ حالات کا یہ استقصا تو کروں لیکن اندیشہ ہے کہ گفتگو بہت طویل
 ہو جائیگی، لیکن اگر تمہاری خواہش ہے کہ ہم عمل طور پر ضرور کچھ بیان کریں جس سے تمہیں
 تفصیلی حالات معلوم کرنے کا اشتیاق پیدا ہو تو کان دھ کر سنو کہ نفس حیوانی کتنے قوتیں
 ہوتی ہیں، اول قوت محرکہ دوم قوت مدرکہ حرکہ کی پھر قوتیں ہیں، باعشہ اور مباشرہ محرکہ
 مباشرہ حرکت وہ قوت ہے جو اعصاب اور عضلات میں پیدا ہوتی ہے اس کا کام یہ ہے
 کہ عضلات کو سکڑے اور نسوں اور ریشوں کو جن کا اعصاب سے اتصال ہے مبداء کی
 جانب کھینچے۔ یا یہ کہ اُن کو ڈھیل دے اور نرم چھوڑ دے۔ تاکہ اعصاب اور نیس مبداء کے
 مقابل جانب کو ہو جائیں۔ یہ قوت باعشہ حرکہ کے خادم کی حیثیت رکھتی ہے۔

جب کبھی آئینہ خیال میں کسی ایسی شے کی صورت منعکس ہوتی ہے۔ جو مرغوب طبع
 ہے یا قابل نفرت ہے تو جو قوت ترغیب و تنفر کے جذبات پیدا کرتی ہے، اس کا نام
 باعشہ ہے اور وہ قوت مباشرہ حرکت کو جنبش پر مائل کرتی ہے۔ اس قوت باعشہ کے دو شعبے
 ہیں، ایک کوشہوائیہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو غضبیہ، شہوائیہ انسان کو ان اشیاء کی جانب
 طلب لذت کے لئے قریب ہونے کی رغبت دیتی ہے جس کو وہ اپنے لئے ضروری اور
 منفعت بخش سمجھتا ہے، اور غضبیہ انسان کو ان چیزوں کے دفع کرنے اور اُن پر غلبہ حاصل
 کرنے کی تحریکیں لاتی ہے جن کو وہ اپنی ہستی کے لئے ضرر رسان اور نقصان دہ سمجھتا ہے۔
 اب یہی قوت مدرکہ تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ مدرکہ ظاہرہ اور مدرکہ باطنہ ظاہرہ

حواس خمسہ ہستل ہے۔ ہم اس کی تحقیق و تعیش میں زیادہ غور و خوض نہیں کریں گے۔ اگرچہ اس کے حقائق کی معرفت کے بارے میں بھی بہت طویل گفتگو چاہئے لیکن ہماری غرض اجمالی بیان ہے۔ اس لئے ہم اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ باطنہ پانچ ہیں اول خیالیہ یہی وہ آئینہ ہے جس میں محسوس چیزوں کے غائب ہو جانے کے بعد ان کی صورتیں عکس پذیر رہتی ہیں چنانچہ صورت مرنی آنکھیں بند کرنے کے بعد بھی خیال میں قائم رہتی ہے۔ تو وہ قوت جس کے برعکس پر وہ چھپ جاتی ہے اس کو قوت خیالیہ کہتے ہیں۔ اور جب جملہ حواس خمسہ کے مدركات کے نشان اس میں باقی رہیں تو وہ جس شترک کہلاتی ہے +

دوسری کا نام حافظہ ہے۔ اور یہ مذکورہ بالا نشانات کو محفوظ رکھتی ہے کسی چیز کی صورت کو نمک کرنے والی قوت اور ہے، اور اس کو تسبیل کرنے والی طاقت اور ذمہ داری ہوتی ہے باعث نقیض کو نمک کرتا ہے۔ اور رطوبت کے ذریعہ قبول۔ اور پانی قبول کرتا ہے تمسک نہیں کرتا، قوت مقبلہ اور ان قوتوں یعنی حواس خمسہ کے مدركات کو قبول کرنے والی اور ان کو محفوظ رکھنے والی قوتوں کا مسکن مقدم دماغ کے جوف اول میں ہے، اور جب اس پر کوئی چوٹ لگتی ہے یا آفت نازل ہوتی ہے تو یہ قوتیں مختل ہو جاتی ہیں، یہ باتیں علم طب میں مفصل مذکور ہیں +

سوم و ہیہ ہے۔ اس قوت کا مقام دماغ کے وسطی جوف کی آخری حد پر ہوتا ہے۔ یہ قوت جزئی محسوسات کے ان معانی کا ادراک کرتی ہے جو غیر محسوس ہوں جس طرح قوت جوہری کو جھمکتی ہے کہ بھڑپے سے بھگتا اور بچنے کی طرف جانا چاہئے +

چوتھی ان معانی کو یاد رکھنے کا کام کرتی ہے۔ جو محسوس نہیں کئے جاسکتے، جیسے قوت دوم صورتوں کو حفظ کرتی ہے۔ وہ حافظہ صوری ہے اور یہ حافظہ معانی

اس کا نام ذکرہ ہے اور اس کی جائے سکونت جوف دماغ کا آخری حصہ ہے۔ اسب جو دماغ کا وسطی حصہ باقی رہ گیا، اور یہ قوت مفکرہ کا مسکن ہے، جو خزانہ صورتوں

خزانہ معانی کے درمیان مرتب ہوتی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق

بعض خیالات کو آپس میں ترکیب دے۔ اور بعض کو منتشر کر دے۔ عام طور پر اس کا ذکر قوائے

مدرکہ میں کیا جاتا ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اس کو قوائے فکر کہ میں شمار کیا جائے، کیونکہ

اس کا ادراک حرکت کی انواع سے ہے یعنی مرکب خیالات کو منتشر کرنا اور منتشر کو جمع کرنا

وہ کسی ایسی نئی شے کے پیدا کرنے پر تیار نہیں۔ جو خیال میں موجود نہ ہو اس کا دائرہ عمل صرف تفصیل و ترکیب پر حادی ہے۔ مذکورہ بالا قوای حیوانوں اور انسانوں میں مشترک طور پر پائے جاتے ہیں۔ صرف قوت مفکرہ مستثنیٰ ہے۔ اس کی بجائے حیوانات میں ایک قوت قویہ قریب اس کے ہوتی ہے۔ اس کو متخیلہ کہتے ہیں۔ مگر وہ انسان کی قوت مفکرہ کے برابر طاقتور اور قوی نہیں ہوتی۔

اب رانفس انسانی تو انسان سے متعلق ہونے کے لحاظ سے اس کی قوتوں کی دو قسمیں ہیں۔ قوت عالمہ اور قوت عالمہ، ان میں سے ہر ایک کا نام عقل ہے لیکن اہم مشترک کے طور پر۔ کیونکہ عالمہ کو عقل صرف اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہ عالمہ کی خاموش ہے اور نفس کے لئے مقصود ہے۔ قوت عالمہ نظر جس کا ہم ابھی ذکر کرینگے کے اقتضا کے مطابق وہ فعال معینہ جو جڑی ہیں اور فکر و دریت کے ساتھ مختص ہیں۔ ان کی طرف انسان کے بدن کو حرکت دینے کا یہ مبداء ہے، چاہئے کہ قوائے بدن یہ اس قوت عملیہ کے سوائے سب مقہور و مغلوب اور تابع فرمان ہوں اس طرح کہ یہ قوت ان سے اثر پذیر نہ ہو و دوسری تمام قوتیں اس قوت کے فرمان و اشارہ کے مطابق سکون و حرکت اختیار کریں۔ کیونکہ اگر یہ قوت مغلوب ہو جائے تو قوائے بدن میں خواہشات کی اطاعت و انقیاد کی پشتیں پیدا ہو جاتی ہیں جنہیں بد اخلاقیوں سے تعبیر کرتے ہیں، اور اگر یہ قوت دوسری قوتوں پر تسلط ہو جائے اور غلبہ پائے تو اس استیلا و غلبہ کو اخلاق فاضلہ و حسنہ کہتے ہیں، اور اس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اس قوت کے استیلا کی صورت کے معنی یہ ہیں، کہ دوسری تمام اس کی مطیع و نقاد ہوں۔ اور یہی مراد ہے اخلاق حمیدہ سے، غرض یہ ہے کہ نفس اس بات سے بالاتر ہے کہ جو اس خمسہ اس کا ادراک کر سکیں۔ البتہ عقل اس کو معلوم کر سکتی ہے۔ یا اس کے آثار فعال سے اس کے متعلق دلائل دیکھتی ہے۔ نفس کو دو نسبتیں حاصل ہیں۔ اول نسبت اس پہلو کی طرف جو اس سے نیچے ہے۔ اور دوم نسبت اس پہلو کی جانب جو اس کے اوپر ہے اور ہر پہلو کے اعتبار خدائے اعلیٰ کی قوت ہے۔ کبھی ہے جس ان پہلوؤں کو نفس کے درمیان علاقہ کا نظم قائم رکھا جاتا ہے یہی قوت عملیہ ہے وہی وہ قوت ہے جو نیچے کے پہلو کا خیال رکھتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر و سیاست کا قوت عالمہ نظر یہ جس کا مذکور اب ہو گا ایک ایسی قوت ہے جو ادیر کے پہلو کا اعزاز رکھتی ہے۔ تاکہ اس سے اثر پذیر نہ ہو۔ اور استفادہ کرے۔

ان ملائکہ سے جو انسان کے نفوس پر وکل بنائے گئے ہیں تاکہ اس پر علوم کی بارش کریں کیونکہ علوم اللہ کی جانب سے کسی واسطہ کے ذریعہ ہی حاصل کئے جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد خداوندی ہے۔ **وَمَا كَانَ بَشَرًا اِنْ يَكْلَمُكَ اللّٰهُ اَوْحِيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يَرْسِلُ رَسُوْلًا كَسِيَ الْاِنْسَانَ سِتْرًا مِّنْ اَللّٰهِ فَصَرَفَ وَجْهًا** کہ جس طرح اللہ صریح وحی کے طور پر یا پرف کے پیچھے سے یا رسول بھیج کر ہی کلام کرتا ہے۔

نفس کو ہمارے ساتھ دو تعلق ہیں۔ پہلا بدن کی جانب۔ اور چاہئے کہ یہ تعلق غالب اور استولی ہو نہ اثر قبول کرنے والا ہو اور نہ عوارض اور شہوات بدنیہ سے متغفل ہونے والا دوسرا تعلق شریف و عالی جانب سے، چاہئے کہ یہ تعلق اس جانب کے اثرات سے دایم قبول ہو اور ہمیشہ تاثرات حاصل کرتا ہے کیونکہ ہمیں سے نفس انسانی پر اسباب سعادت کا نزول ہوتا ہے۔ یہ قوت نظریہ عالم ہی ہے جس کا کام یہ ہے کہ کلی اور ان عوارض سے پاک معانی کا جو انہیں جزئی اور محسوس بنا دیتی ہیں الفاکیں۔ معانی کلی کا ذکر ہم اپنی کتاب بکار العلم میں کر چکے ہیں۔

پھر یہ قوت ان علوم کی نسبت سے جو اس میں حاصل ہوتے ہیں۔ تین مراتب پر تقسیم ہے اول اس نسبت کی مانند جو بچے کو کتابت سے ہے کیونکہ بچے میں کتابت کی قوت تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید ہے۔ یہی حال اس کے ساتھ قوت علم کا ہے۔ مرتبہ ثانیہ یہ ہے کہ اس میں تمام مقنولات جو ابتدائی اور ضروری ہیں۔ حاصل کئے جائیں۔ جیسے ایک لڑکا جو جو حساب تمیز ہے اور سن بلوغ کو پہنچ رہا ہے۔ اس نے دوات قلم اور حروف مرکب کے علاوہ مفرد کی پہچان حاصل کر لی ہے۔ حالانکہ اس سے پرگھوڑے میں یہ بات حاصل نہ تھی اس میں کتابت کی قوت مطلقہ تو موجود ہے لیکن فعل سے بعید تھی۔

مرتبہ سوم یہ ہے کہ تمام مقنولات کہ سمیعہ کی طور پر حاصل کی جائیں۔ اور یہ چیزیں انسان کے پاس بطور خزانہ کے جمع ہوں۔ چنانچہ جب چاہے ان کی جانب رجوع کر سکے اور جب رجوع کرے تو ان پر تمکین ہو جائے۔ اس شخص کا حال علوم کے بارے میں ماہر کتاب و صنایع کا سا ہے۔ جو کتابت سے غافل ہے۔ کہ وہ قوت قریب کے ساتھ اپنے فن میں مستعد ہے اور استعداد کے طور پر اسے امتحانی کمال حاصل ہے۔ یہ انسانی درجہ کی انتہا ہے لیکن اس مرتبہ میں لا تخصی و اسج ہیں جو کثرت و قلت معلومات اور شرافت و خست معلومات اور

ان کی تحصیل کے طریق کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ یہ صرف الہام الہی تعلیم اور کتاب کے ذریعہ ہی حاصل ہوتے ہیں یا تو سریع الحصول ہے یا بطی الحصول۔ اس علم میں علما حکما اولیا اور انبیاء کی منازل بتائیں ہیں اور اس علم کے تفاوت کے حساب سے ان کے مناصب بھی متفاوت ہوتے ہیں۔ اس میں ترقی کرنے کے مدارج غیر محدود ہیں، اور حصر کے قابل نہیں سب سے بلند ترین درجہ مقام نبوت ہے۔ جس پر تمام حقائق یا ان کا اکثر حصہ منکشف ہوتا ہے بغیر کتاب اور تکلیف اٹھانے کے، بلکہ کشف کے ذریعہ سے نہایت قلیل وقت میں۔ اور یہ وہ سعادت ہے کہ جب انسان اس کے وسعہ سے شاد کام ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا قرب اُسے حاصل ہو جاتا ہے، مکان اور مسافت کے طور پر نہیں بلکہ معنی اور حقیقت کے لحاظ سے ادب کا فرمان ہے کہ اس مقام کے بارے میں گفتگو کی باگ تمام لی جلتے کیونکہ بعض لوگ یہاں اس حالت کو پہنچ جاتے ہیں کہ وہ قرب سے گذر کر ذات احدی کے ساتھ اتحاد کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں، چنانچہ بعض پکار اٹھے سبحانی ما اعظم شأنی دوسروں نے انہیں الحق کا نفور مارا بعض نے اس مقام کو حلول سے تعبیر کیا اور نصائے فلاہوت وناہوت کے اتحاد سے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہنے لگے وہ خدا کا نصف ہیں واللہ خداوند جل و علا کی ذات بلند ان بدبخت لوگوں کے قول سے بہت الرفع و العلیٰ ہے۔ الغرض خدا کی طرف پہنچنے کے منازل بے حد و شمار ہیں۔ سالک راہ سلوک میں جس منزل کو پالیتا ہے اس سے واقف ہو جاتا ہے اور اسی طرح گزشتہ تمام منازل کو جن کو وہ قطع کر چکا ہے پوری طرح پہچان لیتا ہے لیکن جو منزل اس کے سامنے ہے اس کی حقیقت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ الا بطور اجمال کے، اور ایمان بالغیب کے چنانچہ حقیقت نبوت سے سوائے نبی کے اور کوئی شخص واقف نہیں ہوتا جس طرح جنین بچہ کے حال سے آشنا نہیں اور بچہ صاحب تمیز لڑکے کی کیفیت اور ان ضروری معلومات سے جو اس پر کھل چکے ہیں، ناواقف ہوتا ہے۔ پھر صاحب تمیز لڑکا صاحب عقل کے حال اور ان علوم نظر پر سے جو اس نے حاصل کئے ہیں ابے خبر ہوتا ہے۔ اسی طرح صاحب عقل و شعور لوگ ان حالات سے نا بلکہ محض ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف و فراوانی رحمت سے ان پر نوازش کئے ہیں بقولہ تعالیٰ وما یفتحہ اللہ للناس من رحمۃ فلا معصود لہا۔ اللہ اپنی رحمت کے دروازے جب کھول دے تو انہیں کوئی بند نہیں کر سکتا۔ یہ

اگر ہم وغنایات محض جو دالہی سے مبذول ہوتے ہیں۔ ان میں کسی کا اجارہ نہیں لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ ان کا مستحق ہونے کے لئے تزکیہ نفس کے ذریعہ استعداد حاصل کرنا ضروری ہے، اور جس طرح ایک رنگدار صورت کا اس میں کوئی قصور نہیں اگر رنگ آلودہ ہے میں اس کا عکس نہیں پڑتا۔ اس کا باعث تو لوہے کا کھردرا پن اور درشتی ہے۔ جب اس کو صیقل کر لینے سے اس کی کھردراہٹ اور درشتی زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ روشن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ پردہ تمہاری طرف سے ہے رحمت الہی کی طرف سے کوئی حجاب نہیں۔ ۴

جلوہ طور تو موجود ہے ہوس ہی نہیں

اس لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لبسکم فی ایام ردھکم نفحات لا تفتعنوا المہا۔ جانب الہی کے غایت جو دار نوازش فرمائی کے بائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد زور دار الفاظ میں ترغیب و تشویق کے لئے فرمایا۔ ینزل اللہ کل لیلۃ الی سماء الدنیا حین ینقی ثلث اللیل الاخیر فیقول

هل من داع فاستجب لہ هل من مسترحم فاسترحم ۵

ہر شب کے آخر میں خدا اس آسمان پر آن کر

دیتا ہے رحمت کی صدا تجھ سے طلب کوئی کرے

دو گنا میں اس کو بر ملا

مضطر ہو یا بیتاب ہو بیسار ہو لاچار ہو

ہے طالب رحمت کوئی؟ مانگے کہ میں دو گنا اُسے

سنتا ہوں میں سب کی دعا

اور فرمایا من تقرب الی شبرا تقرب الیہ ذرعا ومن اثنائی یمشی آیتہ ہر ولت جو شخص ایک بالشت میری جانب آتا ہے، میں اس کی طرف ایک قدم بڑھتا ہوں۔ اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں اس کی سمت دوڑ کر جاتا ہوں۔ تمہیں لازم ہے کہ تم ان امور کی جستجو کیلئے قرآن و حدیث کا مطالعہ کرو کیونکہ یہ باتیں حصرو حصص سے خارج ہیں ۵

۵۔ احادیث میں یہ بھی ہے لا یزال عبدی یتقرب الی بالذوائل حتی احبہ (حدیث قدسی) میرا بندہ میرا تقرب نوافل کے ذریعہ حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی مذکور ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے دلوں کو نہ گھیر لیتے تو وہ ملکوت السموات والارض کو دیکھ لیتے ۶

فصل

قوائے نفس کا آپس میں رتبہ

یاد رکھو کہ یہ قویٰ مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ بعض اپنی ذات کے لئے مخصوص ہیں۔ اور بعض دوسروں کے لئے، بعض خادم ہیں اور بعض مخدوم۔ رئیس مطلق وہ ہیں جو اپنی ذات کیلئے خاص ہیں، اور دوسری ان کے لئے مقصود ہو چکی ہیں، یہ آخری رتبہ ہے، اور اس میں اولیاء اور انبیاء کے مراتب مختلف اور متفاوت ہیں۔ کیونکہ انسان ان امور کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جو اس کی فطری خصوصیات سے وابستہ ہیں۔ جو اس کے علاوہ قوتیں ہیں، اور نفس انسانی سے مخصوص ہیں، ان میں حیوانات بھی انسان کے ساتھ شریک و سیم ہیں، انسان کا رتبہ خلقت کے اعتبار سے سہمیت اور ملکیت کے بنی ہیں۔ اور اس میں جملہ قوتیں اور صفات موجود ہیں، بحیثیت غذا حاصل کرنے اور نسل پیا کر کے وہ نباتات اور حس و حرکت کے اعتبار سے حیوان اور صورت اور قد و قامت کے لحاظ سے وہ اس تصویر کی مانند ہے جو دیو اور منقوش ہو، یہی وہ خاصہ ہے جس کے لئے قوت عقل و ادراک حقائق اشیاء پیدا کئے گئے۔ تو جو شخص اپنی قوتوں کو علم و عمل کے شاہد سے ہمکنار ہونے کے لئے استعمال کر لگا، وہ ملائکہ سے مشابہ ہوگا، حق یہ ہے کہ وہ ان سے جائیگا۔ اور عام یہ کہ وہ بلاظ نام کے فرشتہ اور ربانی کلائیگا۔ جیسے قرآن میں ہے ان هذا الکامل کہ یہ تو ایک نیک فرشتہ ہے۔ جو شخص بدنی لذات سے متنع ہونے میں اپنی تمام ہمت صرف کر دیتا ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسے چار پائے جو چارہ کھاتے ہیں۔ جب وہ بہائم کے افق پر آگرتا ہے تو وہ بیل کی مانند پیٹھ و خنزیر کی طرح بدکار کہتے کی مثل ذلیل۔ اونٹ کی طرح کینہ و رچیت کی مانند متکبر اور ٹوٹری کی طرح مکار ہو جاتا ہے۔ یا رانندہ درگاہ شیطان کی طرح اس میں تمام بدخصلتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ غرض یہ ہے کہ جو لوگ مذکورہ بالا قوتیں میں نظر و فکر کر سکیں انہیں معلوم ہو جائیگا کہ مقتضیات عقل اس سے بہت بلند و ارفع ہیں، اور وہ حیران ہو کر کہیں گے کہ کس طرح وہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسری کی چاکری اور خدمت کرتی ہیں اور ان

امور میں احکام الہی کی مخالفت کی انہیں مجال نہیں ہے۔

نقل رئیس مخدوم ہے۔ اس کا وزیر اس کی خدمت بجالاتا ہے۔ اور وہ سب چیزوں سے زیادہ اس کے قریب ہے۔ اسے عقل عملیہ کہتے ہیں جس کا نام ہم نے مراسم عقل کے مطابق قوت عاملہ رکھا ہے۔ کیونکہ عقل عملی تمدنِ بدن کے لئے ہے۔ بدن آئینہ ہے۔ اور اس کا گھوڑا جس پر سوار ہو کر نفس حواس کے واسطے سے ان بات رائی علوم کو جن سے حقائق اشیا استنباط کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں شکار کرتا ہے۔ پھر عقل عملیہ کو ہے جس کی چاکری وہم بجالاتا ہے وہم کی فلاح دو قوتیں ہیں۔ ایک قوت اس کے بند ہے اور ایک قوت اس کے قبل ہے۔ بند والی قوت وہم کے ادراکات کی محافظ ہے۔ اور قبل والی قوت سے وہ تمام حیوانی قوتیں مراد۔

ہیں جن کا ذکر ہم ابھی کرینگے۔ ان تمام میں سے ایک قوت متخیلہ یعنی مفکرہ ہے اس کے دو مختلف المان خدام ہیں۔ قوتِ رغبیہ شوقیہ اس کے لئے براہِ مینستہ کرنے کی خدمت بجالاتی ہے۔ اس کے براہِ مینستہ کرنے کا فعل تخیل اور فکر کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور وہ قوت حافظہ صور جو مشترک میں ہوتی ہے۔ اس کے اندر موجود صورتوں کی ترکیب و تفصیل کو قبول کرنے کی خدمت ادا کرتی ہے۔ یہ دونو قوتیں دو طائفوں کی رئیس ہیں۔ اذل صورتوں کو محفوظ رکھنے والی۔ اس کی امداد کے لئے مشترک مامور ہے۔ جو صورتوں کو اٹھا کر اس کے سامنے پیش کرتی ہے۔ تاکہ وہ انہیں اپنے میں جگہ دے لے۔ دوسری قوت نزوعیہ اس کی خدمت کے لئے شہوت اور غضب مامور ہیں۔ پھر شہوت و غضب کی خادم وہ قوت ہے جو عضلات کو محرک کرنے والی ہے۔ یہاں پر قوائے حیوانی ختم ہو جاتے ہیں۔ قوائے حیوانیہ کی صرف نباتی قوتیں ہیں۔ نباتی قوتیں تین ہیں۔ مولدہ مرہ اور غاذیہ۔ ان کی افسر مولدہ ہے اس کی لونڈی مرہ اور مرہ کی لونڈی غاذیہ ہے۔ پھر ان تین قوتوں کی خدمت پر چار کنیزیں مامور ہیں یعنی غاذیہ۔ ماسکہ ہاضمہ اور دفعہ، غاذیہ کے بغیر نباتات کی زندگی محال ہے کیونکہ وہ غذا کو کھینچ کر اندر پہنچاتی ہے۔ پھر ماسکہ ہے۔ ہاضمہ اس غذا کو ہضم کرتی ہے جو ماسکہ لے چکی ہے۔ دفعہ ان کے بعد آتی ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ فضلات کو دور کرے۔ دفعہ ایک ایسی خادم ہے جو سب کی نوکر ہے لیکن اس کی نوکر کوئی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے

جیسے میوزیپل کمیٹیوں میں بھنگی ہوتے ہیں۔ ان کے بعد حرارت۔ برووت۔ رطوبت اور بوست آتی ہیں۔ جو اضمہ اجاذبہ، ماسکہ اور دافعہ کو امداد دیتی ہیں۔ اور یہ جسموں میں قوتوں کے زیرین ترین مدارج ہیں۔ تو اُنے مذکورہ بالا کی آسان اور سہل الفہم مثال یوں ہے۔ کہ قوت مفکرہ کا مسکن وسط دماغ میں ہے جس طرح بادشاہ وسط مملکت میں قیام فرماتا ہے۔ قوت خیالیہ کا مقام مقدم دماغ ہے۔ جیسے صاحب بریدہ کہ اُس کے پاس تمام خبریں جمع ہوتی ہیں۔ قوت حافظہ کا مسکن موخر دماغ ہے اس کی مثال اُس کے خادم کی ہی ہے۔ قوت ناطقہ اس کا ترجمان ہے۔ قوت عالمہ اس کا کاتب ہے۔ جو اس ختمہ اس کی خفیہ پولیس ہیں۔ لہذا نامہ نگاروں کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ افسروں کو وقتاً فوقتاً اُن کے علاقے کی خبروں سے آگاہ کرتے رہیں، ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے علاقہ کی خبریں مہیا کرتا ہے۔ بصارت عالم الوان کی موکل ہے۔ کان آواز کا، اور اسی طرح تمام حواس اپنے اپنے دائرہ عمل کے موکل ہیں۔ یہ لوگ ان تمام خبروں کو صاحب بریدہ کی خدمت میں پہنچا دیتے ہیں۔ صاحب بریدہ ان خبروں میں سے غیر ضروری کو چھانٹ کے الگ کر دیتا ہے اور باقی ماندہ کو صفات و مصفا کے ملک معظم کے حضور میں پیش کرتا ہے، بادشاہ سلامت اُن کو پرکھتا ہے، ان کا نفع نقصان معلوم کرتا ہے اور انہیں اپنے خادم کے سپرد کر دیتا ہے۔ تاکہ جب ضرورت واقع ہو تو وہ انہیں نکال کر پیش کرے۔ پھر جس طرح وہ اعمال جس پر بادشاہ بذات خود اور براہ راست حکم کرتا ہے ان اعمال سے افضل ہوتے ہیں۔ جو دوسرے لوگوں کے استعمال میں آئیں۔ اسی طرح نفس کی تولیت میں آئے ہوئے اعمال مثلاً رویت۔ اعتبار قیاس فراست اور نامعلوم بالقول کا استنباط ان خصائل سے اشراف ہیں مثلاً اصابت رائے عزت پذیریا قیاس فراست اور استنباط، ان چیزوں سے افضل ہیں۔ جو نفس کے فساد استعمال کرتے ہیں کیونکہ نفس ہی حقیقت میں قوت مفکرہ کے واسطے ہے بادشاہ ہے۔ یہ مثال اس روایت کے قریب قریب ہے۔ جو کعب احبار سے مروی ہے بیان کیا کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے ارشاد کیا انسان کی دونوں آنکھیں اڑھنا چکھونا ہیں، دونوں کان سواری ہیں، اس کی زبان اس کا ترجمان ہے، دونوں ہاتھ فروج ہیں، اس کے دونوں پاؤں ایچی ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے جب دل اچھا ہو

تو تمام لشکر چھا ہوا جاتا ہے پھر فرمایا۔ میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے سنا۔ یہ نفس کے حوال کا جمل بیان ہے جسے ہم نے مختصر کر کے تمہارا رب سائنہ پیش کیا۔ ہے حقیقت یہ ہے کہ نفس کے غباہات میں سے یہ چند باتیں ہیں اگر تم تشریح اعضا پر نظر کرو اور عروق، اعصاب، سنوں، ہڈیوں، شریانوں، اور رگوں کا غور سے مطالعہ کرو، پھر ان اعضا کو دیکھو جو بطور اکہ کے نفس انسانی کے لئے طعام کو داخل ہضم پھر اُسے دُور کرنے کی خاطر تیار کئے گئے ہیں، ان آلات پر غور کرو جو نسل انسانی کے بقا کے لئے بنائے گئے ہیں۔ تم ان عجائبات پر مطلع ہوناؤ گے جو ان کے خود بخود ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں، تشریح اجسام سے خارج ہو کر جب ان اجسام کے قوی کی تفصیل پر نظر کرو گے اور علوم طبعی کے حقائق کی معرفت کا استقصا کرو گے۔ تو تمہارے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہیگی۔ پھر کس قدر فیض ہے اس شخص پر جو خدا کا انکار کرتا ہے اور اس کے اس فرمان سے رُوگردانی کرتا ہے کہ وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي الْفُجْكَرِ آفَاطٌ لِلْكَافِرِينَ اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور تمہارے نفسوں میں۔ کیا تم نہیں دیکھتے؟ ہاں بلکہ ہر ایک چیز اس امر پر شاہد عاقل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ واحد ہے جو شخص خدا پر ایمان نہیں لاتا۔ وہ قلمندوں کے گردہیں شمار نہیں کیا جاسکتا، اور وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کلمات سے اُسے خطاب کیا جائے بلکہ ہمارا روئے سخن تو اُس شخص کی طرف ہے۔ جو اجماعی رنگ میں خدا کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر ہم اُسے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں بحث و نظر سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں۔ تاکہ اس طریقہ سے اس کا ایمان اور یقین ترقی پائے اور خدا کی عظمت و جلال اس کی نظروں میں زیادہ ہو۔ پس جس شے کا ادراک جو اس خمیہ نہیں کر سکتے اُس کے نشانات کے ذریعہ عقل و فہم کیسے پہنچتی ہے۔ چنانچہ اس کی معرفت کے استقصا کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے نشانات میں نظر کر دینا کیا جائے۔ بلکہ ہم ایک ایسی مثال پیش کریں گے جو تمام لوگوں کے افہام کے قریب ہو طبقہ علماء میں جس قدر ترقی ہو گئے ہیں۔ سب ان مذکورہ بالا امور میں اعتقاد رکھتے

۱۔ یہ قول اسی قول کے مطابق ہے جو حضرت امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو شخص خدا کے بارے میں ان پڑھ ہو گئے کا عذر کرتا ہے وہ قابلِ قول نہیں۔ یونکہ خدا کی قدرتیں تو آنکھوں کے سامنے ہیں +

تھے مثلاً۔ امام ابو حنیفہ، اور امام شافعی وغیرہ جو اس قدر بلند پایہ بزرگ تھے کہ ہمارا سر ان کی تعظیم کے لئے بے اختیار جھکا پڑتا ہے +

اور اس امر میں تمام خلقت مشترک ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو کسی مصنف کی کسی تحریر کا بغیر مطالعہ کرے۔ پھر اس میں مصنف کی صنعت کے عجائبات اور اس کی دانائی کی مذرت طرازیوں سے روشناس ہو! اور پھر بھی اس کا خیال اور عقیدت صاحب مصنف سے وہی رہے۔ جو اس کتاب کے مطالعہ سے پیشتر تھی۔ بلکہ جوں جوں وہ قابل مصنف کے کلام، اشعار یا طرز بیان و اسلوب نگارش کے اوصاف و کمالات سے مطلع ہوتا جائیگا۔ توں توں اس کے دل میں اس کی عقیدت تعظیم اور توقیر زیادہ ہوتی جائیگی، پس جو شخص اس بات کو پہچانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صانع عالم ہے اس شخص کی مانند ہے جسے معلوم ہے کہ زید اور دوسرے شخص میں فرق یہ ہے کہ زید صاحب دیوان اور مصنف کتاب ہے۔ اب یہ عقیدہ اس شخص کے عقیدہ کو کہاں پہنچ سکتا ہے جو اس کے شعروں کو پڑھتا ہے اور ان میں شاعری کے عجائبات پاتا ہے۔ وہ اس کی تصنیف کا مطالعہ کرتا ہے اور صاحب علم و فضل ہونے کے باعث کتاب کی خوبیاں اس پر روشن ہو جاتی ہیں۔ تو اس شخص کے دل میں تحقیق اور بصیرت کے ذریعہ زید کی عظمت قدر اور بلندی رتبہ کے متعلق نہایت مضبوط اور راسخ اعتقاد پیدا ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے دوسرے شخص کا اعتقاد ان امور کے متعلق نہایت مجمل ضعیف اور بے بصیرت تحقیق ہوگا۔ اور یہی فرق ہے عوام اور اصحاب بصیرت کے درمیان۔ کائنات عالم اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ کی صنعت کے عجائبات ہیں، خدا کی تصنیف ہے یہ صحیفہ الہی ہے یہ اس کی تالیف ہے اس میں اس کی ابداء و اختراع کی کار فرمائیاں بھرپور ہیں نفس انسانی کائنات کا ایک جزم ہے اور اپنے کل کی طرح عجائب و غریب مشخون اور محلو ہے چنانچہ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ ان کے اندر غور و فکر کرتا رہے اس سے اس کو یہ فائدہ ہوگا کہ اس کا اعتقاد زیادہ اور ایمان بچھتر ہو جائیگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ”اَنْفُسُ“ ”اَفَاقُ“ اور ”ملکوت السموات و الارض“ میں نظر و فکر کرنے کی حید ترغیب دی ہے +

لے اسی کے بارے میں ہے کہ جب آیت ان فی حق السموات و الارض و اخلاص اللیل و النهار لا آت لا فی الاصابہ نازل ہوئی تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ویل من لا کھایا میں بحیثیہ و لم یفکر فیہا اس شخص دامنوس ہے جس نے کائنات کو اپنی ٹھوڑی کے قریب یا پھر اس میں تفکر نہ کیا +

فصل

عمل کی علم سے۔ ان کا ثمرہ سعادت ہے۔ اہل تصوف اس مرتبہ ہی اور کمال نظر مودین

عمل کی تاثیر یہ ہے کہ وہ نامناسب باتوں کو دور کر دیتا ہے اور علم میں کوشش کرنا مانگی امور کے حصول کی سعی ہے اور نامناسب امور کا ازالہ شرط ہے۔ مانگی امور کے لئے جگہ خالی کرنے کے لئے ہشروط ہی بذات خود مقصود ہے اور یہ شرط سے اشرقت ہے اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی سے اولاد حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن اس کی بیوی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جو استقرار حمل کو مانع ہے۔ اب اس شخص کو اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے لئے دو کام کرنا ہونگے۔ اول اس مرض کو دور کرتا جو نطفے کو رحم میں قرار پکڑنے سے روکتا ہے۔ اور دوم مرض کے ازالہ کے بعد نطفہ کو رحم میں ڈالنا۔ اس لحاظ سے امر اول شرط ہے امر دوم کے لئے، اور امر دوم ہی غایت مطلوب ہے۔

فرض کرو کہ ایک مکان بادشاہ کے لئے بنایا گیا تھا اس کی شان و شوکت اور زیب و زینت بھی بادشاہ کے نزول اہمال کے حسب شان تھی پھر اس میں خنزیروں اور بندوں نے جبراً جگہ بنا لی۔ اب اس کی دوبارہ نو بسورتی اور تکمیل دو باتوں پر منحصر ہے۔ اول ان جانوروں کو نکالنا جو خواہ مخواہ اس پر قابض ہو گئے ہیں اور دوم متقی کو اس میں تشریف فرما کرنا یا فرض کرو کہ ایک رنگ آلود آئینہ ہے جس کی صفائی اور جلا کو رنگ نے چھپا دیا ہے۔ اور ہماری صورتیں اس میں منعکس نہیں ہو سکتیں اس لئے آئینے کا کال یہ ہے کہ قبول صورت کے لئے مستعد ہو جائے اور جیسی شکل اس کے مقابل کی جائے ویسا ہی عکس دیدے۔ اس کے حصول کے لئے دو باتیں ہیں۔ پہلی بات جلا اور صقل ہے یعنی اس میل کو دور کیا جائے جو اس پر نہ ہونی چاہئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آئینے کو ہم اس کے چہرے کے سامنے لائیں جس کا عکس اس میں لینا مقصود ہے۔ اسی طرح نفس انسانی اس بات کے لئے مستعد ہے کہ جب حق کی طرف ہر شے میں اُسے محاذی کیا جائے۔ تو وہ آئینہ کی مانند ہو جائے اور ان کا عکس لے لے اور ایک لحاظ سے وہی ہو جائے۔ اگرچہ دوسرے لحاظ سے وہ اس کا غیر ہو

جیسے صورت اور آئینے کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں نفس انسانی کا اس درجہ کو پہنچ جانا اس کا کمال ہے۔ یہی وہ خاصہ ہے جو بچنے درجہ کے حیوانات سے جدا ہو چکا ہے۔ کیونکہ یہ استعداد قوت و فعل تمام لحاظات سے انسان کے سوا تمام جانداروں سے سلب کر لی گئی ہے جس طرح لکڑی اور مٹی سے سورتوں کا عکس دینے کی قابلیت مسلوب ہو چکی ہے اور ان کا آئینہ نہیں بن سکتا و فرشتوں میں یہ استعداد ہمیشہ کے لئے ابدی طور پر پائی جاتی ہے۔ اُن سے بھی جدا نہیں ہوتی جس طرح صاف پانی میں یہ ہمیشہ موجود رہتی ہے چنانچہ صاف پانی میں خصوصاً سورتوں کا عکس پڑ جاتا ہے۔ انسان میں یہ استعداد بالقوت ہے باعتبار فعل نہیں۔ چنانچہ اگر وہ مجاہدہ نفس سے کام لے تو افاق ملائکہ سے ملتی ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انسان خواہشات کی پیروی میں ایسے اعمال پیشگی اختیار کرے جن سے روح پرزنگ کے توفے جمع ہو جاتے ہیں۔ تو انجام کار اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ تاریکی پر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اور کلی طور پر اس کی استعداد باطل اور برباد ہو جاتی ہے۔ اس کا نام ہماٹم کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے۔ اور اپنی معادت و کمال سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم و یاس لغیب ہو جاتا ہے۔ یہ حالت اعلاج سے ہے۔

عمل کے معنی ہیں شہوات کو توڑنا اور وہ اس طرح کہ نفس کو ان کی جانب جھکے۔ سے پھیر کر خدا کی بارگاہ معنی کی جانب اس کا منہ کر دیا جائے۔ تاکہ نفس تمام وہ ہیمنات غبیثہ اور ملاق روئے دُور کرنے جاوے۔ جنہوں نے اُسے جانبِ ساخلہ سے جکڑ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ جب یہ رشتے باطل ہو جائیں یا کمزور پڑ جائیں، تو نفس حقائق الہیہ کے نظائے میں مشغول ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر اسی طرح امور شریفہ کی بارش ہونے لگتی ہے جس طرح اولیاء راہبیار اور صالحین پر ہوا کرتی ہے۔

یہ ایک شکار ہے جس قدر اس میں زیادہ کوشش کی جائیگی۔ اسی قدر نتج عمدہ بڑا ہونگے چنانچہ شکار کے ساز و سامان زیادہ کرنے سے شکار بھی زیادہ ملتا ہے۔ یہی حال تجارت اور سوئے کا ہے۔ اور یہی کیفیت فقہ نفس کے غزال کو دوم میں لانے کی ہے۔ ذکاوت فطری کی زیادتی سے تھوڑا اجتہاد بھی مجتہدین کی حد سے گذر جاتا ہے۔ یہی حال ان علاقے سے نفس کو پاک کر لینے کا ہے کہ فطرتِ اول کے اعتبار سے طہارت نفس بھی بہت مختلف ہوتی ہے۔ پھر کوشش کا اختلاف بھی ہے اور یہاں سے استعداد

تفاوت پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کا حصہ ناممکن ہے۔ یہی حال سعادتِ آخرت کا ہے + پس اللہ عزوجل کی اس رحمت کا فیضان غایت مطلوب ہے! اور یہی عین سعادت ہے جو نفس کو موت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ نفس کے علائق کا ازالہ کر دیا جائے۔ اور صفاتِ رویہ کو محو کر دیا جائے۔ جو اتباعِ شہوات کے باعث نفس کو چمٹ گئے ہیں +

چنانچہ عمل کے معنی یہی ہیں کہ ناجائز امور کا مجاہدہ نفس کے ذریعہ ازالہ کیا جائے جب اس کو اتباعِ شہوات سے نسبت دی جائے تو ان کی فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے اور جب باغی امور کی تحصیل کی طرف اس کو نسبت دی جائے۔ تو ان کا رتبہ اس سے شرط و مشروط کا سا ہوتا ہے۔ اور خادم و مخدوم کا، اس کو اپنے غیر سے جو نسبت ہے وہی نسبت اس کو اپنی ذات سے ہے۔ اس کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی۔ جب ارشاد کیا اَلْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ بَابًا اَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذَى مِنَ الطَّبَاقِ اِيْمَانُ كِي سَتَرَسے کچھ اوپر نہیں ہیں ان میں سب سے چھوٹی رستہ سے اذیت دور کرنا ہے، اور عبادات کے ذریعہ مجاہدہ کرنے کی زیادہ تر غرض یہی راہ سے نجات دُور کرنا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ اس حدیث سے مراد امیٹ چھرا اور ہڈی کو رستہ سے ہٹا دینا ہے۔ اور اکثر لوگوں کے فہم کے قریب یہی بات ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ الفاظ کے معانی سمجھنے میں لوگوں کے افہامِ مراتب کے حساب سے متفاوت ہیں، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

نَصَرَ اللَّهُ اِمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَوَعَاها اِثْمًا اِذْ هَا اَلْمَا سَمِعَهَا قَرِيبًا حَامِلٌ فَقَدْ غَيَّرَ فَقَدْ وَرَبَّ حَامِلٌ فَقَدْ اَلَى مِنْهُ هُوَ اَفْقَدَ مِنْهُ اللّٰهُ كِي رَحْمَتِہٖ اِسْ شَخْصٍ بِرَجْوِیْ رَقُول۔ نیتے اور اُسے ضبط کر کے پھر اُسے جس طرح سے ناسخا ادا کرے کیونکہ بے اوقات حاملِ فقہ غیر فقہ ہوتا ہے اور بے اوقات دانائی کا حامل ایسے شخص کی طرف فقہ کی بات لے جاتا ہے۔ جو اس سے زیادہ سمجھ دار ہے +

پس اگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں بے سمجھ آدمی۔ بے سمجھ دار آدمی کے لئے زیادہ معافی نہ ہوتے تو اس غیبت پر زور کیوں دیتے۔ پھر کاش مجھ کوئی شخص بتاتا جب کثرت کو میں دیکھوں۔ تو کیا حقِ فقیہ کی جانب پایا جائیگا۔ یا فقہ کی طرف

یا ان سب کے غیر کی طرف، اس میں شک نہیں کہ یہ بات شاذ و نادر ہے! اور غالب اس کے خلاف ہے۔ جو بات فہم جمہور کے سامنے ہو وہ ممکن ہے حق سے دور ہو۔ اور فقیہ اور ائمہ اشخاص کی سمجھ میں جو بات آئے وہی درست ہو، خصوصاً ایسا لفظ جس کی تصریح بالتفصیل نہ کی گئی ہو۔ چنانچہ لفظ "اذیت" عام ہے اور لفظ "طریق" بھی عام ہے۔ اگر شارع علیہ السلام کو ظاہر معانی مقصود ہوتے تو شیشہ اور ڈھیلے کے لفظ کا ذکر کرتے۔ اور اس کی مثالیں بیان کر کے تنبیہ کر دیتے۔ یہ ظاہر بھی عموم کے بیچہ مندرج ہے، اس سے مقصود بھی اصلاح نفس۔ تہذیب اخلاق اور نفس کی غفلت کی خرابی، قسا و اذیت شغفت دور کرنا ہے۔ ہم اس کے طریق کا بیان جلد ہی سوئے اخلاق و حسن خصال کے باب میں کریں گے۔

اب تم جان گئے ہو گے کہ سعادت و کمال نفس یہ ہے کہ امور الہیہ کے حقائق کے نقش اس پر ثبت ہو جائیں۔ اور وہ ان سے اتحاد پیدا کر لے۔ یہاں تک کہ اس کی اپنی ہستی فنا ہو جائے اور تاکس نگوید بعد ازیں من و گیرم نہ دیکری کا مضمون پیدا ہو جائے۔ اور یہ مرتبہ صرف ان ہیئات روکیہ جو شہوت و غضب کی مقتضی ہیں نفس کو پاک کر لینے کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ بات مجاہدہ و عمل ہی کر سکتے ہیں۔ عمل طہارت کے لئے ہے اور طہارت شرط ہے اس کمال کی۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کی بنیاد و نظافت پر قائم ہے۔

فصل فی صوفیہ

صوفیہ کے نزدیک علم حاصل کرنے کا طریق دوسرے لوگوں سے جدا ہے

یاد رہے کہ عمل پہلو تو متفق علیہ ہے! اور یہ صفات رویہ کو جو کرنے اور خلاق سیہ سے نفس کو پاک کرنے کے لئے مقصود ہے۔ لیکن علم کی جانب مختلف فہم ہے۔ صوفیہ کے طریقہ علماء اہل علم میں سے اصحاب نظر کے طریقوں سے متباہین ہیں کیونکہ اہل تصوف تحصیل علوم اور ان کی مہارت پر زور نہیں دیتے! اور نہ ہی حقائق امور سے

متعلق مصنفین کی تصانیف کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ بلکہ ان کا خیال ہے کہ بہترین طریقہ یہی ہے کہ صفات مذکورہ جو اور تمام علائق کو قطع کرنے اور تمام ہمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہونے کے ذریعہ جدوجہد سے ابتدا کی جائے! اور جس شخص کو یہ بات حاصل ہو جائے تو اس پر خدا کی رحمت کی بارش کا سیلاب امنڈ آتا ہے۔ ملکوت کے اسرار میں پرکشش اور حقائق کے خزانے اس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس مقام میں مجسّم تصفیہ باطن، خلوص نیت مع ارادہ صادق و شگنی تام۔ اور فتوحات الہی کا انتظار کامل لازم ہے کیونکہ اولیا اور انبیاء پر جو امور کا انکشاف ہوا اور ان کے نفوس جو سعادت سے ہم کنار ہو کر کمال ممکن کو پہنچے تو اس کا باعث تعلیم نہ تھی۔ بلکہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کے تعلقات سے روگردانی و بیزاری اور کامل ہمت و سرگرمی سے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہی اس کا موجب تھا کیونکہ من کان للہ کان اللہ لہ جو سائیں کا ہمارے سائیں اس کا ہوا چنانچہ ایک زمانہ میں جب مجھے اس شاہراہ پر گامزن ہونے کا شوق صادق پیدا ہوا۔ تو میں نے صوفیائے کرام میں سے ایک پیروں سے تلاوت قرآن کی مواظبت اور ہمیشگی کے متعلق پوچھا تو انہوں نے مجھے اس سے شغ فرمایا اور کہا کہ اس منزل کی طرف چلنے کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا سے کامل اور کلی طور پر علائق اور وابط منقطع کر لو۔ اس طرح کہ تمہارا دل نہ اہل و عیال کی جانب مائل ہو نہ مال و اولاد پر رغبت ہو۔ نہ وطن کی ہمت باقی رہے۔ نہ علم و حکومت کا شوق ہو بلکہ تم بے نیازی کی دولت سے اس قدر مالا مال ہو جاؤ کہ ان سب کا عدم وجود تمہارے لئے برابر ہو جائے۔ پھر تم دنیا سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ تم صرف فریضہ عبادت ادا کرو۔ اور مراتب سلوک طے کرو اور کامل فراغت دلی حاصل کر کے ہر دن اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ تم زبان کی طور پر ذکر الہی میں مواظبت کرو۔ ہر وقت اللہ اللہ کا وظیفہ سوچو سمجھو کہ اور حضور قلب کے ساتھ ورد زبان رہو۔ یہاں تک کہ تمہاری حالت ایسی ہو جائے کہ اگر تم زبان بھی نہ اٹھاؤ تو بھی یہ کلمہ کثرت تکرار کے باعث تمہاری زبان پر بے ہمت یا رہا رہے۔ پھر تم اس حالت پر دستور قائم رہو۔ یہاں تک کہ زبان کا اثر محو ہو کر دل اور روح تک جا پہنچے اور یہ دونوں حرکت زبان کے بغیر اس ذکر میں مشغول و منہمک رہیں۔ پھر اس حالت کی اس قدر مشق ہم پہنچاؤ کہ دل میں صرف لفظ کے معانی ہی رہ جائیں۔ اور تمہارے دل

میں الفاظ کے حروف اور ان کی شکل و صورت کا نشان بھی نہ ہے۔ بلکہ تمہارے دل میں ان کے صرف معنی ہی علی الدوام و لزوم باقی رہ جائیں۔ یہ مقام تمہارے اختیار کی آخری حد ہے۔ اس کے بعد صرف پے درپے آنے والے وساوس کو روکنے اور دور کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہنے کا اختیار باقی رہ جاتا ہے۔

اس مقام سے گزرنے کے بعد تم پھر بے اختیار ہو جاتے ہو۔ اور صرف اس قسم کے مکاشفات کے طور کا انتظار باقی رہ جائیگا۔ جو اولیا پر ظاہر ہوا کرتے ہیں بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جو انبیاء پر ظاہر ہوتے ہیں، ان کی برقی خاطفت کی سی مثال ہے۔ جو قائم نہیں رہتے پھر بڑھتے ہیں۔ ویرسے آتے ہیں۔ اگر لوٹ کر دوبارہ آئیں، تو قائم بھی رہتے ہیں۔ بلاشبہ ہوش و حواس کھو دیا کرتے ہیں، اگر قائم و ثابت رہیں تو دیر تک رہتے ہیں، لیکن طویل نہیں پکڑتے۔ ان کی کیفیت صرف ان سے واسطہ اور سابقہ پڑنے سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ ان کی کوئی ایک قسم اور شاخ نہیں اولیاء اللہ کی پیدائش اور اخلاق کے تفاوت کے باعث اس مقام میں ان کی بے حد و حساب منازل ہیں۔ یہی صوفیا کا ایلوب کار ہے۔ انہوں نے اس معاملے کو تمہاری طرف سے تطہیر محض، تصفیہ۔ اور جلد کیرٹ پھر دیا ہے پھر فقط استعداد و انتظار کیرٹ، ارباب نظر و فکر نے بھی اس رستہ کے وجود کا اور اس کے مقصد پر پہنچنے کا انکار نہیں کیا، اور یہ انبیاء و اولیا کے احوال کا نہ رگڑین حصہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس رستہ کو بہت مشکل اور دشوار قرار دیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے۔ کہ اس ذریعہ سے منزل مقصود پر پہنچنا بہت ہی مستبعد ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ اجتہاد کے ساتھ اس حد تک محو علاق متبع کا حکم رکھتا ہے۔ اور اگر کسی حالت میں یہ بات حاصل بھی ہو جاتے تو اس کا قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بعید ہے۔ اور اونے دوسرے اور غلطہ تشویش ناک ہوتا ہے اس مجاہدہ کے دوران میں ہی مزاج خراب، عقل مختل اور جانی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور مایوسیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے پس جب نفس نے علوم حقیقیہ پر ہانہ کے ذریعہ ریاضت نہ کی تو بعض ایسے خیالات پیدا ہوئے، جن کو نفس نے خیال کیا کہ یہ حقیقتیں ہیں جو اسی پر نازل ہو رہی ہیں۔ کتنے ہی صوفی دس دس سال خلاصی پانے تک ایک ہی خیال میں گھرے رہتے ہیں لیکن اگر وہ پہلے علوم کے ذریعہ یقین حاصل کر لیتے۔ تو بدیہی طور پر رہائی پا جاتے۔ اس لئے معیار علم کی معرفت اور علوم مفصلہ کے دلائل حاصل کرنے

کے ساتھ تحصیلِ علوم میں شغول ہونا ہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ امر منزلِ مقصود تک دلیلِ راہ ہرگز
 وثوق کے ساتھ پہنچا دیتا ہے۔ جس طرح فقہِ نفس کی تحصیل کے لئے جتنا دہشتہ کار بننا تھا ہے۔
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر اجتہاد کے فقہِ نفس تھے لیکن اگر کوئی مرید چاہے کہ ان کے زنبہ کو مجھ
 ریاضت کے ذریعہ سے حاصل کرے تو اس کی توقع کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے واجب
 ہے کہ بحث و نظر کے طور پر نفس کے متعلق علومِ حقیقی کو جانتا ہو سکے حاصل کرے۔ اس کی
 صورت یہ ہے کہ اول ان باتوں کی تحصیل کرے جو پہلے ہو کر حاصل کیے ہیں۔ اس کے بعد کوئی
 حجب نہیں کہ ان امورِ الہیہ کے انکشاف کا انتظار کرے۔ جو غور کرنے والے علمائے کشف نہیں
 ہوئے کیونکہ کشف امور سے غیر کشف کی تعداد زیادہ ہے۔ دونوں گروہوں میں یہ اختلافات
 و بتائیں ہیں۔ ہمیں ایک مثال سوچی ہے جو اسب سے ان کمزور سمجھ والوں کو جو حقائقِ عقلیہ کے
 ادراک کے لئے محسوسات کی مثالوں کے محتاج ہیں اپنی سمجھانے میں مفید ثابت ہوگی۔ اور
 مذکورہ بالا دونوں فرقوں کے درمیان فرق بتانے کا باعث بنیگی۔ کہتے ہیں کہ اہل چین و
 اہل روم نے ایک بادشاہ کے حضور میں اپنا کمالِ صنعت و نقش دکھانے کا ارادہ ظاہر
 کیا، بادشاہ کی رائے اس امر پر ٹھہری کہ دونوں کو ایک کمرہ دیدیا جائے جس کی ایک جانب
 کو اہل چین نقش و نگار سے آراستہ کریں اور دوسری جانب کو اہل روم، لیکن دونوں کے
 بائیں ایک پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ ایک دوسرے کی کاریگری سے مطلع نہ ہونے پائیں۔ اور
 جب فارغ ہوں تو پردہ اٹھا دیا جائے اور دونوں کی کاریگری اور کمال کی پرکھ کر لی جائے۔
 چنانچہ اس کے مطابق عمل کیا گیا۔ رومی نقاشوں نے رنگارنگ کمرے بنائے اور قسم کے نقش
 و نگار اپنی جانب کو آراستہ کرنا شروع کیا۔ پردے کے دوسری طرف چینی بالکالوں نے
 کسی قسم کا رنگ استعمال نہ کیا بلکہ اپنی جانب کو صیقل اور جلا کرنے لگے۔ لوگ دیکھ دیکھ کر
 متعجب ہوتے تھے کہ یہ کیسے ہو تو فہم ہیں کہ رنگ استعمال نہیں کرتے، مگر رومی پاپنا
 کام ختم کر چکے تو چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہیں، ان سے پوچھا گیا کیسے؟ حالانکہ نہ تمہارے
 پاس رنگ و روغن تھا، نہ تم نے نقش و نگار بنائے ہیں۔ وہ بولے تمہیں اس سے کیا
 غرض ہے۔ تم پردہ اٹھاؤ اور اپنے دعویٰ کی تصدیق پہاڑا فرض ہے۔ لوگوں نے پردہ اٹھایا
 اور حیران ہو کر دیکھا کہ چینیوں کی جانب بھی رویوں کے نقش و نگار سے جگمگ
 کر رہی ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کی جانب صفائی اور جلا کی کثرت سے آئینہ کی مانند ہو رہی

تھی اور اس میں تمام وہ میل بوٹے جو دوسری جانب تھے منعکس ہو کر اس کی رونق کو دوبالا کر کے پہنچے تھے۔ لہذا تم یوں سمجھو کہ نفس ایک آئینہ ہے جس میں علوم الہی کے نقوش منعکس ہوتے ہیں۔ اس مقام کے حصول کے دو طریقے تمہارے سامنے ہیں۔ (راقل) اہل روم کی طرح بذاتہ نقش و نگار چل کرنا (دوم) خارجی نقش و نگار کے قبول کرنے کی استیاد پیدا کرنا اور خارجی محاسنِ آلودہ محفوظ اور انفسِ ملامکہ ہیں۔ کیونکہ وہ علوم حقیقیہ کے نقوش سے بالفعل اور دماغی طور پر آراستہ پیراستہ ہیں جس طرح تمہارا دماغ اگر تم حافظ قرآن ہو تو قرآن کے الفاظ اس میں تمام کے تمام نقش ہوتے ہیں۔ اور یہی حال تمہارے دوسرے جملہ علوم کا ہے، ان کے نقوش نہ محسوس ہو سکتے ہیں اور نہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ بلکہ عقلی طور پر ان کے نشانات دماغ میں ثبت ہوتے ہیں۔ جو شخص ان کا بھار کرنا ہے اس کی عقل میں فتور ہے کہ وہ محسوسات سے اوپر کسی اور چیز کا ادراک ہی نہیں کر سکتا۔

فصل

ان طریقوں میں اولیٰ کونسا ہے

اگر تم کہو کہ یہ دونوں طریقے تو ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں جن کا تم نے بیان کیا ہے۔ اب ان میں تمہارے نزدیک اولیٰ کونسا ہے۔ تو یاد رکھو کہ اس قسم کے امور میں فیصلہ کی نوعیت کا انحصار اس اجتہاد کے مطابق ہوتا ہے جس کا تقاضا مجتہد کا حال اور مقام کرتا ہے جس میں وہ ہو۔ اور حق بانستہ جو مجھ پر روشن ہوئی ہے۔ اور پورا علم تو اس بابے میں اللہ ہی کو ہے۔ یہ ہے کہ اس معاملے میں مطلق نفی یا اثبات کا حکم صادر کر دینا غلطی ہے۔ بلکہ اضافی طور پر اشخاص و حالات کے مطابق فیصلے میں اختلاف ہوگا۔ جو شخص سالک بننے کی رغبت رکھتا ہے۔ اس کا معاملہ بہت اہم ہوتا ہے۔ اس کے لئے سب سے بہتر یہی ہے کہ صوفیاء کے طریقہ پر توجہ کرے یعنی قطعِ علائق اور عبادت پر مودِ اخلاص اختیار کرے۔ کیونکہ علومِ کبیرہ جیستی کو تا کہ نفس میں ایک قائمِ ذابست ملکہ پیدا ہو جائے۔ بہت مشکل ہے اور یہ صرف عنفوانِ عمر میں آسان ہوتا ہے۔ صغیر سنی میں علم یکھنا ہاتھ کی لکیر کا حکم رکھتا ہے۔ بڑے

میں ریاضت ایک عصبیت سے کم نہیں کسی بزرگ ہے پوچھا گیا کہ جو شخص پیرائے سالی میں علم حاصل کرنا چاہے وہ کیا کرے جواب دیا کل کل کے ٹھلاؤ شاید اس کی رنکٹ سفید ہو جائے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر لوگوں کے لئے اولیٰ بھی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں۔ اور علم صرف اسی قدر حاصل کریں جس قدر عمل کی پہچان کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ عنفوان شباب میں ان امور کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ اگر کوئی شخص اس امر میں متنبہ و متقدم حاصل کرے تو یہ اس کی فطری سعادت مندی اور زکات کی دلیل ہے۔

پھر اگر اسے معلوم ہو کہ دقیق حقائق عقلیہ کو سمجھنے کی استعداد اس میں نہیں۔ تو بھی اسے واجب ہے کہ عمل میں مشغول ہو۔ کیونکہ نظری علوم میں اس کا اشتغال مفید نہ ہوگا۔ اگر ان کی فطرت اور علوم کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والا ہو لیکن اس کے شہریا اس کے زلے میں کوئی شخص ایسا نہ ہو جو علوم نظریہ کا ماہر اور سابقین کی تقلید سے بے نیاز ہو کر ترقی کوائے والا ہو تو اس حالت میں بھی اس کے لئے عمل ہی اوستے ہے۔ کیونکہ اس بات کا حاصل کرنا معلوم کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ قوت بشریہ کے لحاظ سے شخص واحد کے لئے ناممکن ہے کہ ان علوم کو حاصل کرے۔ سو اسے چند کے اور وہ بھی ایک موصوفہ دراز کی محنت کے بعد اور ہی لئے مثلاً اگر علم طب مرتب اور اس کا قانون تیار نہ ہو چکا ہوتا اور ازمنہ متطاولہ میں وہ ایک بافائدہ صورت اختیار نہ کر چکا ہوتا تو بہترین دل و دماغ کے لوگوں کو بھی ایک بیماری کا علاج معلوم کرنے کے لئے ایک عمر طویل کی ضرورت ہوتی۔ چہ جائیکہ سب بیماریاں کے مداوا کا طریقہ معلوم کرنے کیلئے اور عام طور پر دنیا اس قسم کے عالم متبحر کے وجود سے خالی ہے۔

پس سب قلیل میں سے پھر قلیل جماعت رہ گئی اور یہ وہ لوگ ہیں جو زکی ہوں۔ وہ ابتدائی عمر میں ہی اس بات کے لئے بیداری حاصل کر لیں فہم علوم کی استعداد انہیں مل جائے۔ اور علوم کے مستقل عالم ہو جائیں، نہ صرف نام کے لحاظ سے بلکہ حقیقت کے اعتبار سے، اصلی طور پر نہ رسمی طور پر جیسا کہ اکثر علماء کی حالت ہے تو یہ لوگ یا تو اعیان مذاہب کے مقلد ہوتے ہیں یا اعیان مذاہب کے طرز استدلال کے پیرو۔ تو جو شخص ان کی تقلید کرتا ہے اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ یا وہ جوان ہے جس نے طلب علم میں نشو و نما پائی۔ اور وہ فی نفسہ زکی ہے اور اس نے علوم کے انوار کے ماتھے پر ہو کر بیداری حاصل کی ہو اس نوع کے شخص کیلئے دونوں طریقے کھلے ہیں۔ اس کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے شرعی تعلیم پر موزن

ہوا چنانچہ وہ ان تمام علوم پر مانیہ کی تحصیل کیسے جس کا ادراک قوت بشری جدوجہد اور تعلیم کے ذریعہ کر سکتی ہے پھر جب وہ حتی الامکان تحصیل علوم کر چکے یہاں تک کہ ان علوم کی قسم میں سے کوئی علم باقی نہ رہے جسے اس نے نہ پڑھا ہو۔ تو اس کے لئے کوئی مضائقہ نہیں کہ دنیا اور اہل دنیا سے منہ موڑ کر خالصاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ اور رحمت الہی کا منتظر کر رہے کہ عیب نہیں کہ جو باتیں اس راہ کے بہت مسافروں کی نگاہ سے پوشیدہ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ان کا نقاب و اکڑے یہ ہماری رائے ہے۔ اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے۔ اس رائے سے ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اکثر مخلوق کے لئے درست طریقہ یہی ہے کہ عمل میں مشغول ہوں +

عمل کا ایک حصہ علم عملی ہے یعنی وہ علم جس سے عمل کی کیفیت معلوم ہو علم عملی عمل سے اشراف نہیں بلکہ اس سے اعلیٰ ہے کیونکہ عمل تو مقصود اور علم سے معلوم افضل ہے جس کے لئے نعم ہوتا ہے۔ جیسے اللہ کا علم اس کی صفات کا۔ اس کے فرشتوں کا۔ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کا اور نفس اور اس کی صفات کا علم، اور زمین اور آسمانوں وغیرہ کے ملکوت کا علم۔ یہ علوم نظری ہیں اور عملی نہیں۔ اگرچہ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ان سے عمل میں کچھ انتفاع ہو جائے۔ چونکہ اکثر مخلوقات کے لئے عمل میں ہی بہتری ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شرح و بسط سے اور تفصیل و تاویل کے طور پر ان کا احاطہ کیا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کو استیجا کا طریق باقی اور اس کی کیفیت تک سکھا دی اور جب علوم نظریہ کے سکھانے کا وقت آیا تو اجمال سے کام لیا اور تفصیل نہ کی، اور اللہ تعالیٰ کے صفات کے باب میں صرف اس قدر فرمایا یا لیس کشفہ۔ شیء اس کی مثل کوئی شے نہیں اور هو السمیع البصیر اور وہ مفتاد کیمتاسہم عن اجمالی علم کے بعد اس کی عظمت ابرز گئی، اور اس کا عمل پر مقدم ہونا بیان کیا۔ اس قدر کہ حیلہ بیان سے باہر ہے جیسے فرمایا تفکّر ساعة خیر من عبادة سبعة (حدیث) ایک گھڑی کا غور و فکر ایک سال کی عبادت کے برابر ہے پھر فرمایا فضل العالم علی العابد کفضل القمر لیلۃ البدر عالم کو عابد پر وہی فضیلت ہے جو چودھویں رات کے چاند کو چاندی ہے وغیرہ وغیرہ جو اس باب میں وارد ہے۔ پھر یہ علم جو عمل پر مقدم ہے دو باتوں سے خالی نہیں یا تو علم کیفیتِ عمل کے لحاظ سے ایک ہی ہے مثلاً نفع اور علم عبادات یا اس کے علاوہ ہے

اور یہ بات کہ اول ہی مراد ہے وہ طریق سے غلط ہے۔ اقول: یہ کہ عابد پر علم کو فضیلت حاصل ہے اور عابد وہ ہے جس کو عبادت کا علم حاصل ہو۔ ورنہ وہ فاسق ہے۔ دوم: یہ کہ عمل کا علم ہونا عمل سے افضل نہیں کیونکہ علم علی مقصود بالذات شے نہیں بلکہ وہ مقصود ہے عمل کے لئے۔ اور جس چیز کے لئے وہ دوسری چیزیں مقصود ہوں۔ لازمی بات ہے کہ ان سے افضل و اشرف ہو۔

فصل

جنت باطنی تک پہنچنے کیلئے کون سے علم و عمل کی ضرورت ہے؟

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علوم کی اصناف بے شمار ہیں اور اعمال اور ان کی انواع و اقسام مختلف اور بھی اقسام و انواع کے اور سب تو مطلوب نہیں ہو سکتے پھر کون سی صنف اور قسم نفع بخش اور سودمند ہے تاکہ ہم اس میں مصروف و مشغول ہوں۔ تو ہم کہیں گے کہ علم کی دو قسمیں ہیں عملی اور نظری علوم نظری اکثر التعداد ہیں، ہر ایک علم کا تصور یہ ہے کہ عصا و بلاد اور اقوام کے لحاظ سے مختلف ہو۔ اُسے وہ کمال حاصل ہوئے میں نہیں ملتا جو نفوس میں ابد اللہ ہر باقی رہے۔ حالانکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ علم کے ذریعہ نفس اپنے کمال کو پہنچے تاکہ وہ اپنے کمال سے ابدی سعادت مند ہو۔ اور بہا اور جمال حاصل کر کے مسرور ہو۔ اس بیان سے علم لغات۔ اور علم موجبات الفاظ۔ خارج ہو گئے۔ جیسے علم لغت۔ نحو۔ اعراب۔ شعر۔ تحریر۔ مخرج الفاظ اور ان کی تفصیل، اگر ان میں سے کسی کی ضرورت آپڑے تو اس کی ذات کے لئے طلب نہ کرے۔ بلکہ اس لئے کہ علم مقصود بالذات کے لئے وہ ذریعہ کا کام دے۔

اب ہم علم مقصود کا بیان کرتے ہیں، پس اگر ہم حج کے امور کی تعریف کریں تو ہم پر لازم نہیں کہ موزہ اور طہارت کا ذکر بھی کریں۔ اگرچہ حج کرنے کے لئے ان کی ضرورت آپڑتی ہے۔ ہم تو ان علوم کو ہمیر کرینگے جن کی معلومات ابدالاً بامک قائم رہتی ہیں۔ حزنائل ہوتی ہیں نہ کم ہوتی ہیں۔ اس قسم کے علوم اختلافاً اعضا و اعضاء کے ساتھ بھی مختلف نہیں ہوتے۔ ان میں داخل ہیں اللہ اور اس کی صفات کا علم۔ اس کے ملائکہ کتبوں اور رسولوں کا علم زمین اور آسمانوں کے

ملکوت کا علم، اور انسانی اور حیوانی نفوس کے عجائبات کا علم اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ان کا رابطہ و تعلق ہے نہ ان کی ذات کے اعتبار سے۔ مقصود قصی اللہ تعالیٰ کی بھان ہے۔ اور لا نکہ الہی کی معرفت کے بغیر بھی چارہ نہیں کیونکہ وہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ میں سوا سی طرح معرفت نبوت ہے، کیونکہ نبی خلقت اور لانگہ کے درمیان واسطہ ہیں جس طرح فرشتہ اللہ اور نبی کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اور اسی طرح علوم نظر میں سے آخری علم تک سلسلہ چلا جاتا ہے۔ ان سب کی انتہا اور غایت علم باللہ ہے لیکن اس میں گنگو کے بیشمار پہلو ہیں۔ چونکہ یہ سب ایک دوسرے پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی تفصیل بھی لے شمار ہے۔

قسم ثانی (یعنی علم عملی) - اوردقین علوم پر مشتمل ہے۔ علم نفس مع اس کی کیفیات اور اخلاق کے اس سے مراد ریاضت اور خواہشات کا مغلوب کرنا ہے اور اس کتاب کی سب سے بڑی غرض یہی ہے۔ علم نفس اس لحاظ سے کہ اہل و عیال اور فرزند و زن اور نوکر چاکر کے ساتھ معیشت کی کیفیت کیا ہو گی کیونکہ یہ لوگ بھی تمہارے اس طرح خادم ہیں جس طرح تمہارے اعضا و جوارح تمہارے قوی اور حواس تمہارے نوکر ہیں ایسے طرح شہوت و غضب اور دوسرے جذبات ہمیشہ کو تمہارے تو لے بدنیر کے ماتحت لانا ضروری ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی تمہارا فرمانبردار بنانا ضروری ہے +

سوم علم سیاست ہے یعنی وہ علم جس کے ذریعہ سے ملک اور گروہوں اور لوگوں کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے اگر علم فقہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ سوئے ان امور کے جو عبادات سے متعلق ہے۔ منجملہ ان عبادات کے جو نفس کے ساتھ مخصوص ہیں اس میں اداب تعنا ہیں۔ اور ان کی تکمیل جب ہوتی ہے کہ نکاح، بیع اور خراج کے قوانین و احکام کی معرفت حاصل ہو جائے۔ ان تینوں میں سب سے اہم تہذیب نفس اور سیاست مدن، اور ان صفات میں عدل و میزان کی رعایت رکھنا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ معتدل ہو جائیں تو دور کی رعیت مثلاً اہل وغیل وغیرہ تک اس کا اثر پہنچتا ہے پھر اہل شہر تک۔ ہم میں سے ہر ایک شخص راعی ہے اور اپنی رعایا کے متعلق جوابدار، مملکہ کے مروج و مملکہ مسئول عنہ سے عینہ جو کچھ اس کے علاوہ ہے وہ اس سے اس طرح نکلتا ہے جس طرح نصاب زکوٰۃ زکوٰۃ سے نکلتا ہے۔ سورج سے روشنی اور خست سے سایہ

کیا تم درخت کے ٹیڑھا ہونے کی صورت میں سایہ کے سپرد ہونے کی توقع کر سکتے ہو؟ جب انسان اپنی جان کا انتظام نہیں کر سکتا تو دوسروں کا انتظام کیسے کر سکتا ہے؟ یہ ہے اختصارِ علومِ علمیہ کا، ہم ابھی مخصوص ترین علم کا ان علوم سیاسی میں سے اجمالی تذکرہ پیش کرینگے۔ کہ یہ مقصود بیان ہے، وہ قوی جن کی تہذیب کے بغیر چارہ نہیں تین ہیں۔ قوت فکر۔ قوت شہوت۔ قوت غضب۔ جب کبھی قوت فکر مذہب اور کیا منفی اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو اس کو حکمت کا وہ خزینہ دستیاب ہو جاتا ہے جس کا ارشاد خداوندی وعدہ دیتا ہے۔ ومن یوفی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اس کا ثمرہ یہ ہے کہ معتقدات میں حق و باطل میں فرق کرنا، گفتگو میں صدق و کذب معلوم کرنا۔ اور افعال کے حسن و قبح میں تیز کرنا اُس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ ان امور میں سے کوئی بات اس کے لئے مشتبا اور متبہس نہیں رہتی۔ حالانکہ اکثر لوگ ان امور میں التباس و اشتباہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اس قوت کی اصلاح اور تہذیب میں جس کو ہم نے معیارِ علم کا نام دیا ہے مدد دیتی ہے، دوسری قوت شہوت ہے۔ اور اس کی اصلاح سے عفت کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ جو نفس کو فوہش سے روکتا رہتا ہے۔ اور ایثار و فدویت کے حسن جذبہ اور موافقہ کی جانب اُسے بچھلتا ہے۔ تیسری حیثیت غضب ہے۔ اس کو مغلوب اور درست کر لینے سے حلم اور بردباری حاصل ہوتی ہے۔ جس سے مراد ہے غیظ و غضب کو دالینا اور انتقام پسندی کو روک لینا۔ اور شجاعت پیدا ہوتی ہے جس سے مراد ہے حرص اور خوف کا دور ہو جانا جنگی قرآن میں مذمت آئی ہے۔ اور جب کبھی تینوں قوتیں تیسری قوت فکر یہ کی سطح و مقدار ہو جاتی ہیں، تو اعتدال کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اس کے کم اعتدال کی طفیل ہی آسمان و زمین قائم ہیں اس سے مراد ہے کرامت شریعت کا جمع ہونا، طہارت نفس اور اخلاق کا پسندیدہ ہو جانا۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام و انبیائے کرام نے فرمایا اکل المؤمنین ایماناً احسنہم اخلاقاً و الطیفہم باہلہ۔ مسلمانوں میں سے کامل ترین ایمان والا شخص ہے جو پسندیدہ ترین خلق رکھتا ہے اور اپنے اہل کے ساتھ بہترین سلوک کرتا ہے۔ نیز فرمایا احبکم الی احسانکم اخلاقاً الموطئون اکنافاً الذین یألفون ویولفون ہمیں تم میں وہ لوگ محبوب ترین ہیں جو بہترین اخلاق رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کی امداد کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے محبت سے پیش آتے ہیں۔

حق خلق کے متعلق شریعت نے جس قدر تعریف کی ہے وہ بیان سے باہر ہے اس کا مفہوم ان مینوں قوتوں کی اصلاح کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے اس آیت میں جمع کر دیا ہے
 اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ لَمْ يَ تَاْبُوا وَاِجَاهِدُوا
 بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ مَوْنٌ تُوَدُّ
 اِيْنُ اللّٰهِ اُوْر اِس کے رسول پر ایمان لائے۔ پھر کئی قسم کا شک کیا، اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں +

اس آیت میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور پھر کسی قسم کے شک کی نفی کیسا حق علم یقینی اور حقیقی پر دلالت کی ہے جن کا حصول بغیر قوت فکر یہ کی اصلاح کے ایک خیال خام ہے اور جہاد بالمال سے عفت اور جہود مراد لئے ہیں۔ یہ دونوں اوصاف اصلاح شہوت کے لئے ضرورت کے مطابق خدمت سر انجام دیتے ہیں +

جہاد بانفس سے مراد دل سے شجاعت و علم سے۔ یہ دونوں مقرر ہیں اصلاح حمت کے لئے اور اُسے دین اور عقل کے تاراج کرنا چاہئے یہاں تک کہ وہ اُسے بھاریں تو یہ جوش میں آئے اور جہاں اُسے فرو ہوئے۔ اُسے کا حکم دین یہ فرو ہو جائے۔ اور اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مِمَّنْ اَخَذَ الْعُقُوْرَ اٰمَرًا بِالْعُرْفِ وَاَعْرَضَ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور مِمَّنْ وَاٰمَرًا بِالْعُرْفِ وَاَعْرَضَ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر میں فرمایا اِنْ هُوَ تَعَفَّوْا عَنْ ظُلْمِكُمْ وَتَعْطٰی مِنْ حَرِّ مَلِكٍ وَتَقْصِلُ مِنْ قِطْعَتِكَ وَتَحْسِنُ لِمَنْ اَسَاْءَكَ اس آیت کے معنی ہیں کہ جو شخص ظلم پر ظلم کرے اُسے معاف کر دو، جو تمہیں نقصان پہنچائے اُسے فائدہ پہنچاؤ۔ جو تعلق منقطع کرے اس سے تعلق پیدا کرو، اور جو تم سے برائی کرے اُس سے احسان کرو، ظلم کے ظلم کو معاف کرنا اتنا ہی ظلم و شجاعت ہے اور نقصان پہنچانے والے پر نوازش کرنا انتہائی سخاوت اور تعلقات توڑنے والے سے علاقہ پیدا کرنا اتنا ہی احسان و شرافت ہے +

فصل

قوائے متنازعہ اور نفس کی مثال

انسان کے بدن میں نفس ایسے ہی ہے۔ جیسے بادشاہ اپنے شہر اور مملکت میں ہوتا ہے۔ اس کی قوتیں اور اعضاء جو اس کے بدن کے خدمت گذار ہیں بمنزلہ کاریگروں اور عاملوں کے ہیں۔ قوت عقلیہ منکرہ اس کا مشیر صائب الرائے اور وزیر باتدبیر ہے۔ اور شہوت اس کا فحشیت غلام ہے۔ جو غلہ اور کھانسی پینے کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے چلتا ہے۔ غیرت و محبت اس کا صاحب شرط یعنی کوتوال ہے، غلام و جنس و طعام لے کر چلنے والا غلام بیکار فریبی بد خصلت پر تبس ہے جو ناص مشفق کے لباس میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس کی پند و نصائح کے پردے میں لاعلاج بیماری اور ہولناک خرابی پوشیدہ ہے۔ اس کی عادت ہے کہ ہر وقت وزیر کی تدبیر کے خلاف جھگڑا کرتا رہے، یہاں تک کہ ایک ساعت بھی اس نزاع و جدال کو ترک نہیں کرتا۔ تو جس طرح بادشاہ اپنی سلطنت میں جب وزیر سے انتظام سلطنت میں مشورہ لیتا ہے اس بد خصلت کے مشورہ سے اعراض کرتا ہے۔ بلکہ اس کے مشورہ دینے سے ہی مجھد لیتا ہے کہ اس کی رائے کے خلاف کرنا ہی درست طریق عمل ہے، اپنے کوتوال کو تاویب کرتا ہے، وزیر اور اُسے وزیر کے تابع فرمان بناتا ہے پھر کوتوال کو اس غلام بد طینت اس کے مددگاروں اور پیروں پر مسلط کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ غلام مذکور، محکوم و مجبور ہو جاتا ہے۔ اس کے اختیارات چھن جاتے ہیں اور وہ حکم کا بندہ بن جاتا ہے۔ اس وقت بادشاہ کے شہر کا انتظام درست صحیح نہ ہونے لگتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ عدل و مساوات کا قیام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب نفس عقل سے اعانت طلب کرتا ہے۔ اور حقیقت غصیبہ کو مؤدب کر لیتا ہے، اُسے شہوت پر مسلط کر کے اور عقل سے ایک دوسری کے خلاف انداز لیتا ہے کبھی غیظ و غضب کی مملکت کی سرحد کو شہوت کے ذریعہ تدبیر سے کم کرتا ہے۔ کبھی غضب اور محبت کو شہوت پر مسلط کر کے اُسے مغلوب و مقہور کرتا ہے۔ اور اس کی مقتضیات کی تعقیب کے ذریعہ ان کے قوی کو معتدل کرتا ہے، اور ان کے اخلاق کو پسندیدہ بناتا ہے۔ اور جو شخص اس درجہ معتدل

سے تجاوز کر جائے۔ اسی کے متعلق ارشاد الہی ہے۔ افسأیت من اتخذ الہة ہواہ واصلا
 اللہ علی علم پھر فرمایا واتبع ہواہ فمثل کمثل الکلب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
 فرمایا اعدی عدوک بنفسک التی بین جلیبک تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا راول ہے
 جو تیرے سینے میں ہے۔ اور حق تعالیٰ اس خوش نصیب شخص کے بارے میں فرماتا ہے جو اپنی
 خواہشات کو مغلوب کر لے واما من خاف مقامہ ربہ ونہی النفس عن الہوی فان
 الجنة ہی الماویذ ہشتن خدا کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہشات
 کی پیروی سے روک لیا تو اسی کا ٹھکانا جنت ہے۔ کسر شہوات کے وہ معنی نہیں جو بعض لوگوں نے
 سمجھ رکھے ہیں یعنی غضب اور شہوت کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے۔ اور ان کو کلی طور پر مٹا دیا جائے۔
 اصل یوں ہے کہ ان کو ضابطے میں رکھنا، اور موذوب بنانا چاہئے۔ کیونکہ عقل حیرت غضب کی امداد
 کے بغیر تادیب پر قادر نہیں کیونکہ اس کا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ نیک رستہ بتائے اور پس
 کیونکہ وہ اشرف قوی ہے، اسی عقل کی بدولت انسان دنیا میں خلیفۃ اللہ کے منصب پر فائز کیا
 گیا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت صرف ایک طبیعت کی سی ہے۔ جو مفید نعمت ہے۔ تو اگر حیرت غضب
 (جو شہوت کو اطاعت و فرمانبرداری پر مجبور کرتی ہے اور زبرد تو بیخ سے اُسے عقل کا نوکر
 بناتی ہے) کی امداد عقل کو حاصل نہ ہوتو اس کا مشورہ کوئی فائدہ نہ ہے۔ اسی لئے اس شخص کی
 عقل کی انفعیات نمایاں نہیں ہوتی جو بے حیرت ہو، لیکن لازمی ہے کہ اُسے ایسا موذوب بنا دیا
 جائے کہ عقل کے مشورہ کے بغیر حرکت میں نہ آئے۔ یہی حال شہوت کا ہے کہ جماع سے اُس کو
 بالکل روکے رکھنا بحکیم و مصیبت زرا اور سلسلہ تہاسل کو منقطع کرنے والا ہے۔ حالانکہ
 تناسل کے ذریعہ ہی نوع انسانی کی بقا ہے۔ اُسے کھانے پینے سے روکنا بھی مضرتِ سماں
 اور دُشوار ہے کیونکہ اس سے انسانی زندگی قائم نہیں رہ سکتی، البتہ اس قدر ہو سکتا ہے کہ طعام
 کی مضرت کو فنا کرویا جائے، یعنی کھانا تناول کرنے سے مقصود لذت، یا بی اور لطیف اندوزی
 نہ ہو بلکہ بانی قوت کا ترس لڑ رکھنا ہو تاکہ علم و عمل حاصل کرنے کا وسیلہ بنے۔
 انسان کھانا اس طرح کھائے جس طرح اپنے گھوڑے کو گھاس کھلاتا ہے۔ تاکہ وہ جہاد
 میں اچھا کام کرے۔ انسان کا مقصود فقط کام لینا ہے۔ پھر اس کے دل میں اس بات کی آرزو ہو
 کاش میں کھانے سے مستغنی ہو جاؤں۔ اور علم و عمل کی قوت بھی باقی رہے۔
 ایک اور مثل۔ انسان چونکہ بظاہر خلقت معنوی لحاظ سے ایک جہانِ کبیر ہے اور جسم

کے لحاظ سے صغیر اس لئے اس کا بدن ایک شہر کی مانند ہے عقل بادشاہ ہے جو انتظام
 مملکت کرتا ہے۔ اس کے جو اس ظاہری و باطنی میں سے تو لئے مدرک اس کا لشکر میں اس
 کے ہاتھ پاؤں اور اعضا و جوارح اس کی رعیت ہیں۔ نفس لارہ جو برائی پر ابھارتا رہتا ہے جس کی
 دوسرا نام شہوت و غضب ہے۔ بمنزلہ دشمن کے ہے جو اس سے ملک کے بلے میں
 جنگ کر کے اس کی رعیت کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بدن ایک قلعہ ہوا اس میں
 انسان کا نفس مقیم ہے جو پہروں کے اندر محفوظ بیٹھا ہے اگر وہ اپنے دشمن سے لڑے
 قید کر لے اور واجبی طور پر اسے مغلوب کر لے تو جب وہ حضور رب العزت میں حاضر ہوگا
 تو اس کی عزت کی جانیگی چنانچہ فرمایا۔ فضل اللہ المجاہدین باموالہم و انفسہم
 علی القاعدین۔ درجۃ و کلا وعد اللہ الحسنی اللہ نے ان لوگوں کو جو مالی اور
 جانی جہاد کرتے ہیں قاعدین پر بلحاظ مرتبہ فضیلت دی ہے۔ اور ہر ایک کو خدا نے نیک وعدہ
 سے رکھا ہے۔ اور اگر اس کا قلعہ ٹوٹ گیا، اور اس کی رعایا مغلوب ہو گئی تو وہ قابل مواخذہ و
 ملامت ہوگا۔ اور اس کو لقلعے الہی کے وقت سزا دی جائیگی۔ اور محشر اسے کیسا جیسے کہ خدا
 میں مذکور ہے۔ یا ارحم الراحمین و شریت اللہین و لہم تسار المضائق
 ولہم تجعیر الکسیر الیوم انتقم منک لے نالائق حاکم تو نے گوشت کھایا اور دودھ
 پیا اور برائی کو نہ روکا، ٹوٹے ہوئے کو نہ جوڑا۔ تو آج اپنی سزا بھگت دینی وہ جہاد ہے جس کا
 ذکر زبان سے کرنا مفرح ہے۔ اور روح کی غذا اور اس کی حقیقت معلوم کر لینا اصل میں روح
 کا معراج ہے۔ اس کی پہچان وہی شخص کر سکتا ہے جو ترک شہوات کے ذریعہ آمادہ جستجو ہو
 اسی لئے صحابہ نے فرمایا تھا سجعنا من الجہاد الا صغالی الجہاد الا کبرا انما
 نے کافروں سے تیج آزمائی کو جہاد اصغر سے موسوم کیا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کونسا جہاد افضل ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا جہادک ہواک تیری جنگ تیری خواہشات
 سے! اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پہلوان کو کچھا کر لینا تو کچھ مشکل بات نہیں
 دشوار یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کے دیو کو کچھا لے۔

ایک اور مثال عقل کی مثال سوار شکاری کی سی ہے جو شکار کھیلنے کو نکلے، اس کی
 شہوت بمنزلہ گھوڑے کے ہے، اس کا غصہ اس کا کتا ہے، تو جب سوار ماہر فن ہو، گھوڑا

قابو میں ہو کتا سا صیا یا ہوا، سکھایا ہوا، اور اطاعت گزار ہو تو جستجوئے شکار کا مینا ثابت ہوگی، اور جب سوار بذات خود آنجان ہو، اس کا گھوڑا سرکش ہو اور اُس کا کتا نا سمجھ ہو، تو چونکہ نہ ہی اس کا گھوڑا اس کے حکم کے تابع ہو کر گام فرما ہو گا نہ کتا اس کا مطیع ہو کر اشارہ پھار کے پیچھے بھاگے گا۔ اس لئے شکاری کو شکار حاصل کرنا تو بجائے خود سخت تکلیف و مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فصل

مجاہدہ ہوئی نہیں نفس کے مراتب۔ ہوئی عقل کے مشور میں کیا فرق؟

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے لئے خواہشات کے ساتھ لڑائی کرنے کے تین نتیجے ہیں۔

(اول) یہ کہ خواہشات فتح پا کر اُس پر قابض ہو جائیں۔ اور وہ ان کے خلاف کرنے پر قادر نہ ہو۔ عام طور پر لوگوں کی یہی حالت ہے، اسی قسم کے لوگوں کے متعلق خداوند عز و جل کا ارشاد ہے۔ اَفْأَنتَ مِنَ اتَّخَذَ الْهَوَاۗءَ كَبُیۡنَہٗۤ اَلَّذِیۡنَ سَمِعُوا مَعۡنٰی مَعۡبُوۡدِہِیۡۤ تَوٰہِیۡنَ اور معبود وہ ہے جس کے اشارہ اور احکام کی اتباع کی جائے۔ تو جس شخص کی ہر ایک حرکت بدنی اغراض اور جسمانی خواہشات کی پیروی میں ہوگی۔ وہی ہواؤ ہوس کو اپنا خدا بنا چکا ہوگا۔ (دوم) یہ کہ لڑائی ان کے مابین المحب بیننا و بینکم سے محال کے مصداق ہو، کبھی یہ شخص خواہشات پر غالب آ جائے کبھی وہ اس پر بھاری ہو جائیں یہ شخص مجاہدین میں شمار ہوگا۔ اگر اسی حالت میں صدام اللذات اس کی روح اور جسم میں مفارقت دائمی کر دے تو وہ شہید ہوگا کیونکہ وہ فرمان نبویؐ کے امتثال میں مشغول تھا۔ جَاہِدُواْ اَہۡلَۤیۡۤ اَدۡمَ کَمَا تَجَاہِدُوۡنَ اَعۡدَآءَکُمۡ اپنی خواہشات نفسانی سے اس طرح جنگ آزمانی کرو جس طرح اپنے دشمنوں سے کرتے ہو۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات کو کچھا کر اُن پر قابو حاصل کر لے اور قوت وہ اس پر غالب نہ آسکیں۔ یہی ملک کیسہ ہے۔ یہی نعیم حاضر اور یہی حریت کامل ہے۔ یہی

غلاظت سے پاک ہونا ہے۔ اور اسی کے متعلق سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
 ما من احد الا وله شيطان ولي شيطان وان الله قد اصابني على شيطاني
 حتی ملکته، ہر ایک شخص کا ایک شيطان ہوتا ہے۔ اور میرا بھی ایک شيطان ہے۔ لیکن
 میں نے اللہ کی اعانت سے اُسے مطیع و منقاد کر لیا ہے اور عرضی اللہ عنہ کے بارے
 میں فرمایا جس رستہ سے عمر گذرتا ہے اس رستہ کو شيطان چھوڑ دیتا ہے۔ یہاں ایک
 لغزش کا اندیشہ ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس قسم کا مرتبہ حاصل کر لیا ہے
 حالانکہ حقیقت میں وہ رائد و درگاہِ شيطان ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے اغراض کی اتباع
 کرتے ہیں۔ لیکن ان خواہشات کی علت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ مذہب کے مطابق
 ہیں۔ اور ہم ان کو دین کے لئے طلب کر رہے ہیں۔

چنانچہ تم نے ایک گروہ کو دیکھا ہو گا جو وعظ و نصیحت، درس و تالیس اور قضاؤ
 خطابت اور قسم قسم کی شاندار باتوں میں مشغول ہونگے، حالانکہ وہ ان تمام باتوں میں اپنی خوشنما
 نفسانی کی پیروی کر رہے ہونگے اور وہ گمان کرتے ہونگے کہ ہمارے اعمال کا باعث ثواب
 ہے اور طلبِ ثواب ہماری محرک ہے۔ اور شریعت ہمیں ان امور پر مامور کر رہی ہے۔
 حالانکہ یہ حماقت و غرور کی انتہا ہے۔ اس امر کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو سکتی ہے کہ
 کوئی واعظِ شیعریں بیان اور مقبولِ خلق اگر خالصاً اللہ نہ کہ مقبولیت عام کے لئے، وعظ کرتا
 ہو گا۔ اور اس کا مقصد لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا ہو گا، تو اس کا نشان یہ ہے کہ اگر وہ
 اپنے مکان پر ہو گا تو لمحاظِ بیان بہتر بیظان علم و وسیع ترا اور لمحاظِ لہجہ پاکیزہ تر وعظ
 کہیگا۔ اور وہ خدا کا شکر کریگا کہ اللہ نے اس فرض کی ادائیگی کی دوسرے لوگوں کی بجائے
 جو اس سے زیادہ مستحق تھے اُسے توفیق بخشی جس طرح کسی مرتد اور کافر کے قتل و جہاد کے
 لئے کسی شخص کو متعین کیا جاتا ہے۔ تو وہ کافر پر برق سوزان بنگرے گا۔ اور اُسے دم
 بھر میں راکھ کر دیتا ہے۔ وہ کافر سے جہاد پر خوش ہوتا ہے اور اللہ کا شکر یہ ادا کرتا ہے
 اور یہ وہ مقام ہے جو صرف اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اس کی ایک علامت یہ
 ہے کہ انسان بڑا بننے سے گریز کرتا ہے۔ اور صراحت کے ساتھ کہتا ہے مجھے مار ڈالو
 میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اگر تم
 کہو کہ شيطان تو ہر وقت بڑا مار کی صورت میں مجھے قسم قسم کے دہل و ذریعہ کا ہدف

بنانا تار ہوتا ہے۔ اور ہم کسی حالت میں اس سے مومن و مصون نہیں رہ سکتے جیسا ان لوگوں کا بیان ہو چکا ہے تو ہم کس طرح مشورہ عقل اور خواہشات کی رسلے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں۔ تو خوب یاد رکھو کہ یہ وادی بہت دشوار گزار ہے اور علوم حقیقی کے ذریعہ ہی اس سے سلامت گذر ہو سکتا ہے۔ اور اس میں بہترین رفیق معیارِ علم ہے کیونکہ اس سے حق کا چہرہ بے نقاب ہوتا ہے اور مکر و فریب کے پرشے دور ہو جاتے ہیں لیکن وہ اندازہ جس کے ذریعہ سے تم تجیر اور تذبذب کے متعلق حق و باطل میں تمیز کر لو یہ ہے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہو جائے کہ اکثر امور میں عقل کا مشورہ نتائج کے اعتبار سے بہترین ہوتا ہے۔ اگرچہ جو حالات کے لحاظ سے اس میں تکلیف اور صعوبت ہی ہو اور خواہشات نفسانی ہمیشہ آرام طلبی اور نزک تکلیف کا مشورہ دیتی ہیں۔ تو جب کبھی کوئی معاملہ تمہیں درپیش ہو اور تم کو اس کے عیب و صواب کا علم نہ ہو تو تم تکلیف دہ امر کو لازم کر لو اور اسے چھوڑ دو جس کی تمہیں رت ہو اخلاق پسندیدہ کا بیش تر حصہ دل کو ناپسند ہوتا ہے اپنا بچہ دربار رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ حفت الجنة بالمکارہ وحفت الناس بالشہوات جنت ناپسند امور کے اندر گھری ہوئی ہے۔ اور دوزخ مرغوب اشیا میں مستور ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وعسی ان تکسہوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں سے خیر کثیر پیدا کرے۔ نیز فرمایا عسی ان تکسہوا شیئاً وھو خیر لکم وعسی ان تعبوسہ شیئاً وھو شر لکم کیا عجب ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے تم ایک بات کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے باعثِ نحوست و شرارت ہو تو جب کبھی تم کو ایسی بات کا خیال ہو جو موجودہ لحاظ سے آرام طلبی آسان و اختیار میں تکلیف سے بچنے راحت کو ترجیح دینے کی دعوت دے تو اسے چھوڑ دو کیونکہ محبت اندھا دلو بہرہ کر دیتی ہے +

مختصر یہ کہ عقل اپنی قوت کے ساتھ جس چیز کا مشورہ دے اس کے متعلق عبادت اور تخیل کے ذریعہ محنت کرو یہاں تک کہ سیہ کھل جائے اور مشورہ کی صحت معلوم ہو جائے۔ عام طور پر خواہشات عقل کے مشورہ کے خلاف نہایت لغو غار پریش کنی ہیں اور عقل حقیقی اور دینی دلائل سے رہنمائی کرتی ہے۔ بد صورت محبوب کا عاشق اور تیغ طعام کا کھانے والا

اپنی عادت کے باعث مجبور ہوتا ہے کہ ان میں شغف رکھے! اور عذر ہاٹے لنگ کے ذریعہ دل کی تسلی کا تلاشی ہو لیکن عقل صاف کہہ دیتی ہے کہ یہ عذر اور بہانے تکلف اور تصنع سے پر ہیں الغرض اس حقیقت کا ادراک نور الہی کی روشنی اور تائید اسمانی کے بغیر ناممکن ہے۔ اس لئے حیرت کے عالم میں اللہ ہی کی جانب رجوع کرنا چاہئے +

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ جب عقل کا میلان بحالات موجودہ تکلیف دہ امر اور عاقبت کا نفع بخش شے کی طرف ہو، اور خواہشات کا رجحان اس کے بالکل متضاد حال کے لذت بخش اور مستقبل کی مصیبت تک بات کی جانب ہو اور دونوں میں تنازع برپا ہو جائے اور دونوں فیصلے کے لئے قوتِ مدبرہ منکرہ کے پاس جائیں۔ تو خدا کا نور عقل کی امداد کے لئے تیز رفتاری کے ساتھ آتا ہے۔ ادھر سے دوسرا شیطان اور ان کے اولیائے کار بھی خواہشات کی اعانت کے لئے دوڑتے ہیں۔ اس طرح دونوں میں ایک معرکہ جنگ برپا ہو جاتا ہے پھر اگر قوتِ مدبرہ شیطان اور اس کے دوستوں کے لشکریوں میں سے ہو تو خدائی نور سے غافل ہو کر انجام کی منفعت سے اندھی ہو جاتی ہے، اس کی آنکھیں قریب کی لذت سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور اسی کی طرف اس کا میلان ہو جاتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اور اگر قوتِ مدبرہ اللہ اور اولیاء اللہ کے لشکر میں سے ہو تو نور خداوندی سے راہنمائی حاصل کرتی ہے اور قریب کی خوشی کو چھوڑ کر انجام کی ابدی مسرت کو چنگل مارتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ والی الذین آمنوا یخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا اُولَیْئَا هُمْ اَطْعَامُوهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى الظُّلُمَاتِ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان دار ہیں اور انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے۔ لیکن کافروں کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں میں پھینکتے ہیں +

عقل کو اللہ تعالیٰ نے شجرِ طیبہ سے تشبیہ دی ہے، اور خواہشات کو شجرِ فحیشہ سے چنانچہ فرمایا اَلْمُسْرُکِیْمَ صَبَّابُ اللّٰهِ مِثْلُ کَلَمَةِ طَیْبَةٍ کَشَجَرَةٍ طَیْبَةٍ اِنْ تَوَّجِبَ اَنْ دُولُ شُکْرٍ مِّنْ صِفَتِ اَرَاۤیِیْ ہُوَ کَرِّ مِیْدَانِ کَارِ زَارِ گرم ہو جاتا ہے ایک طرف خدا کے دشمنوں کی صف ہے اور دوسری طرف اولیاء اللہ کی، تو اس وقت خدا کی طرف رجوع کرنے اور شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آنے کے سوا کوئی

چارہ کار باقی نہیں رہتا، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ واما نیز غنک من الشیطان نضرغ فاستعد بالله انہ سمیع علیہ۔ ان الذین اتقوا اذا مسهم طائف من الشیطان تذکروا فاذا اھم مبصرون جب شیطان تمہارے دل میں کوئی دوسوڑا لے لگے تو اللہ کی پناہ میں آجاؤ اللہ سمیع و علیم ہے منتقی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ جب شیطانوں کا گروہ اُن پر حملہ کرتا ہے تو وہ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور خدا انہیں فوراً بصیرت عطا فرمادیتا ہے۔ شاید تم پوچھو کہ کیا ہواؤ ہوس اور شہوت میں کوئی فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ لفظی بحثوں میں پڑنے کی کچھ ضرورت نہیں ہماری مراد ہوس سے خواہشات کا وہ حصہ ہے جو مذموم ہے۔ پسندیدہ خواہشات اس میں شامل نہیں ہیں۔ پسندیدہ خواہشات خداوند تعالیٰ کا فعل ہیں۔ اور وہ ایک قوت ہے جو انسان میں پیدا کی گئی ہے۔ تاکہ نفس میں ایک تحریک پیدا ہو اس بات کی کہ ان چیزوں کو حاصل کرنے جن سے اُس کے بدن کی بہبودی وابستہ ہے جہاں بقا کے لحاظ سے یا جسم کے کسی خاص حصے کی بقا کے اعتبار سے یا دونوں کی بہبودی کے قریب سے، ناپسندیدہ اور مذموم وہ خواہشات ہیں جو نفس امارہ کا فعل ہیں یعنی ان چیزوں کو محبوب رکھنا جو لذت بدنہ کی باعث ہیں۔ اور جب ان کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو ہواؤ ہوس کا نام دیا جاتا ہے۔ قوت مفکرہ کو وہ اپنے تابع فرمان اور خدمتگذار کر لیتی ہیں۔ تاکہ اس کا تمام تر وقت اُن کے احکام کی متابعت میں گزرے، قوت مفکرہ شہوت و عقل کے درمیان متروک رہتی ہے عقل اس کے اوپر اس کی خدمت کرتی ہے اور شہوت اس کے نیچے۔ تو جب کبھی قوت مفکرہ عقل کی طرف رُخ کرتی ہے۔ تو بلند مرتبہ اور معزز ہو جاتی ہے اور محاسن اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن جب شہوت کی جانب جھکتی ہے تو اسفل السافلین میں جا گرتی ہے، اور بدیاں اس سے رونما ہوتی ہیں +

فصل

اخلاق بدل سکتے ہیں

بعض گمراہ اور باطل پرست لوگ گمان کرتے ہیں، اخلاق خلقت کے مطابق ہوتے ہیں میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے اس باطل عقیدے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی آڑ لی ہے **فَرَعَ اللَّهُ مِنَ الْمَخْلُوقِ كَمَا خُذَ وَنَدَّ تَعَالَى خَلْقَتَ كَافَاغٍ** ہو چکا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس میں تغیر و تبدل کرنا خدا کی پیدائش کو بدلنے کی کوشش کرنا ہے۔ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے چشم پوشی کر لی ہے کہ **حَسَنُوا اخْلَاقَكُمْ** اپنے اخلاق کو عمدہ بناؤ۔ اگر یہ بات نامکمل ہوتی تو اس کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اگر یہ امر ممنوع ثابت ہو جائے تو ترغیب و ترہیب اور مواظبہ و وصایا کے تمام وظائفِ رومی کی ٹوکری میں ڈال دئے جاتے ہیں، کیونکہ افعالِ اخلاق کے نتائج ہیں جب نیچے کو گرنا نقلِ طبعی کا نتیجہ ہے تو چاہئے کہ یہ لوگ اوپر کی طرف کبھی توجہ نہ کیا کریں۔ بلکہ ہمیشہ نیچے ہی کی جانب جایا کریں۔ بلکہ کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ استبداد نے عقل کے ہوتے ساتے انسان کو مذہب نہیں بنایا جاسکتا ہے اور بہائم کی عادات نہیں بدلی جاسکتی ہیں۔ جبکہ درندوں کی وحشت کو دود کر کے مانوس کر لیا جاتا ہے۔ کتے سدھانے سے شکار کھانا بند ہو جاتے ہیں۔ اور گھوڑے سرکشی سے باز اگر اٹارے کے مطابق نقل و حرکت کرنے لگ جاتے ہیں، اور یہ تمام باتیں تو غیر خلقت ہی تو ہیں۔

اس باب میں قولِ شافی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ اُس کی قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس پر ہمارا بس نہیں چلتا۔ مثلاً آسمان۔ ستارے۔ بلکہ ہمارے جسموں کے اعضاء اور ان کے اجزاء۔ یہ چیزیں جیسی ہیں ویسی ہی رہیں گی۔

دوسرے وہ جن کو پیدا ہونے کے بعد تربیت میں آجائے تو بعد میں قبولِ کمال کی قوت دی گئی ہے۔ اس کی تربیتِ آخرتِ بارِ متعلق ہے۔ مثلاً گھوڑے کی گھٹلی نہ کچھ رہے۔ وسیب لیکن اس میں اس بات کی تاہمیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کچھ بہتر بن جائے لیکن اس میں

اس بات کی قابلیت نہیں کہ سبب کا درخت ہو جائے *

البتہ جب انسان کی تربیت کا اس سے تعلق پڑتا ہے تو وہ کھجور بن جاسکتی ہے۔ اگر ہم کو طہر، غضب و شہوت کو اپنی جان سے اسی دنیا میں دور کرنا چاہیں تو ہم ناکام رہیں گے۔ لیکن اگر ہم ان کو مغلوب کرنا اور ان کو ریاضت و مجاہدہ کے ذریعہ سے منہب بنانا چاہیں تو ہم ایسا کر سکیں گے۔ اسی بات کا ہمیں حکم دیا گیا ہے! اور یہ چیز ہماری سماعت مندی اور نجات کی شرط قرار پانے لگی ہے۔ ہاں جہتیں مختلف ہیں بعض سیر القبول اور بعض بطی القبول ہیں۔ اس اختلاف کے دو سبب ہیں۔ ان میں سے ایک باعتبار تقدم وجود کے ہے۔ کیونکہ قوت شہوت، قوت غضب اور قوت تفکر انسان میں موجود ہیں۔ سب سے زیادہ مشکل سے تغیر ہونے والی اور سب سے زیادہ سرکش انسان کے لئے قوت شہوت ہے۔ کیونکہ وہ سب قوتوں سے مقدم ہے۔ بجا وجود کے اور سب سے شدید باعتبار گرفت اور چنگل کے چنانچہ یہ اس کے ساتھ آغاز کار ہی سے پائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا وجود اس حیوان میں بھی ہے جو انسان کی جنس سے ہے۔ اس کے بعد قوت حمیت کی باری ہے اور بعد میں قوت غضب ہوتی ہے۔ قوت فکر یہ سب سے آخر میں پائی جاتی ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ اخلاق اس کے بموجب اور اس کے حکم کے ماتحت کثرت عمل کے ساتھ پختہ کئے جاتے ہیں۔ لوگوں کے اس بابے میں چار مراتب ہیں۔

(اول) وہ انسان غافل جو حق و باطل اور حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ وہ اعتقاد خالی رہتا ہے اور نہ ہی اتباع لذات سے اس کی خواہشات قوی اور شدید ہوتی ہیں یہ درجہ مرض سب سے زیادہ قابل علاج ہے، اس کو صرف ایک مرشد کی ضرورت ہے جو اسے تعلیم دے اور ایک ولولہ عمل کی حاجت جو مرشد کے احکام کی اطاعت پر اسے ابھارتی رہے۔ چنانچہ اس کے اخلاق قلیل ترین وقت میں اچھے ہو جاتے ہیں۔

(دوم) وہ بد عملی کمزرات سے تو واقف ہو لیکن عمل صالح کی جانب لوٹنے پر قادر نہ ہو۔ بلکہ اعمال بد کی دلفریبی میں گرفتار ہو۔ شہوات کا مطیع و منقاد ہو کر اور اسباب رائے سے روگردانی کر کے بدکاریوں کا ارتکاب کرے۔ تو اس کا معاملہ اول الذکر سے دشوار تر ہے۔ کیونکہ اس کی بیماری بھی دگنی ہے۔ اس کو دو کام کرنے چاہئیں (اول) جو باتیں بد عملی کی طرف کثرت سے مائل کرتی ہیں اور طبیعت میں راسخ ہو چکی ہیں ان کا

تلقیع کرنا (ثانیاً) طبیعت کے برخلاف کرنا اس نوع کا شخص مجموعی حیثیت سے قبول ریاضت کے مقام میں ہے۔ بشرطیکہ جدوجہد کامل اس کی امداد کرے +

(سوم) اس کا اعتقاد ہو کہ بد اخلاقی واجب اور مستحسن ہے۔ بدکاری ہی درست اور پسندیدہ ہے۔ اور پھر اس پر وہ کاربند بھی ہو۔ یہ مرض قریباً لاعلاج ہے۔ اس کی اصلاح شاذ و نادر ہی ہوتی ہے، کیونکہ اس پر گمراہی تو برتو تسلط ہو چکی ہے +

(چہارم) وہ شخص جس کی نشوونما ہی عقائد فاسدہ پر ہوئی ہو۔ اس کی تربیت انہی پر کاربند ہونے میں ہوئی ہو۔ وہ اپنی بزرگی اور فضیلت کثرت شر اور ہلاکت آفرینی میں سمجھے۔ ان میں اسے خوشی حاصل ہو۔ اور اس کا گمان ہو کہ یہ باتیں اس کی قدر و منزلت کو بلند کرتی ہیں۔ تو یہ مرتبہ دشوار ترین ہے۔ اسی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ بھیڑیے کو مذہب بنا کر مؤدب بنانا اور حبشی کو نکلا کر سفید کرنا ایک عذاب ہے +

ان مراتب چہارگانہ میں سے اول کو جاہل کہیں گے، دوسرے کو جاہل اور گمراہ۔ تیسرے کو جاہل گمراہ اور فاسق، اور چوتھے کو جاہل گمراہ، فاسق اور شریر النفس +

فصل

اخلاق کی نیبیلی اور ہوی کے علاج کا مختصر طریق عمل

یاد رکھو کہ مجاہدہ نفس اور اعمال صالح کی ریاضت سے تکمیل نفس اور تزکیہ و تصفیہ سے تمذیب اخلاق مقصود ہے نفس اور ان قوی کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہے جس کے بیان سے الفاظ کی تنگدانی قاصر ہے۔ صرف تخیل میں اس کی صورت قشکل ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ تعلق محسوسات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ معقولات میں سے ہے۔ اور اس کا بیان ہمارے مدنظر نہیں، لیکن روح اور جسم دونوں اس سے متاثر ہیں، کیونکہ اگر روح صاحب کمال اور پاکیزہ ہو تو جسم سے بھی مستحسن افعال برز ہو جاتے ہیں۔ یہی حال روح کا ہے۔ کہ اگر جسم کے آثار اچھے ہوں تو ان سے روح میں بھی بہتیں پیدا ہونگی، اور پسندیدہ اخلاق صادر ہونگے +

چنانچہ ترکیب نفس کا طریقہ یہ ہے کہ جو افعال پاکباز اور کامل نفوس سے صادر ہو
ہیں ان کو پے در پے کیا جائے، یہاں تک کہ جب کچھ عرصہ کے تکرار سے ان کی عادت
ہو جائیگی۔ تو ان سے نفس میں ایک سختہ ہیئت واقع ہوگی جو ان افعال کی تقاضی ہوگی اس کا
تقاضا یہاں تک بڑھیکے کہ یہ باتیں عادت کے باعث طبیعت ثانیہ بن جائیں گی پھر جو
باتیں پہلے انسان کی طبیعت پر بے حد گراں تھیں اب اس کو بالکل آسان اور سہل معلوم
ہوگی +

اسی طرح مثلاً جو شخص چاہے کہ مجھ میں سخاوت کا خلق پیدا ہو جائے۔ تو اس کو
چاہئے سخاوت کرنے والے شخص کے افعال کی تکلف پیروی کرے۔ یعنی مال و زر
خرچ کرے۔ اور اس کام کی موانعت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بات اس پر آسان ہو جائے
اور وہ خود صاحبِ جو و سخا ہو جائے +

اسی طرح اگر کسی شخص پر تکبر اور پندار کا عفت سوار ہے اور وہ متواضع اور خلیق
ہونا چاہتا ہے۔ تو اُسے چاہئے کہ متواضع اور خلیق لوگوں کے عادات و اطوار پر ہمیشگی
کرے۔ اور اس بات کو ہر وقت پیش نظر رکھے +

غیب بات یہ ہے کہ جسم و روح کئے رسیان ایک چکر سا قائم ہے بدن جب ایک
کام تکلف کرتا ہے تو اُس سے روح میں ایک صفت پیدا ہوتی ہے۔ پھر جب روح
میں وہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ ایسا کر بدن کی طرف پھر جاتی ہے۔ اس سے
وہ فعل جو جسم نے کیا تھا اور تکلف کیا تھا اس کی طبیعت میں راسخ ہو کر عادت ثانیہ بن جاتا
ہے۔ اس کا معاملہ تمام فنون اور صنعتوں کا سا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص خوشنویسی کا صفت
حاصل کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی بالکمال کاتب کی نقل کرے۔ یعنی
خوبصورت الفاظ محنت سے اس کی مانند لکھے۔ پھر حسن خط میں اس قدر مشق بہم پہنچائے
کہ خوشنویسی کا ملکہ اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے اور اس فن کی مہارت اس کی
ذات کا ایک صفت بن جائے۔ چنانچہ جو بات ابتداء میں تصنع سے کر سکتا تھا اب
بالطبع اور خود بخود کرے گا۔ بات تو ایک ہی ہے ابتداء میں بھی اس کا خط وہی حسن و
خوبی رکھتا تھا۔ اور اب بھی ویسا ہی ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلے آدر دھقی اب آمد
ہے۔ اور یہ تمام کارستانی ایک واسطے سے تاثیر نفس کی ہے +

اسی طرح جس شخص کو نقاہت کا شوق ہو۔ نو اُسے اس کے سولے چارہ کار نہیں کہ فقہ میں مارست کرے، اُسے حفظ کرے، اور بار بار پڑھے۔ ابتدا میں اُسے طبیعت پر زور دینا پڑیگا، یہاں تک کہ علم فقہ اس کے نفس پر منعطف ہو جائیگا۔ اور وہ نفسی نفس ہو جائیگا یعنی اس کی طبیعت میں ایک ایسی حالت پیدا ہو جائیگی جو تخریج مسائل کے لئے خود بخود مستعد ہوگی۔ اور جو چیز ابتدا میں اُسے مشکل معلوم ہوتی تھی اب طبعی طور پر اس کے لئے آسان ہو جائیگی، یہی حال تمام صفات نفس کا ہے +

جس طرح رتبہ نقاہت کا طالب نہ تو ایک ات کی بیکاری سے اس مرتبہ سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور نہ ہی ایک ات کی زیادتی سے اس تک پہنچ جاتا ہے، اسی طرح کمال نفس کا طالب نہ ایک دن کی عبادت سے اُسے حاصل کر لیتا ہے اور نہ ایک دن کا نقصان اُسے محروم کر دیتا ہے، لیکن ایک دن تعطل دوسرے روز کی بیکاری کو دفع دیتا ہے۔ پھر یہ سہل انگاری آہستہ آہستہ تھوڑی تھوڑی بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان کی طبیعت کسندی سے مانوس ہو جاتی ہے۔ اور تحصیل فقہ کا شوق کم ہو جاتا ہے چنانچہ فضیلت فقہ غائب ہو جاتی ہے +

یہی حال جملہ صغیر گناہوں کا ہے۔ ایک گناہ دوسرے کو بلانے کا کام کرتا ہے جس طرح رات کے تکرار کا اثر نفس کے تفقہ میں محسوس نہیں ہوتا۔ کیونکہ قد کے بڑھنے اور بدن کے نشوونما پانے کی طرح یہ تھوڑا تھوڑا ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح ایک ایک عمل عبادت کے عمل کا اثر نفس اور اس کے کمال میں محسوس نہیں ہوتا لیکن مناسب یہ ہے کہ انسان اُسے حقیر نہ سمجھے کیونکہ اس کا اثر مجموعی حیثیت سے ہی ظاہر ہوگا۔

قطرہ قطرہ بھگم شود دریا

دماغ نہ دانہ بھگم شود خرمن

پھر کوئی طاعت نہیں جس کا ایک اثر نہ ہو۔ اگرچہ کتنا ہی چھٹی ہو۔ اور یہی حال ہر ایک معصیت کا ہے +

کتنے ہی خود سر فقیر ہیں جو ایک دن اور رات کی تعطیل کو معمولی خیال کرتے ہیں اور اسی طرح پیارے بے کار رہتے ہیں۔ اور کمال علم کے حصول سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو صغیر گناہوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ کہ انجام کار حرمانِ سعادت سے

اُسے روشناس ہونا پڑتا ہے اور بہت سے صاحبِ توفیق فقیر ہیں جو ایک دن رات کی تعطیل کو بھی معمولی نہیں سمجھتے اور پیالے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ اور شاہدِ کمالِ نفس سے ایک روز ہمکنار ہو جاتے ہیں یہی حال ان لوگوں کا ہے جو صغیر و کبیر کو بھی حقیر نہیں سمجھتے کہ انجامِ کار در درجاتِ سعادت حاصل کر لیتے ہیں کیونکہ تھوڑی شے زیادہ شے کو بلا لاتی ہے اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ ایمانِ دل میں ایک نکتے سے شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں ایمان زیادہ ہوتا ہے یہ سفیدی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ جب انسان کا ایمان کامل ہو جاتا ہے تو تمام دل سفید براق ہو جاتا ہے۔ اور نفاق بھی دل میں ایک سیاہ نکتے سے شروع ہوتا ہے۔ جوں جوں نفاق ترقی کرتا جاتا ہے دل کی سیاہی بھی المضاعف ہوتی جاتی ہے، یہاں تک کہ جب انسان کا نفاق کامل ہو جاتا ہے۔ تو دل بھی تمام تر سیاہ ہو جاتا ہے۔

فصل

وہ فضائل جن کی تحصیل سے سعادت ملتی ہے

جب یہ معلوم ہو گیا کہ سعادت تزکیۃِ نفس اور اس کی تکمیل سے حاصل ہوتی ہے اور اس کی تکمیل جب فضائل کے اکتساب سے ہی ہو سکتی ہے تو ضروری ہوا کہ تمام فضائل بالتفصیل معلوم کئے جائیں جبکہ فضائل کا لب لباب دو باتوں میں ہے (اول) جو ذاتِ ذہن و تمیز اور دوم جسمانی خلق،

جو ذاتِ ذہن سے اول طریقِ سعادت و شقاوت میں تمیز حاصل ہوتی ہے، تاکہ اس پر کام فرمایا جاسکے۔

دوم براہینِ قاطعہ کے ذریعہ سے جو یقین کے لئے مفید ہوں۔ اس کی حقیقت معلوم کرنا، نہ تقلیداتِ ضعیفہ اور نہ کمزور اور بوسے خیالات کے ذریعہ سے، اور حسنِ خلق اس لئے ہے تاکہ تمام عاداتِ سیئہ کو جن کی تفصیل شریعت بتا چکی ہے اس کی امداد سے زائل کر دیا جائے اور ان کو اسی قدر مبغوض بنا دیا جائے جس قدر شریعت

نے انہیں قرار دیا ہے، اور اُن سے اسی طرح اجتناب کیا جائے جس طرح گندگی سے انسان اجتناب کرتا ہے، نیز اس لئے تاکہ عادات حسنہ عود کر آئیں۔ اور انسان کی طبیعت ان کی مشتاق ہو کر ان سے محبت کرنے اور ان کو نعمت سمجھنے لگ جائے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جعلت قرة عینی فی الصلوة نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے +

اور جب کبھی عبادت گزاری اور ترک مخطورات مل پر گراں گزریں تو یہ نقصان کی دلیل ہے، اور کمال سعادت اس سے نہیں ملتی۔ ہاں اس پر ہمت سے پیشگی گزرائی کی کیا غایت ہے، لیکن اسی نسبت سے جو اس کے کرنے میں خوشدلی اور رغبت کو ہے +

جو شخص غیر مذہب ہے اسی کو حق کڑوا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حق سے موڑنے کے خیالات باقی رہتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وانھا لکبیرۃ لا یحلی الخاشعین نماز سونے شروع کرنے والوں کے سب پر بھاری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کی رضا مندی کے لئے اعمال صالحہ کر سکو تو بہتر۔ ورنہ مکروہ استہر صبر کرنے میں ہی بہت نیکی ہے، پھر سعادت کے حصول کے لئے ایک وقت میں نیکی کرنا اور برائی سے بچنا اور دوسرے وقت میں ایسا نہ کرنا کافی نہیں بلکہ چاہئے کہ تمام عمر میں علی الدوام اس پر عمل کیا جائے اور جتنی عمر زیادہ ہوگی، اسی قدر بزرگی زیادہ راسخ اور زیادہ کامل ہوگی، اسی لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سعادت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا، تمام عمر اللہ کی اطاعت کرنا، حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم موت کو ناپسند کرتے تھے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے +

جب عمر کی درازی سے عبادتیں زیادہ کی جائیں گی تو ثواب بھی زیادہ ہوگا، نفس زیادہ زکی اور اطہر ہوگا۔ اور اس کا کمال زیادہ مکمل اور انسان کی خوشی اس کے نفس کے علائقی بن سے علیحدہ ہونے کے باعث زیادہ زبردست اور زیادہ دافر ہوگی +

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان اپنی اس نیند سے بیدار ہو جس نے اُسے اپنے نفس کے حال سے اور اس کے جمال سے جن سے وہ منور ہوتا ہے اور ان ذلت آمیز خیالات و حالات سے جو اس کی نصیحت و رسوائی کا باعث ہیں، غافل کر رکھا تھا۔ یہ تنبیہ اور بیداری اتلقات

و شافل کے دُور پھینک دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ لوگ اصل میں سوئے ہوئے ہیں جب مر جاتے ہیں تو جاگ اُٹھتے ہیں، یہی بات مجموعہ فضائل اور ان کی غایت ہے۔ کہ انسان سے ہمیشہ اچھی باتیں صادر ہوں، بغیر سوچنے کے یا دیکھنے کے یا تکلیف اور رنج و تعب کے، اُسے حق کی اطلاع بغیر کسی لمبی چوڑی محنت کے ہو جائے۔ گویا کہ یہ بات خود بخود اس سے صادر ہو رہی ہے، جس طرح مشاق صنائع اور خوش نویس کاتب سے نقش و نگار اور کتابت سرزد ہوتی ہے۔

انتہائے بڑی کی انتہا یہ ہے کہ انسان سے بے اختیار بغیر غور و فکر اور بچہ خود بخود بد اخلاقیات مترشح ہوں۔ یاد رکھو کہ یہ تمام فضائل فنِ نظری اور فنِ عملی میں مضمون ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دو طریق پر حاصل ہوتا ہے۔

راقلِ تعلیم بشری اور تکلیفِ اختیاری، اس طریقہ میں کچھ عرصہ کی مشق اور مروت و مہارت کی حاجت ہے۔ تیسرے کہ بتدریج نامعلوم طریقہ پر تھوڑی تھوڑی نیکی جمع کئے جائیں جس طرح لوگ نشوونما میں بتدریج ترقی کرتے ہیں ممکن ہے بعض لوگ ایسے بھی ہوں جن کے لئے ادنیٰ مشق بھی کافی ہے۔ اور یہ بات ذکاوت و بلاغت پر منحصر ہے۔

دوم، فضلِ خداوندی سے حاصل ہو جائے یعنی انسان مادرِ زاد طور پر بغیر معلم کے عالم و فاضل ہو جائے جس طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام اور یحییٰ بن زکریا علیہما السلام تھے۔ یہی حال تمام انبیاء کا ہے۔ ان کو حقائقِ اشیا کا علم اس قدر وسیع دیا گیا تھا کہ دوسرے طالب علم تعلیم و تعلم کے ذریعہ سے بھی حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

بعض کا خیال ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کچھ لوگ دُر بھی اس بات کے اہل ہیں۔ ان کو اولیاء اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پھر یہ وہ عطیہ الہی ہے جس کا اکتساب جدوجہد کے ذریعہ ناممکن ہے۔ جو شخص اس سے محروم ہو اُسے چاہئے کہ فریقِ ثانی میں سے ہونے کی کوشش کرے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا رتبہ ان لوگوں کے مراتب سے کمتر ہوگا، اگر گمانے سے آنکھوں میں وہ رعنائی نہیں پیدا ہو سکتی جو قدرتی سیماہ آنکھوں میں موجود ہوتی ہے۔

اس بات کو مستبعد بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ پیدائشی اور فطری طور پر وہ علوم حاصل

ہوں جو الکتاب اور کوشش کے ذریعہ ملتے ہیں۔ جس طرح اخلاق میں ہوتا ہے چنانچہ بسا اوقات ایک لڑکا صادق القول سخی اور جری ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ باتیں تادیب و تربیت سے حاصل ہو جاتی ہیں غرض بزرگی بعض اوقات طبعی طور پر مل جاتی ہے کسی وقت عادت ڈالنے سے اور کبھی تعلیم سے حاصل ہو جاتی ہے جس شخص کو تینوں اعلیٰ جہتیں حاصل ہوں یہاں تک کہ طبعی طور پر عادت ڈالنے سے اور تعلیم کی امداد سے صاحب فضیلت ہو تو اُسے اتمائے بزرگی حاصل ہے۔ اور جو تینوں طور پر ذیل ہو، تو وہ غایت رذالت کے گڑھے میں ہے۔ ان دونوں صورتوں کے درمیان اس شخص کا رتبہ ہے جو ان جہتوں سے مختلف ہے۔ +

فصل

تہذیب اخلاق کا مفصل طریقہ

تمہائے لئے اس بات کا علم بھی ضروری ہے کہ نفس کا علاج رذائل کو اس سے دور کرنے اور فضائل کے الکتاب سے ہو سکتا ہے۔ اس کی مثال علم طب کی سی ہے جس میں بدن کے مرض کی روک تھام اور تن رستی قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ +
جس طرح مزاج کی صلیت میں اعتدال غالب ہے اور بیماری جو حالت اعتدال کو لپیٹی ہے۔ اغذیہ وغیرہ کے عارضوں سے ہی حملہ کرتی ہے۔ اسی طرح ہر ایک بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اُسے یہودی۔ نصرانی۔ اور مجوسی بنالیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تعلیم اور بڑوں کی دیکھا دیکھی بری عادتیں بچے۔ اہو جاتی ہیں جس طرح بدن ابتدا میں غیر مکمل پیدا ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ غذا کے ذریعہ سے نشوونما اور تربیت پا کر کامل ہوتا ہے اسی طرح نفس بھی ناقص پیدا ہوتا ہے۔ اور ترکیب، تہذیب اخلاق اور علم کی غذا لینے سے ہی کامل ہوتا ہے مثلاً بدن اگر تندرست ہو تو طبیب کا کام یہ ہے کہ قانون حفظ صحت پر عمل کر لے اھ اگر مریض ہے تو اس کا فرض اولین یہ ہے کہ اُسے تندرست کرے یہی حال نفس انسانی کا ہے، اگر وہ پاکیزہ و طاہر اور مذہب ہے۔ تو مناسب ہے کہ اس کے ان اوصاف کو

قائم و محفوظ رکھا جائے اور مزید قوت اور صفائی باطنی ہے اُسے ہر و اندوز کرایا جائے اور اگر عیدم الکمال ہے اور صفائی اُسے حاصل نہیں تو چاہئے کہ پہلے اس میں یہ باتیں پیدا کی جائیں جس طرح حالت اعتدال کو بد لکر مرض پیدا کرنے کی علت کا علاج اس کی ضد سے کرایا جاتا ہے۔ اگر سردی سے ہو تو گرم دوائیں دی جاتی ہیں اور اگر گرمی سے ہو تو سرد دوائیں، اسی طرح نفسانی امراض کے اسباب و بواعت کا علاج بھی ان کی ضد سے کیا جاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے کہ جہالت کا علاج بہ تکلف تعلیم سے بخل کا تکلف سخاوت سے، غرور کا بہ تکلف انکسار سے اور پُر غوری کا فداؤں سے بہ تکلف آنکھ کھینچنے سے کرنا چاہئے۔ اور جس طرح ہر ایک ٹھنڈی دوا گرمی سے پیدا ہونے والے مرض کو کافی نہیں ہو سکتی جب تک وہ ایک وزن خاص میں نہ دی جائے۔ کیونکہ اس دوائی کی تیزی کمزوری، دوام و عدم اور اس کی قلت و کثرت بھی مختلف ہوتی ہے اس کے لئے ایک پیمانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس سے اس کی نفع بخش مقدار کا اندازہ معلوم کیا جائے کیونکہ اگر اندازے کے مطابق دوائی نہ دی جائے تو مرض بڑھ جائیگا۔ اسی طرح امراض اخلاق کے علاج کے لئے جو دوا دی جاتی ہے اس کے لئے ایک اندازے کی بھی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح دوا کا اندازہ بیماری کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے یہاں تک کہ جب تک طیب معلوم نہیں کر لیتا کہ مرض کی علت حرارت ہے یا سردت اور اگر اس کی علت حرارت ہے۔ تو اس کا درجہ قوی ہے یا ضعیف۔ اس وقت تک مرض کے علاج کو ہاتھ نہیں لگاتا اور جب ان تمام امور سے واقف ہو جاتا ہے۔ تو حالات بدن۔ حالات موسم۔ اور مریض کے پیشہ کی جانب توجہ کرتا ہے۔ اور انجام کار سب حالات و واقعات کو مد نظر رکھ کر علاج میں مشغول ہوتا ہے۔ اسی طرح شیخ متوع کو جو مریدوں کے نفوس کی بیماریاں دور کرتا ہے۔ چاہئے کہ اپنے مریدوں پر خاص قسم کی ریاضت شاقہ اور تکالیف کا جہوم نہ کرے جن سے ان کے اخلاق و عادات مانوس نہ ہوں، تو جب اُسے معلوم ہو جائے کہ فلاں برائی مرید پر سوار ہے اس کی مغذار کو جان لے، اس کا حال اور مدت اُسے معلوم ہو جائے اور یہ بھی معلوم کر لے کہ فلاں بات علاج میں مفید ہوگی۔ تو علاج کا طریقہ معین کرے یہی وجہ ہے کہ بعض پر اپنے بعض مریدوں کو شہر میں جا کر محنت و مشقت کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ مرید میں کسی قسم کا تکبر اور حکومت کی بو پائی جاتی ہے۔ اس لئے پیر

ان امراض کا علاج ایسے طریق سے کرتا ہے۔ جو اس کے ان عادات کے نقیض و کھنڈ ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تکبر کو اس کے ذریعہ سے چور چور کر دیتا ہے۔ بعض مریدوں کی پانی بھرنے اور استنجہ کے ڈھیلے گننے کا ارشاد ہوتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ مرید کا نفس غوث کی جانب مائل نظر آتا ہے اور حد اعتدال سے زیادہ نفاست پسندی اس کی طبیعت میں پائی جاتی ہے بعض کو روزے رکھنے کا مشورہ دیا جاتا ہے۔ اور انطاری کے لئے برائے نام کھانے کی مقدار دی جاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ مرید جوان۔ قوی الشہوات پیٹھ ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ تہذیب نفس کے طریقے برتے جاتے ہیں۔

بعض لوگوں کے متعلق روایت ہے جو قوت غضب کو دور کر کے قوت علم پیدا کرنے کے لئے کم حیثیت آدمیوں کو اجرت دیتے تھے اور اس بات پر مقرر کرتے تھے۔ کہ محفلوں اور مجلسوں میں ان پر خوب گالیوں کی بوچھاڑ کریں، اپنا پنچہ علم اور بردباری کے اوصاف ان میں پیدا ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کی قوت برداشت ضرب المثل ہو گئی۔ کچھ اور لوگ تھے جو اپنے میں وصف شجاعت پیدا کرنے کے لئے جاڑے میں دریا میں تیرتے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو عمدہ عمدہ کھانے تیار کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کو اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتے تھے۔ اور خود پر خوری کی بد عادت دور کرنے کے لئے نان جویں پر گزارہ کرتے تھے۔

ہندوستان کے سادھو عبادت میں سہل انگاری اور سستی کے مرض کا علاج تمام رات ایک ٹانگ پر کھڑے ہونے سے کرتے ہیں اور بعض لوگ حب مال کی بیماری کا علاج یوں کرتے ہیں کہ تمام مال و اسباب فروخت کر کے اس کے ام اٹھا کر دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

الفرض تہذیب اخلاق کے طریقوں کا یہ مختصر اور اجمالی بیان ہے اور اگر ان کی تفصیل میں جائیں تو سلسلہ کلام بہت طویل ہو جائے۔

مدعا یہ ہے کہ شائق لیگ اپنے اخلاق کے بارے میں تزکیہ نفس کریں پس اگر تمہارا نفس پہلے ہی مذہب ہے تو اس کی حفاظت کرو۔ تاکہ بگڑنے نہ پائے اور اگر وہ بگڑنے کی جانب مائل ہے۔ تو اسے پھر کر حد اعتدال پر لے آؤ۔ اس کے طریقہ کی تفصیل ابھی آئیگی۔ اعتدال حاصل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ افراط و تفریط کی حالت دور کر دیا جائے

کیونکہ غرض یہ ہے کہ بدنی عوارض سے جو صفات نفس کو لاحق ہو جاتے ہیں ان سے نفس کو بالکل پاک کر لیا جائے۔

یہاں تک کہ ان کی جدائی کے بعد افسوس و محبت کے طور پر نفس ان کی جانب کبھی متلفت نہ ہو۔ اور نہ ہی ان کے چلے جانے پر اُسے رنج محسوس ہو۔ ساتھ ہی ان سے مشغول ہونے سے منع کئے جانے اور اپنے جوہر کے لائق سعادتوں سے میل ملاپ کرنے میں اُسے کوئی تکلیف نظر نہ آئے۔ چنانچہ جب ہم چاہتے ہیں کہ پانی نہ تو گرم ہو۔ اور نہ ہی ٹھنڈا۔ تو ہم اُسے معتدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب فاتر جو ٹھہرنے کو چھوڑ دیا ہو نہ گرم ہوتا ہے نہ سرد۔ تو یہی حال ان صفات کا ہے +

تمہارا کام یہ ہے کہ تم غور کرو کہ جس خلق کے باب میں تم سرگرم عمل ہو اس کے موجبات سے جو افعال ہیں۔ وہ کیسے ہیں۔ پھر اگر ان کے کرنے سے تمہیں لذت حاصل ہو۔ تو سمجھ لو کہ جس خلق سے یہ فعل متعلق ہے وہ تمہاری جان میں راسخ ہے۔ اور اگر وہ فعل قبیح ہے تو جان لو خلق قبیح ہے۔ مثلاً اگر تم مال جمع کرنے اور اُسے دبا رکھنے میں مشغول ہو اور لذت محسوس کرتے ہو تو اس فعل سے متعلق خلق بخل ہے پس تمہیں چاہئے کہ تم اپنی طبیعت کو اس کے برخلاف عمل کی طرف پھیر لے جاؤ۔ اخلاق حسنا اور اخلاق سیئہ کی تفصیل شریعت رک چکی ہے۔ اور اداب بنی مکہ کے باب میں جس قدر تصانیف ہیں۔ وہ ان کو جامع ہیں۔ ہم ان کی جانب جلد ہی اجمال اشارہ کریں گے۔ ہماری مراد اعتدال سے یہ ہے کہ اگر تم مال خرچ کرنے اور اسراف میں لطف محسوس کرتے ہو۔ تو جان لو کہ یہ بھی مذموم ہے، اسی کو تہذیر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ محمود و معتدل حالت وہ ہے جس کو سخاوت کہتے ہیں۔ اور جو کچھ سخی اور فضول خرچی کے درمیان ہے اس سے مراد یہ ہے کہ تم بے شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق مال خرچ کرنا آسان ہو۔ خوش دلی اور رغبت سے خرچ کرنا۔ اور شریعت و عقل کے اقتضا کے مطابق خوش دلی اور رغبت سے روک لینا بھی آسان ہو۔ یہی صورتِ مستعدانہ معاملہ ہے تمام صفات میں، ان میں ایک کی مثال ہی کافی ہے جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ معیار اعمال کا ماخذ مقدار صفات و اخلاق ہے۔ تو تم سے یہ بات بھی پوشیدہ نہ رہی کہ ان کے باب میں اختلاف اشخاص کے ساتھ رہتا۔ بھی مختلف ہو گا۔ نیز اختلاف حالات کے ساتھ ایک شخص کے حق میں بھی مختلف ہو گا +

پنہنچ جس شخص کو بصیرت سے کچھ حصہ ملا ہے وہ علت و سبب کے پیچھے پڑیگا۔ اور اس کا علاج اس کے طریقہ کے مطابق کر یگا۔ لیکن چونکہ اکثر لوگ اس لائق نہیں اور لغت کے لئے مشکل ہے کہ ایسی تفصیل پیش کرے جو سب لوگوں کے لئے سب زمانوں میں کافی و وافی ہو۔ اس لئے شریعت نے تفصیل کے بارے میں صرف ان قوانین مشترکہ کو بیان کر دینا کافی سمجھا جن کی حدیں طاعات و ترک معاصی کو گھیر رہی ہیں۔ پھر ان مبامعات کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ جو امور جمیلہ کے ساتھ لذت پانے کے لئے مقصود ہیں۔ مثلاً فرمایا حسب الدنیاس اس کل خطیثۃ دنیا کی محنت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ وغیرہ وغیرہ +

اس سے اہل بصیرت نے جان لیا کہ غایت مطلوب اور اس کا طریقہ اور غایت محذور اور اس کا رستہ کیا ہے اور تفصیل سے واقف ہو کر ان لوگوں کو اس رستہ پر گامزن کیا جنہوں نے ان کی اتباع کی۔ اس طرح وہ انبیاء علیہم السلام کے نائب ہوئے کہ انہوں نے اس چیز کی تفصیل بیان کی جن کو انبیاء نے اجمالاً بیان کیا تھا۔ اور جس کو صرف بطور تلمیح کہا تھا انہوں نے اس کی تشریح کی، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیوں کے وارث ہیں +

فصل اقتباسات فضائل

یوں تو فضائل بے شمار ہیں، لیکن چار چیزیں تمام شعبوں اور قسموں پر حاوی ہیں، یعنی حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت۔ حکمت سے قوت عقلیہ کی فضیلت مراد ہے۔ شجاعت سے قوت غضبیہ کی عفت سے قوت شہوانیہ کی۔ اور عدالت سے مراد سچان ناما قوی کا ترتیب مناسب میں واقع ہونا۔ اس کے ذریعہ سے تمام امور کمال ہوتے ہیں اسی لئے کہتے ہیں کہ زمین و آسمان عدل پر قائم ہیں۔ ہم ان بنیادی امور میں سے ایک ایک کی تشریح کریں گے۔ نیز ان کے بیان کی ان کے ماتحت جملہ انواع کی تشریح کریں گے +

حکمت کے ہم، وہی معنی لیتے ہیں جبکی عظمت اللہ تعالیٰ نے اس قول سے

بیان فرمائی ومن یؤت الحکمتہ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ اور جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الحکمتہ ضالۃ المؤمن۔ حالی سے

کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو

جہاں پاؤ اپنا اُسے مال سمجھو

حکمت قوتِ عقلیہ کی طرف منسوب ہے۔ ہم پہلے جان چکے ہو کہ نفس کی دو قوتیں ہیں۔

اول۔ جو اوپر سے آتی ہے اسی سے ضروری۔ نظری اور کلی حقائق علوم لاء اعلیٰ

کی طرف سے القا ہوتے ہیں۔ یہ یقینی علوم ہیں۔ سچے ہیں۔ ازلی اور ابدی لحاظ سے، اختلاف

اعصار و احوال پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جیسے اللہ تعالیٰ۔ اس کی صفات اس کے ملائکہ،

اُس کی کتابوں اور رسولوں کا علم اور عالم میں خدا کی مخلوق کی تمام اصناف کا علم۔

قوت ثانیہ وہ ہے جو نیچے کی جانب متوجہ رہتی ہے یعنی بدن اور اس کی تدبیر اور

سیاست کی جانب، اسی کے ذریعہ سے نیک اعمال کا اور اک ہوتا ہے۔ اس کو عقلِ عمل

کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ سے نفس کے قوی اہل شہ اور اہل خانہ کی قوتیں قابو میں رکھی

جاتی ہیں۔ اس کا نام ایک لحاظ سے حکمتِ مجازی طور پر ہے۔ کیونکہ اس کی معلومات

گرگٹ کی مانند بدلتی رہتی ہیں اور ایک جگہ قرار نہیں پکڑتیں۔ چنانچہ اس کی معلومات

میں سے ایک یہ ہے "مال خرچ کرنا اچھا کام ہے" حالانکہ بعض اوقات اور بعض شخصل

کے حق میں یہ بات برائی بھی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اول الذکر کے لئے حکمت کا نام

زیادہ درست ہے اور موخر الذکر اول کا کمال ہے اور ثمرہ۔ یہ حکمتِ خلقیہ ہے اور وہ

حکمتِ عملیہ و نظریہ حکمتِ خلقیہ سے ہماری مراد ہے نفسِ عاقلہ کی وہ حالت اور

فضیلت جس سے قوتِ غضبیہ و شہوانیہ قابو میں لائی جاتی ہیں۔ اور مناسب انداز سے

کے ساتھ انقباض و انبساط میں مقدار مقرر کی جاتی ہے اس سے مراد قوتِ فیصلیہ ہے

یہ ایک فضیلت ہے جس کو دو خدایاں احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ اول مکاری و دوم سادہ

لوحی۔ یہ دونوں کنائے ہیں افراط و تفریط کے۔ مکاری افراط کی انتہائی صورت ہے

یہ وہ حالت ہے جس میں انسان مکر و حیصلہ سے کام لینے کا عادی ہوتا ہے۔ جب قوت

غضبیہ اور شہوانیہ مطلوب کی طرف حد سے زیادہ تحریک کرتی ہیں، اور سادہ لوحی انتہائی

تفریط اور حد اعتدال سے کم ہونے کا نام ہے یہ وہ حالت ہے جس میں نفس قوتِ غضبیہ

و مشہورانیہ کے مشورہ کو حد سے کم قبول کرتا ہے اس کی وجہ فہم کی کمزوری اور قوت فیصلہ کی کمی ہے +

شجاعت قوت غضبیہ کے لئے فضیلت ہے۔ بوجہ اس کے قوی ہونے کے، حمیت کے ساتھ یہ عقل کی مطیع و منقاد ہے اور بڑھنے اور گھٹنے میں شریعت کے احکام کی پابند۔ قوت غضبیہ کی دو برائیوں کے درمیان جو اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ ایک متوسط درجہ ہے دونوں برائیاں تہور اور بزدلی ہیں۔ تہور اعتدال سے بڑھی ہوئی کیفیت کا نام ہے اور یہ وہ حالت ہے جس میں انسان ایسے خطرناک امور میں کود پڑتا ہے جن سے بچنا عقول و بشری تھا، بزدلی اعتدال سے گھٹتی ہوئی حالت ہے اس میں حرکت غضبیہ کی حد سے زیادہ کی کے باعث انسان ان امور کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جاتا ہے جن کا سامنا کرنا عقل و خرد کے مطابق تھا۔ جب یہ تمام اخلاق حاصل ہو جاتے ہیں، تو ان سے افعال صادر ہوتے ہیں یعنی خلق شجاعت سے دلبرانہ اقدام ضیاء ہوتا ہے۔ جہاں چاہئے اور جیسا چاہئے۔ یہی طرز عمل پسندیدہ اور قابل تعریف ہے اور راشد فعلی کے مراد: شداد علی الکفاسر حواء بدینہہ سے بھی یہی ہے یعنی کفار پر سخت گراں احمہ آپس میں نہایت مہربان بہر حالت میں نہ تو سختی و درست ہے نہ نرمی ہی، بلکہ مناسب طرز عمل وہ ہے جو عقل و تربیت کے معیار پر پورا اترے۔ تو جس کو یہ حد اعتدال حاصل ہو جاتے اُسے چاہئے کہ اپنے افعال سے اُسے ہمیشہ محفوظ رکھے۔ اور جسے یہ بات میسر نہ ہو کہ چاہئے کہ وہ غور کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت کی شجاعت یعنی بزدلی کی جانب مائل ہے تو بہادروں کے افعال کی پیروی تکلف کرے اور اس پر ہمیشہ عمل کرے یہاں تک کہ یہ بات اس کا طبعی خلق اور عادت بن جائے اور شجاعت مند لوگوں کے کارنامے اس سے خود بخود صادر ہونے لگیں۔ اور اگر دیکھے کہ اس کی طبیعت حد اعتدال سے تہادز حالت کی یعنی تہور کی طرف مائل ہے تو بھی مناسب ہے کہ اپنے میں ان امور کے نتائج سے ڈر لے اور ان کے خطرات کی عظمت سے دل کو مہر خوب کرے ان باتوں پر اسے ابتدا میں بہ تکلف عمل کرنا پڑیگا۔ یہاں تک کہ اس کی طبیعت حد اعتدال یا اس کے قریب کے کسی مقام کی طرف ہٹ آئیگی کیونکہ حد اعتدال کی حقیقت پر قائم رہنا نہایت مشکل بات ہے اور چونکہ یہ بات غیر اصولی ہے اس لئے فرمایا و ان منکم الا و اسدھم میں سے ہر ایک

اس میں وارد ہو گا۔

کسی بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا "حضور آپ کا اس فرمان سے کیا مطلب ہے کہ مجھے سورۃ ہودؑ نے بوڑھا کر دیا" ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان نے کہ خاستقم کذا امرت یعنی صراط مستقیم پر استمرار اور افراط و تفریط سے بچکر توسط اختیار کرنا نہایت سخت مرحلہ ہے۔ یہ بات بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے تیز تر ہے۔ جیسے کہ پھر صراط کے باب میں بیان کیا گیا جس شخص نے دنیا کے راستے پر مستقامت اختیار کر لی۔ وہ آخرت میں بھی مستقیم رہیگا کیونکہ انسان اسی بات پر مرتا ہے جس پر اس نے زندگی بسر کی اور اس کا حشر اس بات پر ہو گا جس پر وہ مرا۔ اسی لئے نماز کی ہر ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کیونکہ اس میں آیت اھدنا الصراط المستقیم داخل ہے۔ طالب پر مستقامت سب باتوں سے زیادہ سخت اور دشوار ہے اگر ایک خلق میں بھی اس کا مکلف قرار دیا جائے تو نصیبت طویل ہو جائے۔ حالانکہ ہمیں تمام اخلاق میں باوجود ان کے بے حد و حساب ہونے کے اس بات کا مکلف کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابھی بیان ہو گا خطرات سے عمدہ برائی توفیق الہی اور رحمت خداوندی کے بغیر ناممکن ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

الناس کلہم موقی الا لعلمون والعالمون کلہم موقی الا العالمون
والعاملون کلہم موقی الا المخلصون والمخلصون علی خطر عظیم
لوگ سب مرتے ہیں سوائے عالموں کے۔ اور عالم سب مرتے ہیں سوائے عاملوں کے
اور عامل سب مرتے ہیں سوائے مخلصوں کے اور مخلصین بڑے بڑے خطروں میں ہیں
تو ہم خداوند تبارک و تعالیٰ سے نہایت عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ الہی اپنی توفیق سے
ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم اس دنیا میں خطرات سے بچکر سلامت نکل جائیں، اور غفلت و
خود فراموشی کے دام میں گرفتار نہ ہوں۔

عفت۔ توفیق شہوانیہ کی بہترین صورت ہے اس سے مراد قوت شہوانیہ کو
نرم اور ہموار کر کے قوت عقلیہ کے تابع کر دینا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حرکت و سکون
اس کے اشارے کے مطابق ہو جائے۔ اس کے دونوں جانب دو خرابیاں ہیں اشد
پرستی اور نامردی، شہوت پرستی سے مراد ہے لذات نفسانی میں افراط اس حد تک

کہ قوتِ عقلیہ اسے ناپسند کرے اور اس سے منع کرے۔ تلمودی سے مراد ہے شہوت کی آگ کا بالکل بجھ جانا۔ اور اس میں اس قدر جوش بھی نہ رہتا جس کی موجودگی کا عقل ناقصا کرتی ہے۔ یہ دونوں باتیں بڑی ہیں غفلتِ ملی دونوں کا عدمیانی اور پسندیدہ نکتہ ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی شہوت کی نگہبانی کرے۔ اس پر اکثر افراط غالب ہوتی ہے خصوصاً شرمگاہ اور پیٹ کی منتقصیات پر اور مال و ریاست اور حبِ ثناء پر یا درکھو ان باتوں میں افراط و تفریط دونوں نقصان رساں ہیں۔

انسان کا کمال اعتدال میں ہے اور اعتدال کا معیار عقل و شرع ہے مطلب یہ ہے کہ شہوت اور غضب کے اخلاق کی غایت مطلوبہ کا علم ہو جائے مثلاً اس بات کی قوتیت ہو جائے کہ خواہشِ طعام اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ غذا لینے کی تحریک کرے جو حرارتِ عینِی میں خلل آنے کا سد باب کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بدن زندہ رہتا ہے اور جو اس سالم تاک حصولِ علوم اور تحقیقِ اشیا کے اور اک کی طاقت پیدا ہو۔۔۔ یہ حالت طبقہِ علیا سے مشابہ ہے کیونکہ اس میں اس کے خواہش پائے جلتے ہیں یعنی رتبہ بالا کہ یہی کمال سعادت ہے جو شخص ان باتوں کی معرفت حاصل کر لے۔ اس کی غرض تناولِ طعام سے عبادت گزار کی تقویٰ ہوتی ہے۔ نہ کہ اس سے حفظِ نفس، وہ کم خوری کی عادت کر لیتا ہے۔ لامحالہ مائلِ بزاز ہوتا ہے۔ اور اس کی حرص تیز نہیں ہونے پاتی۔ وہ جانتا ہے کہ خواہشِ مباشرت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ جماع کی تحریک کرے جس سے نوز انسان کی بقا کی حفاظت کا رشتہ ہوتا ہے۔ اور تاکہ نکاح کی طلب پیدا ہو اولاد پیدا کرنے اور بدکاری سے بچنے کی غرض کے لئے زحمتِ لہو و لعب اور حفظِ نفس حاصل کرنے کے لئے اور اگر لہو و لعب اور تنوع میں مشغول ہوا تو اس کا باعث محنت اور لغت ہوگی، جو صحت و صحت اور دوامِ بکلی کی تحریک کرتی ہے یہ صرف اسی قدر شادیاں کرے کہ جس قدر ان کے حقوق کی ادائیگی میرِ عزائم نہ ہوں۔

جو شخص ان باتوں سے واقف ہو جائے اس کے لئے کم شادیاں کرنا آسان ہو جاتا ہے یہاں آدمی اپنی ذات کا شارع علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات پر خیال نہ کرے کیونکہ بیویوں کی کثرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکرِ الہی سے غافل نہ کر سکتی تھی اور نہ ہی آپ کو طلبِ دنیا پر مجبور کر سکتی تھی۔

جو شخص کثرت سے شادیاں کرتا ہے کتنا ہے کہ بیویوں کی کثرت حضور کے لئے مفہم

تھی مجھے بھی ضرر نہ کر لگی۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو خیال کرتا ہے کہ نجاست کا جو طہیر ایک بحر ناپید الکنار کو تغیر نہیں کر سکتا اس سے سمندر میں سے ایک لوٹا بھر پانی بھی متغیر نہ ہوگا اور جو لذیذ اور مرفح غذا میں ایک قوی الجشہ جوان اور بھرپور شخص کو نقصان نہیں پہنچا تہیں وہ ایک شیر خوار اور کمزور بچے کو بھی ضرر نہ کرے گی۔ بہت سے عقل کے دشمن بڑائی کی لیتے ہوئے اپنی ذات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر قیاس کرتے ہیں۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوٹینی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بری طرح برباد ہوتے ہیں کہ نشان بھی نہیں ملتا نعوذ باللہ۔ خدا ہمیں کور باطنی سے محفوظ رکھے کیونکہ ظاہری اندھا ہونے سے بدتر ہے۔ ظاہری آنکھ کا اندھا تو اپنے عجز اور بے کسی کا اعتراف کر لیتا ہے اور کسی کا ہاتھ پکڑ کر سیدھے رستہ پر ہو لیتا ہے۔ لیکن یہ باطن کے اندر سے اس قدر فریب نفس میں گرفتار ہوتے ہیں کہ کسی حصہ نظر کی انہی تھانا ذلت سمجھتے ہیں، پھر نہ ان کا نور تکمیل پاتا ہے نہ وہ سیدھے راستہ پر گام فرما ہو سکتے ہیں ان کے مال کی خرابی یا ناسک بڑھ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں رہتی کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوئے۔

میں نے بعض طبقہ عوام کے بے وقوفوں کو دیکھا کہ تصوف کے بابہ میں اپنی رسائے سے اٹکل پوچھ لگا رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے کہ یہ خواہشات اور شہوتیں پیدا ہی نہ کی تھیں اگر ان کی پیروی مذہب و ادب سے ہوتی۔ افسوس انہیں یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں شہوتوں کی پیدائش یعنی شرکاء اور شکم کی خواہشات کی خلقت میں دوزر دست حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ (اول) انسان کے وجود کی بقا بذریعہ غذا کے اور نوع انسانی کی بذریعہ جوارح کے کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات میں ضروری ہیں۔ سنت الہی کے مطابق اشیاء الہی کے ساتھ جاری ہیں۔ جو نہ تبدیل ہو سکتی ہے نہ رد کی جاسکتی ہے۔

(دوم) لوگوں کو سعادت اخرویہ کے حصول کی ترغیب دینا کیونکہ جب تک ان کو ان لذات و آلام کے ذریعہ سے تکلیف و آرام کا احساس نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہ جنت کی رغبت کریں گے نہ دوزخ سے خوف کھائیں گے۔

اگر انہیں کسی ایسی چیز کا وعدہ دیا جائے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گذرا۔ تو ان کے نفوس پر اس کا خاک بھی اثر نہ ہوگا عفت کا بیان یہاں ختم ہوتا ہے۔

عدل۔ حکمت اور شجاعت اور عفت کی اس منتظم حالت کا نام ہے جس میں وہ مناسب طور پر ایک ترتیب واجبہ کے ساتھ مختار و متقاد ہوں، اصل میں یہ فضائل اخلاق کا جزو نہیں بلکہ یہ عبارت ہے چند فضائل سے۔ اس کی صورت یوں ہے کہ جب بادشاہ۔ اس کے لشکر اور اس کی رعیت کے درمیان ایک عمدہ ترتیب قائم ہو۔ بادشاہ صاحب بصیرت اور صاحب جبروت ہو اس کا لشکر طاقتور اور اطاعت شعار ہو، اور رعیت مطیع و متقاد ہو، تو کم جائیگا کہ ملک میں عدل قائم ہے، لیکن اگر بعض میں ضروری صفات موجود ہوں اور بعض میں نہ ہوں تو عدل کی موجودگی سے انکار کیا جائیگا۔ مملکت بدن میں بھی ان صفات کے مابین عدل اسی طور سے ہوتا ہے۔

نفس کے اخلاق میں عدل سے لامحالہ مراد یہ ہوگی کہ معاملات و سیاسیات میں توازن قائم ہو، عدل کے معنی ہیں ترتیب مستحب خواہ اخلاق میں خواہ معاملات میں یا ان اجزاء میں جن سے شہر و ملک کا قوام ہے۔

معاملات میں عدل غبن و تغابن کا درمیانی نکتہ ہے یعنی انسان وہ چیز لے لے جو لینے کے قابل ہے اور وہ چیز دے جو دینے کے لائق ہے غبن یہ ہے کہ ناجائز طور پر کوئی چیز لے لی جائے، اور تغابن یہ ہے کہ کسی معاملے میں وہ شے دہری جائے جس کا نہ اجر ہے نہ حسد سیاسیات میں عدل یہ ہے کہ شہر کے مختلف اجزاء اس طرح مرتب کئے جائیں کہ شہر بجاظاہر کے تعلقات کے اور باعتبار اپنے اجزاء کے تناسب کے اور بحساب اپنے ارکان کے تعاون کے حسب منشا طور پر ہو جائے یعنی اس کی اجتماعی حیثیت شخص واحد کی سی ہو، ہر ایک چیز اپنے مناسب مقام پر رکھی جائے۔ اس کے باشندوں میں بجاظاہر طبقہ کے تقسیم کر دی جائے، کون شخص کون خدمت سرانجام دیگا۔ کون خادم ہے اور کون مخدوم کس کس طبقہ سے خادم مستند کرے گا۔ اور کس کس عنوان سے مخدوم خدمت لیگا جیسا کہ ہم قولے نفسانیہ کے باب میں ذکر کر چکے ہیں۔

عدل کے لئے افراط و تفریط کوئی شے نہیں۔ اس کا مقابل خلق ایک ظلم ہے کیونکہ ترتیب اور عدم ترتیب میں کوئی درمیانی نکتہ نہیں۔ اس قسم کی ترتیب اور عدل پر زمین و آسمان قائم ہیں۔ یہاں تک کہ تمام کائنات شخص واحد کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے قوی اور اجزا سب ایک دوسرے کے معاون ہیں۔

اور اب جبکہ ہم یہ تمام اصناف فضائل بیان کر چکے ہیں۔ تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

ہر ایک فضیلت اور رذیلیت، بزرگی اور خرابی کے ماتحت جس قدر فضائل و رذائل کے اقسام و انواع ہیں۔ ان کی تفصیل درج کریں +
اس باب میں قوت عقلیہ سے ابتدا ہوگی، پھر قوت غضبیہ اور آخر میں قوت مشہوہ کی باری آئیگی تاکہ ان کا بیان مکمل ہو جائے +

فصل

فضیلت حکمت اور سبکی افراط و تفریط یعنی مکاری اور بیوقوفی

حکمت کے ماتحت جن تدبیر جو دت ذہن نقایہ الرائی، اور صواب ظن کا اندراج ہوگا حسن تدبیر سے مراد یہ ہے کہ تم عظیم الشان نیکیوں اور نیک اغراض کے حصول میں جو تدبیر منزل، سیاست مدینہ، دفاع دشمن اور رفع شر کے معاملات میں تم سے متعلق ہیں یا دوسروں سے استنباط نتائج کے ذریعہ ایسی صائب رائے قائم کرو جو فاضل اور اصلح ہو غرض یہ کہ ہر ایک اہم اور مہم باشان امر میں تمہیں یہ بات حاصل ہو، لیکن اگر معالہ حقیر اور اسان ہو، تو اس کے متعلق جو غور و فکر ہوگا اسے حسن تدبیر نہ کیئگے۔ اُسے محض اندازہ کہ دینا کافی ہوگا جو دت ذہن یہ ہے کہ جب رائیں مشتبہ ہو جائیں اور ان میں بحث و نزاع پیش ہو تو درست فیصلہ دینے کی قابلیت حاصل ہو +

نقایہ رائے کا مفہوم ہے پیش آمدہ امور کے باب میں جو اسباب و ہنر و کثرت پسند نتائج برآمد کرنے والے ہوں اللہ پر تیز دستی سے پہنچ کر قائم ہو جائے +
صواب ظن یہ ہے کہ بغیر دلائل کی اٹل بچو لگانے کے مشاہدات پر بھروسہ کرتے ہوئے حق کی موافقت کی جائے +

مکاری کے ماتحت حد سے زیادہ تیر نفی اور فریب کاری کا اندراج ہوگا۔ اول الذکر سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ بڑھی ہوئی تکندی کے باعث کسی کام کے سر انجام دینے میں ایسے طرق کار سے کام لے جن کو وہ اچھا سمجھتا ہو۔ لیکن حقیقت میں وہ اچھے نہ ہوں البتہ ان میں نفع خاصہ ہو، اب اگر نفع جنسیس ہو تو اسے فریب کاری کیئگے، حد سے زیادہ

تیز فہمی اور فریب کاری میں فرق صرف ذلت اور شرافت کا ہے +
سادہ لوحی کے ماتحت نا تجربہ کاری۔ حماقت، جنون کے نام آئینگے +
نا تجربہ کاری، سلامت ذہن کے باوجود عملی باتوں میں بالجمہ قلت تجربہ کا نام ہے اگر
ایک بات کا انسان کو تجربہ ہو چکا ہے تو وہ اس میں آزمودہ کار ہے ورنہ نا آزمودہ کار
محل طور پر نا تجربہ کار شخص وہ ہے جس کو دنیا کے وسیع سمندر میں اتر کر اس کے معاملات
کے تجربوں کا اتفاق نہ ہوا ہو +

حماقت یہ ہے کہ انسان منزلِ مقصود پر پہنچنے کے درست راستے کے تعین میں ہی
غلطی کرے اور دوسرے راستے پر چل پڑے۔ حماقت اگر پیداؤشی ہو تو اُسے حماقت طبعی
کہیں گے اور یہ علاج پذیر نہیں اور بعض اوقات کسی مرض کے باعث بھی ذہن بگڑ جاتا ہے
اس لئے جب وہ مرض دور ہو جائے تو حماقت بھی دور ہو جاتی ہے +
جنون۔ یہ فسادِ عقل کا دوسرا نام ہے اس میں انسان ناقابلِ تسبیل شے کو قابلِ قبول
شے پر ترجیح دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا قزعہ انتخاب ہمیشہ غلط شے پر پڑتا ہے جنون کی
خرابی اس کی غرض ہے اور حماقت کی خرابی عمل کرنا۔ کیونکہ احمق کی غرض غایت بھی عاقل
کی سی ہوتی ہے۔ اس لئے ابتداء میں اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن جب اپنے مقصود کی
تحصیل کے لئے وہ روانہ ہوتا ہے تو اس کی بیوقوفی اظہار میں آتی ہو جاتی ہے جنون چونکہ
فسادِ غرض ہے۔ اسی لئے شرفاء ہی میں ظاہر ہو جاتا ہے +

فصل

فضیلت شجاعت کے ماتحت کیا کچھ فرج ہوگا

شجاعت کے عنوان کے ماتحت جو دو کرم، دلیری، خود داری، برداشت، ابرو باری
ثابت قدمی، شہامت، قدردانی اور وقار آئے ہیں +

جو دو کرم کنجوسی اور اسرافت کے بین بین ہے اس سے مراد ہے جلیل القصد اور

مطلوبہ کر علاج بہت مشکل ہے ورنہ انسان میں ہر ایک کمال کی استعداد ہے +

عظیم نفع امور میں خوشی سے خرچ کرنا، اس کو آزاد روی اور حریت بھی نام دے لیتے ہیں۔ دلیری یہ جسارت اور بزدلی کا درمیانی نکتہ ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت کے وقت انسان بے دھڑک اور بے خوف ہو۔ اور موت کے منہ میں جانے سے اس کا دل نہیں گھبرائے۔

خود داری۔ یہ یکجہ اور پہنچ میرزی کے بین بین کا مقام ہے، اس وصف کے ذریعہ انسان اس بات پر قادر ہو جاتا ہے کہ امور جلیلہ کو باوجود ان کو حقیر سمجھنے کے اپنی جان کا پیوند بنائے، اس کا نشان یہ ہے کہ انسان علما کی عزت کرنے میں خوشی حاصل کرے اور فوجی لوگوں کے اکرام و عزائم میں مسرت نہ پائے۔ ادنیٰ امور میں اُسے کوئی لطف نہ ملے، اور نہ ہی اتفاقات حسد اور خوش نصیبی کے طائر پر جو مفاد و منفعت حاصل ہو۔ اس سے اس کے دل میں فخر اور خوشی پیدا ہو۔

برداشت۔ یہ جسارت اور بے صبری کے بین بین ہوتی ہے، اس سے مراد ہے۔ تکلیف دہ اور ایذا رسان امور سے نہ گھبرا جانا۔ حلم و ظلم و رفاہی اور بے غیرتی کے درمیان درمیان ہوتا ہے۔ اس میں انسان کا دل وقار حاصل کر لیتا ہے۔

ثبات قدمی کے معنی دل کا قوی ہونا ہے اور ہمت کا ہیبانہ ہونا ہے۔ شہامت سے مراد ہے، احسن و خوبی کے حصول کی امید میں سرگرمی میں حریص ہونا۔

قدر دانی بڑے بڑے کارناموں پر دل کا خوش ہونا۔
وقار، یہ بھگت اور انکار کے بین بین ہونا ہے۔

صحت شجاعت کے دو کنارے ہیں، اول تہور، دوم جبن و نامردی۔ ان کے تحت نین چھپو، اس اور خست جسارت اور بزدلی، اکثر فوجی اور پہنچ میرزی، بے صبری اور تیز مزاجی سرد مزاجی سمجھتے ہیں، عجب و حسانت کا اندراج ہوگا۔ ان میں سے جو باتیں حد اعتدال سے زیادتی کی طرف مائل ہیں، تہور کا حصہ ہیں اور جو حد اعتدال سے کمی کی طرف راجح ہیں۔ جبن کے ماتحت ہیں۔

چھپو، راجح یعنی نا واجب امور پر جیسے زمینت وغیرہ خرچ کرنا اور اس سے مقصود محض

لاست زنی رکھنا +

خست یعنی دنائت طبع۔ ضرورت کے مقام پر خرچ نہ کرنا۔ اور ادنیٰ باتوں میں
فخر کرنا +

جسارت۔ بے سود موت کی تلاش کرتے پھرنا۔ موقع بے موقع جان پر کھیل
جانے کو تیار رہنا +

بزدلی۔ جہاں ہلاکت کا خوف نہ کرنا چاہئے وہاں موت کے خوف سے کپکپی مریدا
ہو جانا +

اکڑ فوں۔ بغیر استحقاق کے بڑی بڑی باتوں کا اپنے نہیں الی سمجھنا +

بیچ میرزی۔ اپنے درجہ سے خود کو کم سمجھنا +

بیچ میرزی۔ اپنے تئیں مستحق باتوں کا بھی حقدار نہ سمجھنا +

جسارت۔ ہلاکت کی بے فائدہ باتوں میں تلاش کرتے پھرنا۔ ضرورت بے ضرورت
مرنا + تیار رہنا +

بے صبری۔ ایذا رساں امور اور رنج و آلام کے نام سے دم فنا ہونا +

تیز مزاجی۔ فوراً غضبناک ہو کر بیڑک اٹھنا +

بے غیرتی۔ کسی بات پر غصہ نہ ہونا خواہ کیسی ہی فحش ہو جائے +

تکبر۔ اپنے تئیں مقدور سے زیادہ بلند مرتبہ سمجھنا +

خست۔ اپنے تئیں حد سے زیادہ ذلیل سمجھنا۔ اگر مناسب حد تک ہو تو اُسے

منکر مزاجی کہتے ہیں +

نخوت۔ تکبر سے پیدا ہوتی ہے۔ اس سے مراد ہے اپنی حقیقت کو نہ پہچانا اور

ناحق خیال کرنا کہ میں اعلیٰ مرتبہ پر قائم ہوں +

لوگ تکبر اور بخل کو کینہ بن اور فضول خرچی سے زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب

بُرے وصف ہیں +

خست اور فضول خرچی اگرچہ بُرے اوصاف ہیں لیکن یہ تواضع اور سخاوت سے شائبہ

رکھتے ہیں۔ اس لئے پسند کئے جاتے ہیں۔ پھر بھی حقیقت میں یہ اخلاق رفیہ میں داخل ہیں۔

اور اعتدال سے دُور، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طوبی لمن تواضع من

غیر منقصۃ و ذل نفس۔ من غیر مسکنۃ اُس شخص کے لئے خوش خبری ہے جو مناسب انکسار کرے۔ اور اپنے نہیں حقیر سمجھے لیکن مسکنۃ کا اظہار نہ کرے +

فصل

عفت اور اس کے متعلق اخلاقِ فیہ کا اندراج

فضائلِ عفت میں حیا، شرمیلہ پن، مسامتت، صبر و سخا، حسنِ تقدیر، انبساطِ نرمِ غمی، انتظامِ خوبصورتی، قناعت، استغنا، ورع، طلاقۃ، مساعدت، رشک اور ظرافت شامل ہیں +

حیا، شوخی اور زنا نہیں کے درمیان ہوتی ہے۔ اس کی تعریف یوں ہے کہ یہ ایک قسم کا رنج ہے جو کسی کی عیب چینی سے دل میں پیدا ہوتا ہے، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ایک خوف ہے جو انسان کے دل میں اپنے سے بزرگتر کے سامنے فرومایہ ہونے کی پیدا ہوتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بُری باتوں کے پیش آنے سے چہرے پر جو انقباض پیدا ہوتا ہے وہی حیا ہے۔ اور یہ تحفظِ نفس ہے مذموم باتوں سے۔ غرض یہ ہے کہ حیا کا استعمال بُری باتوں سے گریز کرنے کے لئے ہوتا ہے جس چیز کو ایک شخص برا سمجھتا ہے اس سے اس کی طبیعت گھبراہٹ جاتی ہے۔ یہ موخر الذکر صورت لڑکوں اور عورتوں کے لئے زیبا ہے اور عقلمندوں کے لئے مذموم ہے۔ شرم کی پہلی صورت سب سے اچھی ہے اور حدیث کا اشارہ اسی کی طرف ہے جب فرمایا ان الله يستحي من ذی شیبۃ فی الاسلام ان یعذبہ کہ خدا مسلمان لوٹھے کو عذاب دیتے ہوئے شرماتا ہے یعنی اُس کو عذاب دینا ترک کر دیتا ہے +

شرمیلہ پن یعنی فطری حیا سے دل کا گھبرا جانا مردوں کے سوا۔ لڑکوں اور عورتوں میں اُس کا ہونا پسندیدہ امر ہے۔ انسان اس سے شرماتا ہے جس کو دل میں اپنے سے بزرگ اور بڑتر سمجھتا ہے۔ انسانوں سے شرم لانے کے معنی یہ ہیں کہ وہ شخص لوگوں سے خود کو کمتر سمجھتا ہے۔ اور جو شخص اللہ سے نہیں شرماتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خدا کی عظمت

مرتبہ کو نہیں پہچانتا، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استخیروا من اللہ
حق الحیاء اللہ سے اس کے حق کے مطابق شرم کرو، اسی کے متعلق ارشاد خداوند کا
ہے۔ اولم یعلم بان اللہ مبوی کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا دیکھ رہا ہے، کیونکہ
اگر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ خدا دیکھ رہا ہے۔ تو اگر وہ دیندار اور خدا کی
عظمت کو پہچاننے والا ہے تو ضرور شرم کھا جائیگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا لا ایمان لمن لا حیاء لہ جس شخص میں حیا نہیں اس میں ایمان بھی
نہیں۔ کیونکہ حیا انسان کے لئے عقل کا پہلا تقاضا ہے۔ اور ایمان عقل کا آخری مرتبہ
یکم جو شخص پہلا زینہ بھی طے نہیں کرتا وہ آخری زینہ پر کیسے پہنچ سکتا ہے +

مساحت بعض حقوق کو خوشدلی سے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ یہ ناشت یعنی حساب
میں باریکی کرنے اور اہمال یعنی ترک کمال کے بین بین ہوتی ہے +

صبر نفس انسانی کا ہوا و ہوس سے منقاد نہ کرنا اور لذات قبیحہ سے دور رہنا +
سخاوت فضول خرچی اور اتھائی کنجوسی کا وسطی مقام یعنی خرچ کرنے میں آسانی
اور فضول شے کے حاصل کرنے سے اجتناب +

حسن تقدیر اخراجات میں بخل اور تنذیر سے احتراز کرتے ہوئے اعتدال
منتہا یا کرنا +

نرم خوئی اشتیاق یا شہوات میں نفس شہوانیہ کا انداز پسندیدہ +
انتظام نفس کی وہ حالت جس میں اُسے مناسب طور پر اخراجات کرنے کا انداز
معلوم ہو جائے +

خوبصورتی جائز اور واجب زینت کا شوق جس میں رعوت کو دخل نہ ہو +
قناعت معاش کی حد جس میں فریب کاری کو دخل نہ ہو +

استغنا جو چیزیں لذات حلیہ سے انسان حاصل کر چکا ہے اس پر دل کا قانع ہونا
و بجمع۔ ریا کاری اور رسوائی کے مین بین، یعنی اعمال صالحہ کے ساتھ نفس کو مزین
کرنا کمال نفس اور قرب الہی کی طلب کے لئے اس میں نہ ریا کو دخل ہونا۔ چہ نہ اعلان کو +

طلاقت با مذاق خوش مزاجی جس میں فحش اور افترا کو دخل نہ ہو۔ جد و جہل کی افراط
و تفریط کے درمیان وسطی مقام ہے +

ظرافت۔ ترش روئی اور مسخرہ پن کے بین بین ہوتی ہے، یعنی انسان مجلس میں حفظ مراتب کا لحاظ رکھے اور خوش طبعی کا موقع محل دیکھ کر اس کے مطابق گفتگو کرے۔ اور ہر ایک شخص سے اس کی اہلیت کے موافق پیش آئے جب ایک آدمی کا دل چاہے کہ میں تہسی مذاق کے ذریعہ دل خوش کروں، تو اُسے دس باتوں میں سے ایک کا خیال رکھنا ضروری ہے اُسے مہذب اور پاکیزہ مزاج سے جو مسخرگی اور بے ہودگی کی حد تک نہ پہنچے۔ اور صرف اتنی مقدار میں جس سے پریشانی طبع دور ہو جائے۔ کام لینا چاہتے ہو گو کوئی اور مسخرے سے کمال احتراز کرنا چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خوش طبعیوں کا مذکور کتابوں میں درج ہے جس سے اُس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اس لئے ہمیں اس موضوع کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

مسامحت۔ رکشی اور چالوسی کے درمیان کا وسطی نکتہ، یعنی قابل عمل امور میں انکار اور مخالفت چھوڑ کر لوگوں کے آرام کے لئے اپنا فائدہ ترک اور ان کا کام کر دینا۔
رشک۔ حسد اور شامت کے مابین، یعنی غیر مستحق لوگوں کی آسائش اور کامیابی پر اور مستحق لوگوں کی تکلیف اور ناکامی پر اندوہ لینا ہونا۔

عرفت کی افراط و تفریط کے ماتحت حسب ذیل امور راجح ہوں گے۔ بے حیائی۔ زنا زین فضول خرچی۔ کجوسی۔ ریاکاری۔ ذلت پسندی۔ ترش روئی۔ بے ہودگی۔ چھٹو اپن۔ بد مزاجی تملق۔ حسد اور شامت۔

بے حیائی۔ علانیہ بُرے کاموں کی پیروی کرنا۔ بے عزتی اور مذمت کا خوف کئے بغیر زنا نہ پن۔ انسانی طبیعت کی وہ حالت جس میں انسان فرط حیا سے قولاً اور عملاً گھل نہ سکے۔

فضول خرچی۔ عام طور پر مال خرچ کرتے وقت نہ موقع کا لحاظ کرنا نہ بات کا دھیان اور دولت برباد کئے جانا۔

کجوسی۔ جہاں مال خرچ کرنا واجب ہے۔ وہاں اتھ کھینچ لینا۔ اس کے تین اسباب ہیں۔ بخل۔ شح اور ندامت ان میں سے ہر ایک کا ایک رتبہ ہے۔

بخیل تو وہ ہوتا ہے جو خرچ کرنے میں حد سے زیادہ کمی کرتا ہے، اس خوف سے کہ تنگ دست اور مفلس ہو جاؤنگا، تو کھاؤنگا کہاں سے اور ایسا نہ ہو کہ دشمن ذلیل کر ڈالیں

بخل کا سبب خیال کی بزدلی ہے +

شیخ وہ ہوتا ہے جس میں تنگدستی کو بے وجہ خوف اور دشمنوں کے ڈر کے ساتھ آئے دوسروں کی حالت کی بہتری ناپسند ہو۔ تاکہ محتاج لوگ مجبور ہو کر اس کے پاس آئیں۔ اور اس طرح اس کو مرتبہ اور رفعت حاصل ہو۔ اس کا باعث جہالت ہے +

لینیم اس میں مذکورہ بالا سبب بد اخلاقیات جمع ہوتی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ بات ہوتی ہے کہ وہ حقیر باتوں میں شرم نہیں کرتا، اس کا سبب خباثت نفس کی ایک قسم ہے۔ اس کی مثال چور اور دیوث کی سی ہے +

ریا کاری نیک اعمال میں لوگوں کی مشابہت اس لئے کرنا کہ لوگ نہیں اور تعریف کریں اور عزت کریں +

ذلت پسندی نیک اعمال کے ذریعہ روح کو زینت دینے سے اعراض کرنا اور بد اعمالی کا ارتکاب +

ترش روی متانت کی حد افراط +

بے ہودگی حد سے زیادہ مہمگلی +

چھچھو راہن۔ نہیں اور دوست کی ملاقات پر حد سے زیادہ خوشی کا اظہار کرنا +

اندوہ گینی۔ مجلس میں بیٹھ کر اندوہ گین سارہنا +

بدمزاجی۔ لوگوں سے خلاف انسانیت سلوک کرنا +

تملق۔ لوگوں سے اس درجہ عاجزی اور خوشامد سے پیش آنا کہ گویا استحقاق اور

ذلت کی پرواہ ہی نہیں ہے +

حد ستحق لوگوں کی اسائش اور کامیابی دیکھ کر بیچ و تاب کھانا۔ اور ان کے زوال غم

جاہ کا آرزو مند ہونا +

شہامت۔ نالائق لوگوں کو نقصان اور تکلیف پہنچتے دیکھ کر خوش ہونا اور ملامت کرنا +

عفت کا اعتدال ان تمام اخلاق فاضلہ کے مجموعہ کا نام ہے، اور اس کے بالکل مقابل

کی حالت جملہ اخلاق رذیلہ کے مجموعہ کا نام ہے +

ان اخلاق میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں کہ جس کی تعریف کے متعلق احادیث و اخبار

میں تحریک امیر احکام نہ صادر ہو چکے ہوں۔ اور اخلاق رذیلہ میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں

جس سے متعلق تنبیہ اور زجر و توبیخ کے لئے اخبار و احادیث میں بیان موجود نہ ہو۔ اس لئے ہم اس بارے میں گفتگو کر کے تحریر کو طول دینا نہیں چاہتے۔ جو شخص ان کا طالب ہو اُسے عادت و آداب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حالات صحابہ وغیرہ رضی اللہ عنہم سے متعلق کتابوں کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔

اس تذکرہ سے ہماری غرض یہ ہے کہ انسان ان مینوں توہوں کے سبب سے ان خلایق کے قریب ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کی دو باتیں ہیں اور ان کے درمیان ایک مقام اوسط ہے۔ اب انسان اس بات پر مامور ہے کہ وہ ان سبب میں افراط و تفریط کے دونوں کناروں کے درمیان توسط اور استقامت اختیار کرے۔ یہاں تک کہ جب اُسے یہ سب باتیں حاصل ہو جائیں تو اس کا کمال مرتبہ کمیل کو پہنچ جائیگا۔ اور یہ کمال اُسے خداوند جل وعلیٰ کا قرب یعنی تہ عطا فرمائیگا لیکن مسکنی قرب جیسے ملائمہ خدین کو میسر ہے اُسے نہیں ملے گا۔ بہائے اعظم اور کمال اتم و صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

موجودات میں سے ہر ایک شے کمال ممکن کی مشتاق ہے اور یہی لذت مطلوبہ ہے تو اگر اُسے پالیا تو وہ اپنے سے اوپر کے عالم میں جا بچتا اور اگر ناکام و محروم رہا تو اس غاشق میں جا پڑا جو اُس کے نیچے ہے۔ اسی طرح انسان جب اس کمال کو حاصل کر لیتا ہے تو انی ملائمہ پر اللہ کے قرب کے مقام سے ملتی ہو جاتا ہے۔ اور یہی اُس کی سعادت ہے یا جب وہ شہوت و غضب کے اخلاق رفیل کو قبول کر لیتا ہے جو اُس کے اور بہائم کے درمیان مشترک ہیں۔ تو وہ بہائم کے درجہ میں انحطاط پذیر ہو کر دائمی طور پر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے۔ اور یہی اس کی شقاوت ہے۔

اس کی مثال رہو اس سبک رفتار کی سی ہے کہ اُس کا کمال تیز رفتاری ہے۔ اگر اس سے یہ نہ آئے تو اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے پھر لوگ اُس پر ہوجھ لائے اور گھاس چارہ ڈھونڈتے ہیں انسان کے لئے کمال کے مراتب ان اخلاق اور غیر محض علوم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی لئے آخرت میں لوگوں کے درجات بھی مختلف اور شقاوت ہونگے جس طرح دنیا میں پیدائش اخلاق شہوت، اسائش اور دوسرے تمام حالات کے لحاظ سے لوگوں کے مراتب الگ الگ ہوتے ہیں۔

فصل

وہ بو عت جو نیکوئی ترغیب دیتے ہیں ایسے روکتے ہیں

ذنیوی نیک کاموں کے محرکات کی تین اقسام ہیں۔ اول ترغیب و ترسب جن کے ذریعہ حال کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے اور انجام سے ڈرایا جاتا ہے +
دوم تحسین اور شاباش کی امیر اور مذمت و ملامت کا خوف +
سوم طلب فضیلت و کمال نفس کا شوق +

ان میں سے پہلی قسم خواہشات کا اقتضا ہے اور عوام کا رتبہ اس سے متعلق ہے +
دوم کلیہ اور مبادیات عقل تقاضا کرتی ہیں۔ یہ نوع سلاطین و ملوک، اکابر دنیا، اور عقلا میں سے اکثر کو مشتمل ہے۔ ان کی نسبت بھی عوام کی طرف ہے +

سوم کمال عقل کا اقتضا ہے اور اولیا، حکماء اور محقق عقلا کا فعل ہے۔ اسی تفاوت مراتب کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ سب سے بہتر چیز جو انسان کو دی گئی عقل ہے جو اس کو رہنمائی کرتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو حیا ہے جو اسے ممنوعات سے روکتی ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو خوف ہے جو اسے بدعملیوں سے باز رکھتا ہے، اگر یہ بھی نہ ہو تو مال ہے جو اس کے عیوب کو چھپا لیتا ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو بھڑکلی چال ہے جو اس پر گیسے اور جلا کر رکھ کرے، تاکہ زمین اور اہل زمین اس کے وجود سے نہجارت پائیں +

یہ تفاوت اور اختلاف انسان کے چین سے بڑھاپے تک اس کے اس کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ چین میں نہ تو زبردستی ہی نہیں ہے نہ تحسین اور ملامت کے ذریعہ برا لگینے کا بلکہ اگر لذت کھانے پینے کی چیز سامنے لا دی جائے، یا دو چار حقیر رسبہ کئے جائیں تو البتہ اس کا اس چمک اٹھتا ہے جب تیز حاصل کر کے سن بلوغ کے قریب پہنچتا ہے تو زجر ممکن ہے اور مدح و ذم کے وسیلہ سے تحریک بھی۔ اس کو زجر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے ان لوگوں کی مذمت کی جائے جو جھوٹ کی کشتہ مشق بنتے ہیں۔ اور اس کی برائیاں بیان کی جائیں، اور اسے ادب وغیرہ سکھانے کی صورت، یہ ہے کہ با ادب لوگوں کی کثرت سے تعریف و توصیف

اور بے ادب کی اکثر مذمت بیان کی جلائے۔ اس سے اُس کے دل پر کافی اثر پڑیگا اور اُس کا نتیجہ جلد ظاہر ہوگا۔ اکثر لوگ ان دو مراتب سے آگے بڑھ کر تیسرے درجہ تک نہیں پہنچتے ان کی ترقی اور منزل انہی محرکات اور متفرقات کی رہیں منت رہتی ہے۔

تیسری قسم نہایت معزز ہے۔ اور یہی حال آخرت کی نیکیوں کا ہے۔ ان میں بھی اسی طرح لوگ متغاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ آخرت اور دنیا میں کوئی فرق نہیں۔ سوائے تاخیر و تقدیم کے۔ بہر حال نیکی۔ جلد یا بدیر حاصل ہونے والی ہر ایک عقل مند کی مطلوب و مقصود ہے اس کی طلب کے محرک امور گنتی میں نہیں سما سکتے۔ البتہ اقسام کی ترتیب کے لحاظ سے جو لوگ اللہ کی اطاعت اور ترک معصیت کرتے ہیں۔ ان کے تین مرتبہ ہیں۔

اول جو لوگ خدا کے بتائے ہوئے ثواب کی رغبت رکھتے ہیں جس میں جنت داخل ہے یا خدا کے عتاب و موعود سے خوف کھاتے ہیں جس میں دوزخ شامل ہے۔ یہ قسم عام ہے اور اس میں اکثر لوگ داخل ہیں۔

دوم۔ خدا کی خوشنودی اور شاباش کی امید اور اس کی ناراضی اور مذمت کا خوف یعنی شرعی لحاظ سے مدح و ذمہ صالحین کا مرتبہ ہے۔ اس میں مرتبہ اول سے کم لوگ شامل ہیں۔

قسم سوم۔ یہ بہت بلند مرتبہ ہے۔ یعنی جو شخص صرف قرب الہی کا آرزو مند ہے اس کی رضا کا طالب ابتغاء و جہد پر عامل اور زمرہ مقررین الہی یعنی ملائکہ مقررین سے ملحق ہونے کا متمنی ہے۔

یہ درجہ صدیقیوں اور انبیاء کا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔ واصبر نفسك مع الذين يدينون ربهم بالغدا و العشي يريدون وجهاً ان بزرگ نفس لوگوں کے ساتھ اپنی جان کو ملا دو۔ جو اللہ کی عبادت صبح و شام کرتے ہیں۔ اور صرف اُسی کی رضامندی کے طالب ہیں۔ ایک چوتھا گروہ بھی ہے جو کہتے ہیں کہ تم خداوندی جنت کے طلب گار نہ ہو۔ ان میں سے بعض تو یہاں تک بھی گئے ہیں کہ جو شخص خدا کی عبادت کسی عوض کے لئے کرتا ہے وہ لٹیم ہے۔ چونکہ عقل ضعیف ہے اس لئے اس قول کے معانی کی کنہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ اور اکثر عقلیں کمزور ہی ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ پیدا فرمائے اور وعدہ اور وعید سے مخلوق کو ڈرایا اور رغبت

دلائل، اور نہایت شرح و بسط سے اُن کا بیان کیا۔ لیکن مذکورہ بالا معانی کا صرف اشارہ ہی ذکر کیا ہے مثلاً فرمایا بیریدون وجہہ اور وعدت العبادی الصالحین مالا عین سرائت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی نعمت تیار کر رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور آیا۔ جانب الہی سے بھرنے والی وہ پیوستہ قصبہ اور قصبہ اور تقصیر مرض النفع اور قوت نفس اور اہل و عیال وغیرہ کی طلب میں ضروری تنہا ہے۔ قابل و گذرا اور غیر مذموم ہے۔ اس میں خرابی صرف یہ ہے کہ انسان اس میں ذرہ کمال سے محروم رہتا ہے۔ اس کا علاج صرف خدا کی جانب رجوع کرنا اور اس سے دعا کرنا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اُن رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

تقصیر کی دو قسمیں ہیں۔ جہالت اور شہوت غالب، ان میں سے جہالت یہ ہے کہ غیر اخروی اور اس کی شرف و بزرگی کی پہچان ہی حاصل نہ ہو۔ نیز اُن کے مقابلے پر تمام دنیا اور اس کے ساز و سامان کو حقیر سمجھنے کا داعیہ نہ پیدا ہو۔ اس کے دو مراتب ہیں:-
(اول) یہ کہ اس جہالت کا باعث غفلت اور کسی قابل رہنمائی ملاقات نہ ہونا ہے اس کا علاج سہل ہے، اس کے لئے چاہئے کہ ہر ایک مقام میں علماء اور واعظوں کی ایک جماعت ہو جو مخلوقات کو غفلت و خود فراموشی سے بیدار کرتے رہیں، اور دنیا کی طرف سے ہٹا کر آخرت کی جانب، اُن کا رخ پھرتے رہیں لیکن انہیں دنیا کے اکثر واعظوں کا سا اسلوب کار اختیار نہ کرنا چاہئے کیونکہ اس طرح تو لوگ معاصی پر دلہر ہو جاتے ہیں، اور دین ان کے نزدیک حقیر ہو جاتا ہے۔

(دوم) یہ کہ لوگوں کے عقائد میں یہ بات داخل ہو جائے کہ سعادت ہی دنیوی لذات اور موجودہ عیش و تنہا ہے۔ اور آخرت کی کوئی اصل نہیں۔ یا یہ کہ ایمان ہی تنہا نجات کو کافی ہے۔ اور یہ ہر مومن کو حاصل ہے۔ اس کے عمل خواہ کچھ ہی ہوں، یا یہ گمان کہ ان کے معصوم ہی نکیہ نجات کا باعث ہوگا۔ اور اللہ کریم درجیم ہے۔ اُسے گناہگاروں کے گناہوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لئے وہ ضرور ان پر رحم کرے گا۔ اسی قسم کی بہت سی حماقتیں ہیں جنہوں نے اکثر لوگوں کو محسنِ عمل سے محروم رکھا ہے۔ اور انہیں اور مکابح معاصی پر دلیر اور بے باک کر دیا ہے۔ تو جو شخص خیال کرتا ہے کہ آخرت کی کوئی اصل نہیں یہ صریح اور کفر محض ہے۔ اور گمراہی

خالص جب جب اور جس جس کے دل میں یہ اعتقاد راسخ اور پختہ ہوا اس میں سے انسانیت پرواز کر گئی اور وہ یقیناً ہلاک ہو گیا۔ اور جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ مجرد ایمان ہی اسے بس کرتا ہے۔ تو یہ ایمان کی حقیقت سے جہالت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک سے روپوشی ہے، من قال لا الہ الا اللہ مخلصا دخل الجنة اخلاص کا مطلب ہی یہ ہے کہ اعتقاد و عمل قول کے مطابق ہو۔ تاکہ انسان منافق نہ ہو۔ اور اس کا سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو اپنا خدا نہ بنائے، تو جس شخص نے اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے انہیں اپنا معبود بنالیا! او اس فعل نے اس کے قول لا الہ الا اللہ کو غلط قرار دیا۔ اور وہ اخلاص کے منافی ہوا۔ اور جو شخص خیال کرے کہ سعادت اخروی صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ بغیر معاملہ کی حقیقت معلوم کئے، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس شخص کا گمان ہو کہ کھانا صرف کہہ دینے سے کہ اس میں گڑ والا گیا ہے بیٹھا ہو جائیگا خواہ اس میں گڑ ہی ڈالا گیا ہو۔ یا بچہ پیدا ہو جائیگا مرنے کہہ دینے سے کہ میں اپنی بیوی سے بہتر ہوا۔ حالانکہ ہم بہتر نہ ہوا ہو۔ اور صرف کہہ دینے سے کہ میں نے انارچ بویا۔ حالانکہ اس نے بویا نہ ہو۔ فصل پیدا ہو جائیگی جس طرح یہ تمام مقاصد اس عمارت کا تیرہ کتے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ خوب یاد رکھو کہ امر آخرت بھی اسی طرح ہے کیونکہ امر آخرت و امر دنیا ایک ہی ہے۔ صرف زبانی لحاظ سے اس کو آخرت پر کارا گیا ہے۔ کیونکہ وہ اس دنیا کے بعد آئیگی یاں کے پیٹ سے نکل کر فضلہ لئے عالم میں آنے کا وقت شکم مادر کے اندر ہونے کے زمانہ کے اعتبار سے آخرت ہے۔ سن بلوغ کو پہنچ کر تیرہ کی عمر کو پہنچتا ہے۔ اس سے قبل کی زندگی کے لحاظ سے آخرت ہے اور سن بدوغ سے گذر کر رتبہ عقلا میں قدم رکھنا اضافی طور پر اس سے قبل کے زمانہ کی نسبت آخرت ہے مخلوقات کے اندر اسی قسم کا بہرہ بھیر ہے +

موت بہت سی حدود و فاصل میں سے ایک حد فاصل ہے اور ترقی کی ایک حد قسم اور ایک اور عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہونے کی ایک نئی صورت۔ جیسے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا القبر حفرة من حفرة الناس اور روضة من رياض الجنة آغوشِ خدا تو آگ کا ایک گڑھا ہے یا ریاضِ جنت میں سے ایک چمنستان۔ یا بالفاظ دیگر موت صرف متبادل منزل ہے جس طرح ایک بھوکا پیاسا شخص جو رحمت و نعمت الہی کے بھر سے پر توکل کر کے میٹھ رہتا ہے اور پانی پینے اور کھانا کھانے کا طریقہ عمل میں نہیں لاتا

لازمی طور پر ہلاک ہو جائیگا

... اور جو شخص . . . مال کی جستجو میں خدا کا بھروسہ کر کے پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے اور جد

جہد اور سعی و کوشش نہیں کرتا۔ مال و دولت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نامور اور بہتا ہے . . .

... اسی طرح جو لوگ آخرت کے طلبگار ہیں۔ پھر کوشش بلیغ سے کام لیتے ہیں، اور وہ

مومن بھی ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کی سعی و مشق اور جہد و جدوجہد کامرانی سے ہم آغوش

ہوتی ہے۔ اسی لئے خداوند جل و علا نے اس حقیقت کو عالم آشکارا کیا اور فرمایا: اِن لَیْسَ

لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی اِنْسَانٌ مَّرْهُوْمٌ وہی کچھ پاسکتا ہے جس کے لئے کوشش کرے +

جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ہمارے اکل اللہ ہی کے لئے ہے اور سعادت

اخروی کا راز قرب الہی میں مضمر ہے۔ اور یہ قرب مکانی نہیں۔ یہ حسب امکان اکتساب کمال

کا ہی دوسرا نام ہے! اور کمال نفس جن اخلاق کے ساتھ علم و عمل اور حقائق امور سے تفتیت

حاصل کرنے سے ہی ملتا ہے۔ تو جو شخص کمال نفس ہی حاصل نہ کرے گیگا۔ وہ قرب الہی سے کیسے

فائز المرام ہو گا +

اور جو شخص چاہے کہ میں بادشاہ کا کسی علم کے ذریعہ مقرب ہو جاؤں! اگر وہ بیچارہ

بادشاہ کے احسان و کرم پر توکل کر کے گھر پر بیٹھ رہتا ہے اور طلب علم میں کوشش کرنے میں

راتیں آنکھوں میں نہیں کاٹتا اور صرف فضل الہی پر اعتماد کرتا ہے کہ ایک رات سوئے گا اور

اور جب صبح جاگیگا تو اہل دنیا سے افضل و برتر ہو جائیگا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا فضل و بیع تر

ہے! اور اس کی قدرت بہت زبردست ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اس شخص کا یہ فیصلہ

سراسر باطل و حماقت پر مبنی ہے۔ اور خالی غولی دعویٰ ہے، یہی حال اس شخص کا ہے۔ جو

خیال کرتا ہے کہ سعادت اخروی بے کار بیٹھ رہنے اور فصول و وقت ضائع کرنے سے

حاصل ہو جاتی ہے +



فصل

خیرات و سعادات کی قسمیں

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نعمتیں اگرچہ نہایت بے حساب ہیں، لیکن وہ تمام پانچ انواع میں منقسم ہیں:-

(اول) سعادت اخروی، یعنی بقلّے فیرفانی، وہ مسرت و سرور جس میں غم نہیں اور علم جس میں جہالت نہیں۔ غنا جس میں فقر و تنگدستی نہیں۔ اس سے ہم آغوش ہونے کے لئے اللہ کی امداد و اعانت درکار ہے۔ یہ نوع ثانی کے وسیلے سے تکمیل پذیر ہوتی ہے +
(نوع ثانی) فضائل نفسی و روحی، جن کا ہم بفضل ذکر و عمل کے امور چہارگانہ میں کرچکے ہیں یعنی عقل کا کمال، علم ہے، وقعت کا کمال، ورع و تقویٰ ہے، شجاعت کا کمال مجاہدہ ہے، اور عدالت کا کمال انصاف ہے۔ یہی تحقیقی طور پر دین کے اعمال ہیں +

یہ فضائل (نوع ثالث) سے کامل ہوتے ہیں یعنی فضائل بدنی و جسمی سے۔ اور یہ چار امور پر مشتمل ہیں: صحت، قوت، خوب روئی، اور طول عمر۔ ان کی تکمیل نوع چہارم سے ہوتی ہے نوع چہارم انسان کے ماحول کے فضائل ہیں، ان کا احاطہ بھی چار قسمیں کرتی ہیں۔ مال و منال، اہل و عیال، عزت اور شرافت خاندانی، ان چہارگانہ اقسام و انواع میں سے کسی ایک سے بھی پوری طرح نفع ہونے کے لئے ایک یا پانچویں نوع بھی لازمی ہے یعنی فضائل توفیقی، یہ بھی چار ہیں، ہدایت الہی، ارشاد خداوندی، تائید ربّی، اور تسدید الہی +

سعادت اخروی کو تھوڑا کر یہ سولہ سعادتیں ہیں، ان میں سے کسی ایک کے اکتساب کے لئے سوائے فضائل نفسی کے اجتہاد کو کسی میں دخل نہیں، فضائل نفسی کے اکتساب کی صورت اوپر گزری چکی ہے +

اب تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ خیرات اور نیکیاں پانچ ہیں یعنی اخروی، نفسی، بدنی، خارجی، اور توفیقی، ان میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے مثلاً فضائل نفسی کے بغیر نعیم آخرت کا حصول ناممکن ہے، اور صحت بدنی کے بغیر فضائل نفسی سے بہکنار ہونا

خواب و خیال سے زائد نہیں، یہی حال فضائل خارجی کا ہے کیونکہ اگر مال و دولت وغیرہ نہ حاصل ہوں تو فضائل خارجیہ کی جانب گامزن ہونے میں ہزاروں موانع سد راہ ہو جاتے ہیں، اگر تم کو کہ فضائل خارجیہ کے حصول کے لئے مال اہل و عیال عزت اور خاندانی شرافت کی کیا ضرورت ہے۔ تو خوب یاد رکھو کہ ان امور کی مثال دست و بازو اور ہتھیار کی سی ہے جن سے مقصود تک پہنچنے میں آسانی ہو۔

مثلاً مال و دولت کو لیجئے اتنگ دست اور محتاج کا طلب کمال میں نکلنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص ہتھیاروں کے بغیر میدان جنگ میں هل من مبارکین کا نعرہ مارتا ہے۔ یا جیسے بازو پر دوں کے بغیر شکار کا قصد کرتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ صلح آدمی کے لئے مال صلح ایک نعمت ہے۔ پھر فرمایا تقویٰ کے لئے سب سے اچھا مددگار مال ہے۔ کیونکہ جو شخص فقیر و سبیدست ہے اس کا تمام وقت قوت لباس مسکن اور دوسری ضروریات معیشت کی تلاش میں بسر ہوگا۔ اُسے علم جو افضل فضائل ہے کے حصول کے لئے تگ و دو کرنے کا موقع و فرصت ہی نہ ملے گا۔ پھر وہ فضائل حج صدقہ و زکات اور دوسری نیکیاں حاصل کرنے سے محروم رہے گا۔ اور نیک بیوی اور بچوں کی ضرورت تو صاف ظاہر ہے صلح بیوی خاوند کی کھیتی ہے، اور اس کے دین کی حفاظت کا مضبوط قلعہ، فرمایا آقا نے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فہم العون علی الدین المسألة الصالحہ۔ صلح بیوی دین میں اچھی مددگار ہے اور اولاد کے متعلق فرمایا اذا مات الرجل انقطع عمله الا من ثلاث صدقہ جاسر ہے۔ علم ینتفع بہ اولاد صالحمید عولہ۔ آدمی جب مرتل ہے تو اُس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، ہجر نہیں کے، صدقہ جاریہ، علم نافع، اور اولاد صالح جو اُس کے لئے دعائے مغفرت کرتی رہتی ہے۔ جب کسی شخص کے اہل و عیال اور اس کے خویش و اقربا زیادہ ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اس کے لئے کانٹوں۔ آنکھوں، اور دست و بازو کا کام دیتے ہیں۔ ان کے سبب سے اس کے دنیوی امور میں آسانی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اگر وہ منفرد اور تنہا ہوتا تو اس کو یہ وسعت و فراغت حاصل نہ ہوتی جب دنیا کے ضروری اشغال میں تھیف واقع ہو جاتی ہے۔ تو دل کو بھی عبادت و علم کے لئے فراغ کامل نہ ملتا ہے۔ اور اس طرح اُسے دین کے بارے میں قابل قدر اعانت میسر ہو جاتی ہے

عزت و قوت سے انسان لوگوں کی آزار دہی کی مدافعت کرتا ہے مسلمان اُن سے مستغنی نہیں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جان و مال کے بیری دشمنوں کا وجود اُس کے لئے لازمی ہے۔ اور ایسی ظالم ہستیاں بھی ضرور ہوں گی جو اس کے وقت کو ضائع اور اُس کے دل کو شوش کرنے کے لئے اس پر حملہ آور ہوں گی۔ اسی لئے کسی کا مقولہ ہے کہ ”دین اور سلطنت تو ام یعنی لازم و ملزوم ہیں اور دین قلعہ ہے اور حکومت اس کی پاس بان“۔

جس عمارت کی حفاظت نہ کی جائے وہ منہدم، اور جس چیز کا پاس بان نہیں وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے بارگاہِ ایزدی کا فرمان ہے ولو لا دفع اللہ الناس بعضهم بعضاً لفسدوا الارض۔ اگر اللہ تعالیٰ ایک کی دوسرے سے مدافعت نہ کرتا تو زمین فتنہ و فساد سے بھر جاتی +

غرض یہ ہے کہ اذیت کی مدافعت عبادت کے لئے فراغِ قلب کے واسطے ناگزیر ہے یہ بات عزت و غلبہ و قوت کے ذریعہ ہی پوری ہو سکتی ہے جس طرح نیکی کی منزل پر پہنچانے والی چیز بھی نیکی ہے اسی طرح نیکی سے روکنے والے مدافعت بھی بدلت خود نیکی ہے +

اب ری خاندانی و جہالت و شرافت، تو آبائی عزت، ناقابلِ وقعت شے ہے۔ کہتے ہیں انسان کی شرافت اس کی اپنی ذات سے ہے اور لوگ اپنے نیک و نیک و نیک کے بیٹے ہیں، مجھے اپنی عمر کی قسم ہے جب خاندانی شرافت بغیر شرافت ذاتی کا مقابلہ ذاتی شرافت بغیر خاندانی شرافت سے کیا جاتا ہے۔ تو خاندانی شرافت حقیر اور کم وقعت ہو جاتی ہے تاہم جب ذاتی شرافت بھی حاصل ہو تو شرافتِ نبی کی فضیلت سے ابھار نہیں کیا جاسکتا +

چنانچہ امامت میں بھی حسب و نسب کی شرط اور قید لگا دی گئی ہے۔ حدیث میں ہے
 الاشمۃ من القباۃ۔ اہم قرشی النسل ہو اگر ہیں، اور کہیں نہ ہو اہلِ لاقِ مزاجوں اور بیعتوں کی اتباع کرتے اور اصول سے فروغ کی جانب چلتے ہیں۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تخیروا الذل منکم اور ایاکم و حضرت اہل بیت یعنی خود بصورتِ بد اصل عورت سے بچو +

شرافت بھی ایک سعادت ہے لیکن ہماری مراد یہ نہیں کہ بنا لئے دنیا اور امراؤ و رفا سے نسبتی تعلق ہو۔ بسہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ نیک۔ پاک باز اور علم و عبادت اور عقل سے

منہن بزرگوں سے انتساب ہو +

اگر تم پوچھو کہ فضائلِ حبیبی کی کیا ضرورت ہے تو ہم کہیں گے، کہ صحت و قوت اور طولِ عمر کی بے شک حاجت ہے بعض لوگ خوب روئی کو حقیر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ فضائلِ حبیبی کے لئے یہی کافی ہے کہ جسمِ امراض سے محفوظ و سلامت ہو، تاکہ فضائل کے حصول میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ مجھے اپنی عمر کی قسم ہے کہ خوبصورتی کی واقعی تھوڑی ضرورت ہے۔ تاہم یہ بھی ایک عادت اور خیر ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو ہر ایک شخص جانتا ہے، اور اخروی اعتبار سے دو طریق پر راقل، بد صورتی مذموم ہے اور طبیعتیں اُس سے نفرت کرتی ہیں جس ایک طاقت ہے حسین کی ضروریات جلد پوری کی جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوبصورتی بھی ایک کامیاب ذریعہ اور حربہ ہے۔ جیسے مال۔ اور جو شے دنیوی حاجتوں کے پورا کرنے میں معین و مددگار ہے وہ آخرت میں بھی مدد و معاون ہے کیونکہ آخرت کی منزل پر بھی دنیوی اسباب کے فروعی ہی پہنچا جاتا ہے +

دوم، حسنِ عام طور پر خوبیِ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ رُوح کی روشنی کی نوریت جب کامل ہو جاتی ہے تو اُس کا پرتو بدن پر پڑنا شروع ہوتا ہے۔ انسان کا ظاہر اُس کے باطن کا گواہ ہے۔ اسی لئے صحابہ فرستِ قیاض سے اخلاقِ باطنی کے لئے استدلال کیا کرتے ہیں، آنکھ اور چہرہ باطن کا آئینہ ہیں، اسی لئے ان میں غصہ اور شرارت کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ چہرے کی حالت عنوان ہے دل کے خیالات کا، اور زمین کے اندر اگر بُری شے ہے تو یقین جانو کہ اس کی سطح پر اس سے بدتر ہوگی +

ایک دفعہ ماموں رشتہ ایک لشکر بھرتی کر رہا تھا۔ ایک لکھو شخص اُس کے سامنے حاضر ہوا۔ ماموں نے اُس سے گفتگو کرنی چاہی تو وہ گونگا نکلا، اُس نے اس کا نام کاٹ دیا اور کہا۔ رُوح کی بدی جب ظاہر ہو تو فنگس ہو جائے تو یہ باعثِ ذلت ہے لیکن یہاں نہ اُس کا ظاہر ہے نہ باطن "اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطلبوا الحاجة عند عیسان الوجوه۔ خوب رو لوگوں سے ضرورت طلب کرو پھر فرمایا اذا بعثتہم فاطلبوا حسن الوجہ۔ و حسن الامور جب تم کہیں اپنی بھیجے لگو تو اُس شخص کا انتخاب کرو جو سب سے خوبصورت اور جس کا نام بھی عمدہ ہو +

تو اس کا قول ہے کہ جب تمام تماری درجہات و مراتب کے لحاظ سے سادہی ہوں تو

امامت کے لئے سب سے زیادہ خوبصورت شخص اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بمانی خوبی کا احسان بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَنَزَّادُكَ بَسُطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ** جاووتِ علم اور جسامت کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر تھے +

خبر دہی سے ہماری مراد وہ جمال و حسن نہیں جو محرکِ شہوت ہے۔ کیونکہ یہ تونسائیت ہے ہمارا مطلب یہ ہے کہ بلند و بالا قد ہو گوشت اور پوست معتدل ہو، اعضا متناسب ہوں، چہرہ ایسا بھلا اور سہاؤنا ہو کہ نگاہ پر بار نہ ہو +

اب تم پوچھتے ہو کہ فضائلِ توفیقی یعنی ہدایتِ الہی ارشاد خداوندی، تسدیدِ الہی اور تائیدِ ربی سے کیا مراد ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ۔ توفیق وہ نعمت ہے جس سے انسان کسی حال میں مستغنی نہیں۔ اس کے معنی ہیں انسانی ارادہ اور فعل کی حکم و تقدیر الہی سے نوازی۔ یہ خیر و شر میں استعمال ہوتی ہے، لیکن خیر و سعادت میں ہی متعارف ہو گئی ہے۔ توفیق کی جستجاء بین وظاہر ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ جب نوجوانوں کو خدا کی امداد حاصل نہ ہو، تو اکثر ان کا اجتہاد گم ہو جاتا ہے +

ہدایتِ الہی کے بغیر طلبِ فضائل کی طرف ایک قدم چلنا بھی دشوار ہے کیونکہ ینیکیوں کا مبداء ہے اور خیر کا منبع۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **عَلَى كُلِّ شَيْءٍ خَلْقٌ** ثم ہدیٰ ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا پھر اُسے ہدایت دی، اور فرمایا: **وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا تَكُنْتُمْ مِنَ الْآبِدِ** وَلَكِنَّ اللَّهَ بِيْزِكُمْ مِنْ يَشَاءُ اكرتم پر اللہ کی رحمت اور فضل تمہارے شامل حال نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی شخص کبھی پاکباز نہ ہوتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور حدیث میں ہے: **مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ** کوئی فرد بشر حبیب میں داخل نہ ہوگا۔ مگر اللہ کی رحمت سے، یا بالفاظِ دیگر اُس کی ہدایت کے ساتھ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ بھی؟ فرمایا: **ہاں میں بھی +**

ہدایت کے تین درجے ہیں، (اول) خیر و شر کے رستہ کی پہچان، (ثانی) اللہ تعالیٰ کا اشارہ آیت و ہدایہ اللہ تعالیٰ میں ہیں۔ یہ یعنی ہم نے اُسے دونوں رستے سوچا دئے اللہ نے اپنے کمالِ فضل و کرم سے اپنے تمام بندوں کو صراطِ مستقیم کی معرفت عطا فرمائی بعض کو عقل کے ذریعہ، اور بعض کو زبانِ نبوت و رسالت سے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا: **وَمَا تَشْجُرُ**

فہدینا ہم فاستعہموا العی علی الہدیٰ ثمود کو ہم نے درست رستہ بتا دیا پھر انہوں نے ہدایت پر اپنے راہ روی کو ترجیح دی ۔

(دوم) جو بندے کو کھینچ کر اس کے علوم اور اعمال صالحہ کی ترقی اور زیادتی کے مطابق ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف لے چلتی ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہے الذین اہتدوا ہدایا ہم ھدی فاما ہم تقوا ہم جو لوگ درست رستہ پر گامزن ہوئے اللہ نے ان کی ہدایت کو زیادہ کیا اور ان کو ان کا تقویٰ عطا فرمایا ۔

(سوم) یہ ایک نور ہے جو عالم نبوت اور ولایت میں چمکتا ہے ۔ اور اُس سے ہر رستہ نظر آتا ہے جس کی رہنمائی عقل کی شمع نہیں کر سکتی ۔ میری دلیل کی بنیاد خدا کے اس قول پر ہے قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ کہ رستہ کی ہدایت اللہ ہی کی اصلی ہدایت ہے ۔ اپنی ذات سے نسبت کر کے خدا نے اُسے ہدایت مطلق کا نام دیا ۔ قرآن میں ایک جگہ اُسے زندگی سے بھی تعبیر کیا ، اور فرمایا ، ومن کان میتا فاھیینا ، وجعلنا لہ نوراً یمشی ب فی الناس کیا جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا ۔ اور اُس کے لئے ایک نور بنایا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے ۔ دوسری جگہ فرمایا افسس شرح اللہ صدرا لاسلام فھو علیٰ نور من سربہ جس شخص کا اللہ نے اسلام کے لئے سینہ کھول دیا تو وہ اپنے اللہ کے نور پر ہے ۔

رشد الہی سے ہماری مراد ہے عنایت الہی جو انسان کو اُس کے قاصد کی طرف توجہ کرنے میں اعانت کرتی ہے پھر اس کی صلاحیت کے مطابق اُسے قوت دیتی اور اس کے فساد طبعیت کو پر اگندہ اور منتشر کرتی ہے ۔ اور یہ باطن سے ہوتا ہے ۔ جیسے کہ اللہ نے فرمایا ولقد ابتینا ابراھیم سر شدہ من قبل دکنابہ عالمین بیشک ہم نے ابراہیم کو اس کا رشد دیا پہلے سے اور ہم ہی جانتے تھے ۔

تسدید الہی اس لئے ہے کہ انسان کے ارادے اور حرکات کو منزل مقصود کی جانب ڈال دے تاکہ قریب ترین وقت میں وہ اس پر پہنچ جائے ۔ رشد پہچان کے ساتھ خبردار کرتا ہے ۔ اور تسدید اعانت و نصرت ہے تحریک کے ساتھ ۔

تاہب دربی داخل طور پر بصیرت کے ذریعہ سے معاملے کی تقویت اور حاجی لحاظ سے گرفت کی طاقت ہے ۔ خداوند تعالیٰ کے قول اذا ید یلک بہم روح القدس

جب میں نے روح القدس سے تیری تائید کی، یہی مراد ہے۔
 اس کے قریب قریب عصمت ہے۔ اور وہ فیض الہی ہے جس سے انسان خیر
 گرجوشی اور شر سے اجتناب کی تقویت حاصل کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ انسان کے اندر
 غیر محسوس طور پر ایک رک سی بن جاتی ہے۔ اس کی تائید خدا کے اس قول سے ہوتی
 ہے ولقد ہممت بـ وہم بھالولا ان سارا برہان ساربا غزینکی بیوی
 نے یوسن کا ارادہ کیا اور یوسن اس کی بیوی کا ارادہ کر لیتا۔ اگر اپنے پروردگار کی برہان
 نہ دیکھ لیتا۔ ان باتوں کے حصول کے لئے اُسی وقت اس کی مدد، صاف و تیز فہم ہوا
 وشنو گوش، صاحب بصیرت اور بیدار دل، نامح معلم فرخ و کشادہ مال و دولت، جو
 ضروریات زندگی کے مطابق ہو۔ اور اتنا کثرت سے نہ ہو کہ دین کی طرف سے روک لے
 اہل دیہات، اور عزت و غلبہ جو کمینوں کی شرارتوں سے بچائے، اور دشمنوں کے ظلم سے
 محفوظ رکھے، اکی ضرورت ہے۔ یہ ہیں وہ اسباب جن سے سعادتیں مکمل ہوتی ہیں۔

فصل

سعادتوں کی غایت اور ان کے مرتبے

سعادت حقیقی اور سعادت اخروی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ اس کے علاوہ جن امور
 کو سعادت کے خطاب سے سرفراز کیا گیا ہے وہ یا تو لباس مجاز میں یا غلط طور پر کیا گیا ہے۔
 جیسے سعادت دنیوی، جو آخرت میں کسی کام نہیں آتی۔ بلحاظ مصداق کے پیام سعادت اخروی
 پر ہی سب سے زیادہ صادق آتا ہے، اور اس میں ہر وہ بات داخل ہے جو سعادت اخروی
 کی منزل تک پہنچاتی ہے یا اس مقصد میں امداد دیتی ہے۔ کیونکہ خیر و سعادت سے ہمکنار
 کرنے والی شے بذات خود خیر و سعادت ہے۔ نافع اور معاون اسباب کی تشریح چار قسمیں
 کرتی ہیں:-

(اول) جو ہر حال میں سودمند ہیں اور وہ فضائل نفسی ہیں، ان میں سے بعض ایک وقت
 نفع بخش ہیں، دوسرے وقت نہیں۔ اور نفع زیادہ ہے۔ جیسے تصورِ مال اور بعض کا ضرر خلقت

کے حق میں زیادہ ہے۔ ان میں علوم و صنائع کی بعض قسمیں ہیں، بجز کہ ان میں القباس زیادہ ہے۔ اس لئے عقلمند کو لازم ہے کہ ان امور کے عقائد کی معرفت اچھی طرح حاصل کر لے، تاکہ مضر کو نفع بخش پر ترجیح نہ دے۔ ورنہ شاید مقصود سے ہلکا رہے۔ جو فی میں زیادہ درگیر لگیں، بہت سے آدمی آئناں کو فریبی پر معمول کر لیتے ہیں، اور کئی رسی کی تلاش کرتے کرتے سانپ کو پکڑ لیتے ہیں، جو فوراً ڈس لیتا ہے۔ اور حقیقی علم وہی ہے جو ان امور کا انکشاف کرے۔

(تقسیم ثانی) انیکوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے (۱) موثرہ لذات (۲) موثرہ غیر لذات (۳) ایک وقت موثرہ لذات (۴) اور دوسرے وقت غیر موثرہ تو چاہئے کہ انسان ان کے مراتب کو خوب پہچان لے تاکہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق حصہ دے۔ موثرہ لذات سعادت اخروی ہے، اور اس سے آگے اور کوئی حد نہیں، موثرہ غیر لذات مال و دولت ہے جیسے درہم و دینار اور روپیہ پیسہ، پھر اگر حاجتیں اور ضروریات ان سے پوری نہ ہوں تو وہ تمام تر جو اہر سنگریزے اور ٹھیکریاں ہیں۔

ایک وقت موثرہ لذات اور دوسرے وقت غیر موثرہ کی مثال صحت جسمانی ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ انسان تبدیل چلنے سے جس میں پاؤں کی سلامتی ناگزیر ہے۔ ستغنی ہے پھر بھی اس کا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں درست اور سالم ہوں۔ ان کی سلامتی بذات خود ایک نعمت ہے۔

(تقسیم ثالث) نعمتوں کی تقسیم ایک اور طرح بھی ہو سکتی ہے۔ نافع جمیل اور لذیذ اور بلیا بھی تین ہیں۔ مضر، قبیح اور تکلیف دہ۔ ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں، اول مطلق، اس میں تینوں باتیں موجود ہوتی ہیں انیکے کے اعتبار سے۔ یہی حکمت نافع ہے جمیل ہے اور لذت بخش بھی۔ برائی کے لحاظ سے جیسے جمالت، یہ مضر بھی۔ قبیح بھی ہے اور تکلیف دہ بھی۔

دوم محقق، اس میں تین باتوں میں سے کوئی ہوتی ہے کوئی نہیں ہوتی مثلاً بعض لذات نافع اور تکلیف دہ جیسے زائد انگلی کا کٹنا، یا لگنا۔ یہ نافع ایک وجہ سے اور مضر دوسری وجہ سے جیسے فرق ہونے سے بچنے کے لئے زرو مال کو سمندر میں پھینک دینا، کیونکہ مال کے اعتبار سے مضر ہے اور جان کے لحاظ سے مفید۔ آگے نافع کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول ضروری جیسے نائل خنسی، اور سعادت اخروی کا اتصال۔ دوسرے غیر ضروری جس کی جگہ دوسری شے بھی پوری

کر سکتی ہے جیسے تکین صفر کے لئے کنبین *

تقسیمِ رابع (قوائے ثلاثہ اور ششستیاں ثلاثہ کے حساب سے لذاتِ تین ہیں کیونکہ لذت کے معنی اور اکِ ششستہ ہیں شہوت سے عبارت ہے نفس کا تحریک کرنا اُس شے کی طرف جس کی لذاتِ عقلیہ اور لذاتِ بدنیہ شتاق ہیں۔ ان میں سے بعض میں تمام حیوانات مشترک ہیں اور بعض میں چند رہی عقلیات جیسے لذتِ علم و حکمت، اس کا وجود سب سے زیادہ قلیل اور سب سے زیادہ بزرگ ہے۔ اس کی قلت اس لئے ہے کہ حکمت سے صرف حکیم ہی لذت اندوز ہوتا ہے۔ اگر شیر خوار بچہ شہد، فرہر پرندوں کے گوشت اور پاکیزہ حلاوتوں کی لذت کے اور اک سے قاصر ہے تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ یہ چیزیں لذیذ ہی نہیں اور اس کے رغبت سے دودھ پینے سے یہ مطلب تو نہیں کہ دودھ سب سے زیادہ لذیذ اور دلچسپ شے ہے۔ *

عام طور پر سب کے سب لوگ ابتدا میں علم کے مرتبہ سے غافل ہوتے ہیں، اور اسی میں غرور کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی لئے جہالت میں انہیں مزا ملتا ہے۔ اکا و کا کوئی اس کے مستثنیٰ ہو تو ہوسے

ومن يك ذاقم لهن مريضن يبعد مرآب الماء الزلل لالد

منہ کے کڑوے بن کا مریض آب زلال کو بھی کڑوا سمجھتا ہے

ان کی بزرگی تو چونکہ لازم ہے اور غیر زوال پذیر دائمی ہے اور نہ زائل ہونے والی اُس کی لذتیں بھی باقی رہنے والی ہیں اور وارِ آخرت میں اس کا ثمرہ بے نہایت ہے۔ *

اور اگر کوئی شخص برتر اور قائم رہنے والی نعمت کے حصول کی قدرت رکھتا ہو اکم مایہ اور فانی شے پر راضی ہو جاتا ہے۔ تو لازمی طور پر کنسپٹریگا کہ اُس کی عقل نے دعو کا کھایا اور اپنی شقاوت اور اواربہ سے محروم رہا۔ اس امر میں چھوٹی سے چھوٹی خوبی یہ ہے کہ فضائلِ نفسی خصوصاً علم و عقل کو نہ مددگاروں کی ضرورت ہے نہ محافظوں کی۔ بخلاف اس کے مال و دولت ان کے بغیر آج بھی گیا اور کل بھی ضائع ہوا علم تو تمہاری نگہبانی کرتا ہے اور تم مال کی پاسبانی کرتے ہو علم خرچ کیسے زیادہ اور مال کم ہوتا ہے۔ علم ہر حال میں مطلق اور ابدی طور پر نفع بخش اور سود مند ہے۔ مال و زر کبھی رذائل کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ کبھی فضائل کی جانب لے چلتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں بعض مواقع پر اس کی مذمت آئی

ہے اور بعض جگہوں میں اسے خیر کا نام دیا گیا ہے +

دوم، وہ لذات جو انسان اور حیوانات میں مشترک ہیں جیسے کھانے پینے کا ذائقہ اور جفت و وطی کی لذت، اس کا وجود سب سے زیادہ ہے +

سوم، وہ جو سب انسانوں اور بعض حیوانوں میں مشترک ہیں۔ جیسے ریاست و غلبہ کی لذت عقلمندوں کے لئے مانگوں میں یہ سب سے زیادہ چسپاں ہوتی ہے، اسی لئے کہتے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے آخر میں خارج ہوتی ہے حب ریاست ہے +
لذت جملہ اور ذوق خور و نوش لذات طلق نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ ایک لحاظ سے ازالہ الم ہیں۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے کہ انسان صریح جوع و قلیل شبع انسان بھوک کا غلام ہے اور سیری کا قلیل +

ذہبی لذتیں سات ہیں، کھانا پینا، مباشرت، پہننا، رہنا، سو گھننا، نانا اور کھینا یہ سب سب جہتہ ہیں۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضرت عمار کو حزن و ملال دے کے باعث آپیں بھرتے دیکھ کر فرمایا، اے عمار اگر تم آخرت کے لئے آہیں بھر رہے ہو تو تمہاری تجارت بہت نفع بخش ہے اور اگر تم دنیا کے لئے مضطرب ہو رہے ہو، تو تمہاری تیسراری اور مضطرب ذلیل اور کم مایہ ہے۔ سیری طوت دیکھو کہ میں دنیا کی تمام لذات، ماکولات، مشروبات، ملبوسات، مسکونات، ہشموات، ہموات اور سبغات سے لطف اندوز ہو چکا ہوں، ان میں سے ماکولات میں افضل شمس ہے، یہ کھنی کا فضلہ ہے، مشروبات میں پانی افضل ہے، یہ تمام موجودات میں کم مایہ و مجربہ و قویٰ میں بلند مرتبہ ہے، مسکوعات، فتنہ و فتنہ میں ملبوسات میں بہترین ریشم ہے اور یہ ایک کپڑے کی دم کی تالی ہے، اور اسے ایک کپڑا بنانا ہے، ہشموات میں بہترین کستوری ہے اور وہ ایک جانور کا خون ہے، مسکوعات ہو اکا ترنم ہے اور بس، اور سبغات خیالی صورتیں ہیں جو جلد فنا ہو جاتی ہیں۔ یہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول +

لذات ذہبی کے متعلق یہ سختی یہ ہے کہ پورا ہوئے کے بعد وہ فوراً زائل ہو جاتی ہیں، مباشرت سے فارغ ہونے اور کھانا کھا چکنے سے قبل کی حالت قابل غور ہے، دیکھو کس طرح مطلوب امر قابل گریز ہو جاتا ہے۔ پھر یہ باتیں اس لذت دوام کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہیں۔ جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ اور اس کی رحمت ابد الابد تک رہتی ہے، وہ لذت

دوام فضائل نفسی کے ذریعہ کمال روحانی حاصل کرنا خصوصاً تمام پر علم و عقل کے ساتھ غلبہ اور استیلا پا جانا ہے +

فصل

مذموم و محمود خواہشات

بھوک غذا کی طلبگار ہے کھانے پینے کی چیزوں کی دو قسمیں ہیں۔ ضروری اور غیر ضروری ضروری جس کے بغیر بدن اور صحت بدن کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ جیسے کھانا جو غذا بنتا ہے اور پانی جو تازگی بخشتا ہے۔ اس کی پھر چار قسمیں ہیں۔ محمود، مکروہ، حرام اور مضر + محمود وہ جس کے بغیر انسان کے لئے علم و عمل کے میدان میں گامزن ہونا ناممکن ہو اگر اس کا استعمال ترک کر دیا جائے تو بدن کی قوتیں تحلیل ہو جائیں اور جسم بیکار ہو جائے اگر اُسے صرف اسی قدر مقدار میں کھایا جائے جس قدر ضروری ہے تو یہ قابل درگزر ہے بلکہ لائق تعریف اور لائق اجر و وجہ یہ کہ بدن رُوح کی سواری ہے جس کے ذریعہ خدا کے کوچہ کی راہیں قطع کی جاتی ہیں جس طرح جہاد عبادت ہے اسی طرح جہاد کرنے والے گھوڑے کی پرورش بھی عبادت ہے کہ اُس سے گھوڑا طاقتور ہو گا۔ اور غازی کو اٹھا کر میدان میں جاڑے گا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عند اکمال الصالحین تنزل الرحمة نیک بندے جب کھانا کھاتے ہیں تو خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے یہ اس لئے کہ اس کا کھانا ناگزیر طور پر ہوتا ہے اور اس کی عین آرزو اُس سے مستغنی ہو جانے کی ہوتی ہے +

کھانے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا دو فطری اور سبزیوں کے فضائل تناول کرنا خیر ہے کہ انسان کا پاخانہ اور دوسرے فضائل کو چٹ کرنے کے برابر ہے۔ اگر درختوں کے زبائیں ہوتیں تو وہ سبزیوں اور پودوں کے فضائل کھانے والوں کو حیوانات کے فضلہ کھانے والوں سے تشبیہ دیتے +

مکروہ کے معنی ہیں حلال کے بائے میں اسراف و امان، اور حد سے زیادہ مقدار

میں کھانا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ما من وعاء البغض الى الله تعالى من بطن ملئ من حلال خدا کو تمام برتنوں میں ناپسند برتن وہ پیٹ ہے جو رزقِ حلال سے بھر گیا اور یہ طبی لحاظ سے بھی مضر ہے۔ کیونکہ یہ بات سب بیماریوں کی جڑ ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے البطنة اصل الداء والحمة اصل الداء وعود واد کل جسد ما اعتاد، پیٹ سب بیماریوں کی جڑ ہے پر یہی تمام دواؤں کی بنیاد ہے جہاں تک ہو سکے پرہیز کرو۔

محقق اطباء کی رائے ہے کہ حکیم عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام طب کا پور ان تین فرقوں میں رکھ دیا ہے۔ طالب سعادت کو مناسب ہے کہ اس زیادتی کو حقیر نہ شمار کرے۔ ہم نے اس کا نام مکروہ رکھا ہے اور اسے مضر نہیں کہا۔ کہ مکروہ نہایت تیزی سے مضر صورت اختیار کر لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ خرابیوں کو برائیکھتہ کرنے والی قوت شہوانیہ ہے اور اس کی تقویت کا موجب یہی غذا میں ہیں۔ پیٹ کا پُر ہونا شہوات کو مضبوط کرتا ہے اور اس کی مضبوطی خواہشات کو بلاق ہے اور خواہشات شیطان کا سب سے بڑا لشکر ہے جو تسلط اور غالب انسان کو اس کے رب سے دور رکھتا ہے اور اللہ کے دروازے سے اُسے پھیر دیتا ہے اور دشمن کے لشکر کی امداد کرنا اور اس کو قوت دینا گویا خود دشمن بن جانا ہے اس لئے مکروہات مضرات کے قریب قریب جاتی ہیں چنانچہ کسی نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ اپنے جسم کی تقویت کا سامان نہیں کرتے حالانکہ وہ بہت کمزور ہو چکا ہے اس نے جواب دیا اس لئے کہ بدن سریع الانبساط ہے اور جلد حد سے گذر جاتا ہے تو میں ٹپتا ہوں کہ یہ سرکش ہو کر مجھے ہلاک نہ کر ڈالے اور مجھے یا مرنے پر آمادہ ہے کہ اُسے تکلیف میں ڈالوں بہ نسبت اس کے کہ یہ مجھے فوجش کے از بحاب پر مائل کرے۔

اب رہی غذا کی مناسب مقدار۔ نوٹس لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دو حدیثوں میں فرمایا ہے۔ فرمانِ اول حسب ابن آدم لقیات یقیم صلبہ فان کان لا بد فتلث للطعام وثلث للشرب اب وثلث للنفس ابن آدم کے لئے صرف چند لقمے اس کے قوی کے قائم رکھنے کو کافی ہیں۔ اگر کُسمے ضرور ہی زیادہ کھانا ہو تو مہرے کی ایک تہائی روٹی کے لئے ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی

سائنس کے لئے ہونی چاہئے۔ لقموں کی تعداد دس سے کم ہونی چاہئے۔ یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں ملتی ہے جس میں فرمایا المؤمن یا کل فی معی واحد والمنافی یا کل فی سبعة معام مومن ایک انت کھانا کھاتا ہے اور منافق سات انتوں کو کپڑ کرتا ہے اس سے پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ پیٹ کا ساتواں حصہ پُر کیا جائے، پھر اگر خواہش زیادہ ہو تو تیسرا حصہ +

میری رائے ہے کہ اکثر لوگوں کے بائے میں تیسرا حصہ ہی درست ہے، لیکن یہ بات مختلف اشخاص کے ساتھ مختلف ہے +

مختصر یہ ہے کہ پیٹ بھر کر نہ کھانا چاہئے تاکہ بدن رات کی عبادت اور تہجد کے لئے ہلکا پھلکا رہے۔ اور شہوات کی جانب مائل نہ کرنے والی قوتیں ضعیف ہو جائیں +

حرام سے مراد ہے ان غذاؤں کا کھانا جو اللہ عز و جل نے حرام کر دی ہیں۔ ان میں مال فیہ اور خمرات شامل ہیں۔ ان میں بدترین منشیات کا استعمال ہے کیونکہ خدا کے شکر ہی اور ولی یعنی عقل کے ازالہ اور شیطان کے لشکریوں اور دوستوں یعنی شہوات اور قوائے حیوانیہ کے غلبہ کے لئے سب سے بڑے بڑے منشیات ہی ہیں۔ غذاؤں کے متعلق یہ محمل احکام ہیں +

کوئی شخص شاہراہ سعادت پر گامزن ہونے کا خیال بھی دل میں نہ لائے جب تک مطوٹا کی مقدار اور ان کی حلت کے اسباب کی نگہداشت کی قابلیت نہ پیدا کر لے کیونکہ معدہ ہی تو تمام قوتوں کا منبع اور مخزن ہے۔ اور گویا یہی دروازہ ہے اور یہی کلید ہر قسم کے خیر و شر کی، یہی وجہ ہے کہ شریعت میں روزے کی بہت عظمت آئی ہے کہ یہ خاص طور سے اعتدائے النبی کو مندوب کرنے کی طرف توجہ کرتا ہے۔ چنانچہ روایت ہے ان الصوم لی وانا الی اجزی بے خدا اتنا لائے فرماتا ہے روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دیتا ہوں اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث اس کے متعلق وارد ہوئی ہیں +

پسندیدہ اور محمود مقدار غذا وہ ہے جو انسان کی زندگی اور قوت برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہو۔ بحاج نوع انسانی کی بقا و تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ جیسے غذا ہستی کی بقا کے لئے موت تک لازمی ہے +

جس طرح شہوات اس لئے پھپھکی گئی ہے کہ ضیعت کو وطمی کرنے کے لئے

بھلائے تاکہ بقائے نسل کی صورت پیدا ہو۔ اسی طرح بھوک کو خدا نے اس لئے بنایا کہ کھانے کی رغبت پیدا کر کے بقائے شخصیت کا موجب بنے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **تأكلوا تناسلوا** (تکھو، تاکھو) (افانی مباحہ بکھلا، مسمک کھ کرو) اولاد پیدا کرو تاکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری شان بڑھے، تو جس شخص کے پیش نظر نکاح سے دو مقاصد ہوں (اول اکثریت مباحات اور اولاد صالح کے حصول کے لئے) جو بعد میں دعائے مغفرت سے یاد کر کے نسل پیدا کرنا دوم بطبیعت میں سے فتنہ منی دور کرنا جو اگر جمع ہو جائے تو فحشی سی پیدا کر دیتی ہے اور خون جب اجتماع پکڑ جائے تو جسم کو اپنی کثرت کے باعث امراض کے لئے اثر پذیر کر دیتا ہے اور فسق و فجور کی طرف بطبیعت کو مائل کر کے دین کو خراب، تو نکاح اس طریقہ پر محمود و پسندیدہ ہے۔ **درستون اول** اس حدیث کے ماتحت آتا ہے۔ **من احب فطرته فليست من بسنتي** جو شخص میرے دین کو محبوب رکھتا ہے، اُسے میری سنت پر عمل پیرا ہونا چاہئے، اور جس نے نکاح کر لیا اُس نے اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیا۔ اس کے علاوہ تیسری غرض کا مد نظر ہونا بھی معیوب نہیں یعنی گھر میں کوئی ایسی ہستی موجود ہو جو اس کے گھر کا انتظام کرے تاکہ علم و عبادت کے لئے اُسے فراغ تمام حاصل ہو۔ اس صورت میں نکاح افضل عبادات ہے کیونکہ اعمال نیتوں پر منحصر ہیں اس کی علامت یہ ہے کہ بیوی کا حسن و جمال اس لئے مطلوب ہو کہ پرہیزگاری اور کیسوٹی پیدا ہو۔ حسن اخلاق تدبیر منزل کے لئے پیکار مانی کے لئے ایمان واری اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **عليك بذات الدين تربت يداك** (دایا کمر و خضرا، الدین من پھر فرمایا) **تخديو والنطفه** (کھری بیوی کی صحت بدنی اور بائخ نہ ہونا اس لئے پیش نظر ہو کہ اولاد پیدا ہو) اور یہی بیان کا مقصد ہے۔ اسی لئے عدل اور عورت سے پیٹھ کی طرف سے مباشرت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اولاد پیدا کرنے کے خلاف ہیں۔ اور عورتیں مردوں کی کھینچیاں ہیں، دو شیرازی اور کنوار پن کے مطالبہ اور آرزو میں بھی کوئی حرج نہیں، اور اگر استیحا کام محبت مقصود ہے تو شریعت نے اُس کی رغبت دلائی ہے نکاح کے بارے میں مکروہ بات یہ ہے کہ صرف تمتع اور قضائے شہوت مد نظر ہو۔ پھر اُن اس میں غرق ہو جائے اور ہمیشہ اسی دہن میں لگا رہے بعض اوقات ایسی غذایں کھائے جو ازو یا شہوت کا موجب ہوں۔ یہ شرعاً مضر ہیں، لیکن فی نفسہ مکروہ نہیں اور مباح ہیں،

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اس طرح طبیعت اتباع ہوئی کے باعث خدا سے پھر جاتی ہے اور انسان میں گدھوں اور سیلوں سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔

مقوی غذاؤں اور دوسرے جوش آور طریقوں سے شہوت کو برا نگینہ کرنا دروغ اور خطرناک چار پائیوں کو بھڑکانے اور غصہ دلانے پھر اُن سے رہائی کے لئے آمادہ ہونے کے برابر ہے محرمات دو طرح پر ہیں۔

(اول) کہ نقصانے شہوت مقام پیدا میں کی جائے لیکن بغیر عقد شرعی کے، اور بغیر اجازت کے۔ اس کو زنا کہتے ہیں۔ یہ شرک کے قریب ہے چنانچہ قرآن پاک میں ہے النانی لا ینکحہ الا نسائیہ او مشرکۃ زانی مرو زانی اور مشرکۃ عورت کے ساتھ ہی نکاح کرتا ہے۔

(دوم) خلاف وضع فطری عمل کرنا۔ یہ زنا سے بھی زیادہ برا اور فحش ہے۔ کیونکہ زانی منی تو ضائع نہیں کرتا صرف اُسے ناجائز طور پر استعمال کرتا ہے۔ لیکن یہ اس گناہِ قہر شے کو برباد کرتا ہے اور خلاف شریعت امر کا ارتکاب بھی کرتا ہے۔ ایسے شخص کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کے بانی فرمایا ویہلک الحسد والنسل کھیتی اور نسل کو ہلاک کرتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام اسراف رکھا گیا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا انکم لتاتون الرجال شہوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے خلاف وضع فطری کرتے ہو، تم تو صرف لوگ ہو ایٹھ مگاہ کی شہوت کے متعلق لوگوں کے مراتب ہیں۔

بعض اوقات بے راہ روی عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، یہ عین حماقت اور انتہائی جہالت ہے۔ یہ بہانہ کی حد سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اپنے محبوب کے متعلق یہ خواہش ہوتی ہے کہ میں اس کا مالک ہو جاؤں اور صرف اپنے لئے خاص کر لوں کیونکہ عاشق شہوتِ جماع کے ارادہ پر ہی قناعت نہیں کرتا، یہ سب سے قبیح شہوت ہے اور سب سے زیادہ سخت ہے۔ اس میں شرم و لحاظ اٹھ جاتا ہے اس کو بھی دھن لگ جاتی ہے کہ میں اپنی خواہشات کو صرف ایک ہی ہستی سے پورا کروں گا اس کے برخلاف حیوانوں میں یہ ہوتا ہے کہ جہاں اتفاق ہو گیا شہوت کو پورا کر لیا، لیکن عاشق کی یہ حالت ہے کہ جب تک اسے معقوقہ نہ ملے اس کی خواہشات پوری نہیں ہوتیں ہاتھ تک

ذلت پر ذلت سہمنا ہے۔ باریں کھاتا ہے غلامیاں کرتا ہے عشق میں عقل شہوت کی خدمت کے لئے سخر ہو جاتی ہے حالانکہ انسان تو آمر اور صلاعی پیدا کیا گیا تھا نہ اس لئے کہ شہوت کا غلام بن جائے اور اس کے احکام کی پیروی میں ہر قسم کا مکرو فریب استعمال کر لے۔ آہ یہ ایک ایسا مرض ہے جس میں غیرت باقی نہیں رہتی۔ اس سے شروع میں ہی بچنا چاہئے اور اس کا طریق یہ ہے کہ نظر و فکر کو بے محابا ہونے سے بچایا جائے۔ درنہ استحکام کے بعد اس کا دفعیہ سخت مشکل ہو جائیگا۔ یہی حال عشق جاہ و مرتبت اور حسب مال و زمین اور محبت اولاد کا ہے۔ یہاں تک کہ مرغبازی، نرد، اور شرطیج کا شوق بھی اسی ذیل میں آتا ہے کیونکہ یہ تمام باتیں جن لوگوں پرستولی ہو جاتی ہیں۔ وہ دین دنیا دونوں سے گذر جاتے ہیں۔ ابتدا ہی میں کسی بری خصلت کو روک لینا ایسا ہی ہے جیسے اپنے گھوڑے کی نکلن کے دروانے میں داخل ہونے سے قبل ہی لگام پھیر لینا۔ اس وقت اس کو روک لینا اور لگام پھیرنا نہایت سہل ہوتا ہے۔ اس کے استحکام کے بعد اس کے علاج کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سوار گھوڑے کو دروازے میں داخل ہونے دے۔ پھر اس کی دم پکڑ کر باہر کو کھینچے۔ اس لئے ابتدا ہی میں احتیاط کرنی چاہئے رہا بعد میں دو اگر نا تو اکثر حالتوں میں سخت جدوجہد کے بعد اگرچہ علاج کیا جاسکتا ہے لیکن یہ روح سے طائی کرنے کے برابر ہے +

اب افعال غضب کی بھی تین قسمیں ہیں، محمود، مکروہ اور مخلور یعنی حرام۔ ان میں سے محمود و طرح کے ہوتے ہیں۔

اول، غیرت اس کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص کسی آدمی کی آبرو پر حملہ آور ہو۔ تو وہ اس کی مدافعت کے لئے صف آرا ہوتا ہے۔ اس وقت اسے غصہ آتا ہے۔ یہ مدافعت پسندیدہ ہے اور ایسے مواقع پر غیرت نہ آنا نامردی ہے۔ اور ہوجوڑا بن۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ان سعداً لغیور سہا ان اللہ اغیر من سعد غیرت مند ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیرت کا مادہ انسانوں میں حفظ انساب کے لئے ولیعت کر دیا ہے کیونکہ اگر لوگ مزاحمت یا مساحت اختیار کرتے، تو انساب متخلط ہو جاتے۔ چنانچہ اسی کے متعلق مقولہ ہے کہ ہر ایک قوم میں غیرت مڑوں میں رکھی گئی ہے

اور پاکہ منی عورتوں میں +

(دوم) مناکر و فواحش مشاہدہ کرنے پر دینی حمیت سے مجبور ہو کر اور انتقام لینے کے لئے غضبناک ہونا۔ ان لوگوں کی لسان الہی نے بہت تعریف کی ہے کیونکہ وہ اشدائے علی الکفاس اور ساحماء بدینہ حمیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یوں فرمایا خیر امتی احداؤہا میری امت کے بہتوں لوگ وہ ہیں جن میں حدت بہت زیادہ ہے۔ یہاں حدت سے مراد حمیت دینی ہے۔ اور ارشاد خداوندی ہے ولا تاخذنکم دہاسا افتت فی دین اللہ۔ اللہ کے دین کے باسے میں ان سے نرمی نہ کرو مع خدا جب بادشاہ کسی گنہگار کے جرم پر غضبناک ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے غصہ کو ضبط کرے۔ اور مجرم کو سزا نہ دے جب تک اس کے باسے میں نظر ثانی نہ کئے سبب یہ ہے کہ غصہ ایک بھوت ہے جو انسان کی عقل کا دشمن ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان غصہ میں آکر انتقام لینے میں حد واجب سے تجاوز کر جاتا ہے غصہ کی مکر وہ صورت وہ ہے جب انسان اپنے ذاتی ذائد و لذائذ کے ضائع ہونے پر آپسے سے باہر ہو جاتا ہے جیسے لوکر اور غلام پر کوئی رتن بھانڈا توڑ دینے پر خفا ہونا۔ یا اپنے خادم کی خدمت کرنے میں تغافل آمیز کوتاہی پر جس سے وہ محتر ز رہ سکتا تھا ناراض ہونا۔ یہ غصہ وری مذموم کی حد سے تجاوز نہیں لیکن ایسے معاملات ہیں عفو اور درگزر اولیٰ اور زیادہ محبوب ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ کسی دانا ستے کسی نے کہا، اپنے غلام سے جب وہ تمہاری خدمت کرنے میں کوتاہی کرتے تو درگزر نہ کیا کرو کیونکہ اس سے وہ خراب اور ناکار ہو جائے گا اس نے جواب دیا۔ اگر میرا خادم میری ذات کے آرام میں خراب ہو گیا، تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میری طبیعت غلام کی اصلاح میں بگڑ جائے کیونکہ غلام کی کوتاہیوں اور گستاخیوں کو برداشت کرنا میری روح کی اصلاح ہے اور سزا دینے میں غلام کی بہتری ہے +

غصہ میں مذموم صورت وہ ہے جب غر تکبر مباحات۔ منافست اکینہ حسد اور وہ باتیں جو حظوظ بدنہ سے متعلق ہوں انسان کو جامے سے باہر کر دیں، اور اس نارنگی و غمگی اور سزا دینے میں دین و دنیا کے مستقبل کا کوئی فائدہ مد نظر نہ ہو۔ اس قسم کا غصہ اکثر لوگوں پر غالب ہے۔ یہ حلم و تحلم کے خضائل کی ضد ہے۔ حلم سے مراد ہیجان غضب سے طبیعت کو روکنا، اور تحلم کے معنی ہیں خواہشات کے جوش و تھام لینا

حسن اخلاق کا کمال علم میں ہے لیکن تخلم یعنی مکرویات سے باز رہنا بھی بہت سی نیکیوں کا سرمایہ و دار ہے۔ یہ ہیں افعال غضب کے مراتب +

غصے کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف مراتب ہیں بعض گھاس پھوس کی مانند ہیں۔ جلدی بھڑک اٹھنے والے اور جلدی بکھ جانے والے۔ بعض دیر سے جلتے ہیں دیر سے بجھتے ہیں بعض کو دیر سے آگ لگتی ہے اور جلدی بکھ جاتی ہے اور یہ صورت اچھی ہے۔ بشرطیکہ حمیت وغیرت کے قصور تک نوبت نہ پہنچے +

غصے کے اسباب۔ مزاج کے لحاظ سے حرارت اور ہیوست پر منحصر ہیں غضب کی تعریف ان پر دلالت کرتی ہے کہ چونکہ غصہ کے معنی ہیں دل کے خون کا کھولنا اگر انتقام اختیار سے باہر ہو تو خون جمع ہو کر دل کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سے حزن و دلال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے چہرہ زرد ہو جاتا ہے۔ اگر غصہ ایسے شخص پر آئے جو کمزور ہے تو دل کا خون گردش میں آ جاتا ہے اس سے غضب حقیقی اور جذبہ انتقام پیدا ہوتا ہے۔ اگر برابر کے آدمی پریش آئے تو اس سے خون میں ایک ترد و سپا پیدا ہوتا ہے کبھی انقباض اور کبھی انبساط، اس سے چہرے کی رنگت میں تغیر پیدا ہوتا ہے کبھی سُرخ پھر زرد۔ اور کبھی مضطرب، غرض قوت غضب کا عمل دل ہے۔ اور اس کے معنی خون کی حرکت اور کھولنا ہے +

غصہ دیکھا دیکھی پر منحصر ہے چنانچہ جو شخص غصہ درمی اور لڑاکا بن میں ڈینگ لائے والے اور درناہ مزاج لوگوں کی صحبت میں بیٹھیں گے، اس میں وہی خصالتیں نقش ہو جائیں گی + اور جو شخص متین اور پُر وقار لوگوں کی مجلس اختیار کرے گا۔ اس میں یہی عادتیں پیدا ہو جائیں گی +

اب رہا یہ سوال کہ غصہ قوت سے فعل کی صورت کیسے اختیار کرتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا باعث نخوت۔ افتخار۔ دکھاوا۔ لمجاہت۔ نخول۔ لاف زنی بہتہ زار علم و تہم اور تنافس و محاسد و خواہش انتقام کی طلب ہیں۔ اور یہ سب مذموم ہیں + جس شخص پر غصے کا بھوت سوار ہو جائے اُسے چاہئے کہ وہ کسی حکیم کا قول یاد کر لے جو اُس نے کسی بادشاہ سے کہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے غصہ دُور کرنے کی ترکیب پوچھی حکیم نے جواب دیا۔ آپ کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ

آپ مطاع ہی نہیں ہیں مطیع بھی ہیں
 آپ صرف مخدوم ہی نہیں ہیں خادم بھی ہیں۔ آپ کو برداشت بھی کرنا ہے صرف مغلوب
 الغضب ہی نہیں ہونا۔ اور یہ کہ اللہ آپ کو ہر وقت دیکھ رہا ہے +
 غضب کی کئی فروع ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ازاں جملہ شجاعت۔ تہور نفسانیت
 غبطہ حسد۔ جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن ہم ان کی مزید تشریح کرتے ہیں۔
 شجاعت یہ تہور اور جن کے درمیان پیدا کی گئی ہے۔ اس سے خطرات کی وقت
 دل کی دلیری و جاہدگستی اور ہولناکیوں کے وقت اپنی نگہبانی میں استعدادی اور حسب موقع
 میدان میں قدم بڑھانا مراد ہے +

یہ غصے اور حسن ال سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ انسان شدائد و ممالک کا
 مقابلہ کرتا ہے، نہیں بلکہ معاصی سے باز رہتا ہے۔ کیونکہ غصہ جب خواہشات پر غالب آجائے
 تو انہیں توڑ دیتا ہے، اب چونکہ دین کی ایک سمت رغبت خیر ہے اور دوسری ترک شر؛
 چنانچہ فرمان نبوت ہے۔ الصبر نصف ایمان صبر نصف ایمان ہے اس لئے
 بعض خرابیاں شرمگاہ اور شکم کی خواہشات سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور بعض ان دونوں کے
 علاوہ باتوں سے۔ پھر فرمایا روزہ نصف صبر ہے اور صبر دو طرح پر ہیں۔ اول صبر جی جس سے
 انسان کا جسم مشتتیں برداشت کرتا ہے۔ بجا فاضل کے جیسے اعمال شاقہ یا انفعالی طور پر جیسے
 ضرب شدید اور مرض عظیم کو برداشت کرنا +

عمودِ قائم قسم ثانی یعنی صبر نفس ہے۔ اگر مشتتات کے حاصل کرنے سے صبر ہو تو اُسے
 عفت کہیں گے اگر مکروہات کے متعلق ہو تو مکروہات کے اختلاف کے جہارت سے نام بھی
 مختلف ہونگے اگر کسی مصیبت کے بارے میں ہو تو صرف صبر کہیں گے۔ اس کی ضد جزع و
 فزع ہے۔ اگر احتمالِ غنا میں ہو تو ضبط نفس نام ہوگا۔ اس کی ضد سبک مزاجی ہے اگر
 میدانِ جنگ میں ہو تو شجاعت اس کی ضد بزدلی یا صبر ہے۔ اگر غصہ فرو کر لینے میں ہو
 تو حلم ہوگا اور اس کی متضاد فصلت انتقام پسندی ہوگی کسی اندوہناک مصیبت کی
 صورت میں صبر کو حوصلہ مندی کہیں گے، اس کی متضاد فصلت تنگدلی اندوہگینی، اور
 کم ظرفی ہے۔ اگر اخفائے کلام کے متعلق ہو تو رازداری کہیں گے، اگر عیش و عشرت سے باز رہنے
 کے متعلق ہوگا تو زہد و قناعت کا نام پائیگا۔ اس کی ضد حرص اور بوالہوسی ہوگی۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا الصّابرون فی البأساء مصیبت میں صبر کرنے والے والصّبراء
نقر میں وحین البأس اور جنگ میں اولئک الذین صدقوا واولئک ہم
المتقون، یہی لوگ صادق الایمان اور متقی ہیں۔ غبطہ منافست اور حسد بھی شافیں ہیں
غبطہ پسندیدہ ہے اور حسد مذموم، فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے المؤمن یغبط و
المنافق یحسد مؤمن رشک کرتا ہے اور منافق حسد،

منافست پسندیدہ بات ہے چنانچہ ارشاد الہی ہے وفی ذالک فلیتنافس
المتنافسون ازبائے میں رغبت کرنے والوں کو رغبت کرنی چاہئے، غبطہ سے مراد انسان
کی وہ متنا ہے جس میں یہ خواہش ہو کہ جو چیز دوسروں کو مل چکی ہے مجھے بھی مل جائے بغیر اس
آرزو کے کہ دوسروں سے وہ نعمت منقطع ہو۔ اور جب اس رشک کے ساتھ اس کے
حصول کی کوشش اور تنگ و دو بھی شامل ہو جائے تو اُسے منافست کہیں گے۔ +

حسد متنا ہے زوالِ نعمت و جہاں کی تہمتی لوگوں سے بعض اوقات اس کے ساتھ
کوشش بھی شامل ہوتی ہے۔ بدترین حسد وہ ہے جس میں کسی کی نعمت کے ازالہ کی سعی
تو ہمراہ ہو، مگر اپنے لئے اس کی طلب کی خواہش نہ ہو،

حسد انتہائے بغل ہے کیونکہ بغل اپنے مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے سے گریز
کرتا ہے۔ اور حاسد اللہ کے مال کو دوسروں پر مبذول ہونے سے بغل کرتا ہے۔ +
کہتے ہیں حسد اور حرص گناہ کی دو بنیادیں ہیں آدم و ابلیس کا واقعہ ان کی
بہترین مثال ہے۔ ابلیس لعین حسد کے باعث مردود و ملعون ہو گیا۔ اور آدم علیہ السلام
شجرہ ممنوعہ کی حرص میں جنت سے نکلے۔ یہ دو درخت ہیں جن کا پھل غموم و ہجوم اور
خراب ہیں اور جس شخص نے ان کی جڑ کاٹ ڈالی۔ وہ نجات پا گیا بغرض یہ ہے کہ حسد
عین حماقت ہے کیونکہ جو شخص غیر ملک والوں کو بھلائی پہنچنے پر رضامند نہیں ہے۔ باوجود
اس کے کہ اُسے وہ بھلائی ملنے والی نہیں۔ تو پھر وہ کس طرح اپنے قبیلے والوں کو
پڑوسی اور اہل شہر کو بھلائی ملنے پر خوش ہوگا۔ بعض اوقات اس میں سے اُسے کچھ
حصہ بھی مل جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا حسد الا فی

لے اس تفسیر میں ایک گہرا راز مخفی ہے۔ جسے صرف صحیح عقل اور انکارِ عالیہ کے مالک ہی سمجھ
سکتے ہیں۔

اِذْنِیْن، سِرْجِل اِتَاہ اللہ مالا فِیْعِلْہ فی حق و سِرْجِل اِتَاہ اللہ حَکْمَہ فہو یَقْضِیْ ہما۔ دو آدمیوں کی حالت کا حسد کرنا جائز ہے۔ اول اس شخص کا جس کو اللہ نے مال، دیا پھر اُسے وہ ٹھیک استعمال کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے حکمت دی اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اس حدیث میں حسد سے مراد غبطہ یعنی رشک ہے۔ یہ ہے انتہائی کلام ان صفات کو پیدا کرنے کے متعلق۔ اب اگر تم پوچھو کہ جو شخص ان قوتوں کے افعال کو اپنی طبیعت میں ضبط کرے، یہاں تک ان افعال کے ذریعہ اس کی طبیعت میں ایسے اخلاق راسخ پیدا ہو جائیں جن سے یہ افعال آسان اور سہل جائیں تو کیا وہ صاحبِ عفت بھی ہو جائیگا۔ تو جواب یہ ہے کہ عفت اپنے کمال کو نہیں پہنچتی جب تک ہتھ زبانی کان اور آنکھ کی پاکدامنی شامل نہ ہو۔ زبان کی حد عفت لغو گفتگو، غیبت، چغلی اور غیبت، جھوٹ، بہتان اور نام دھرنے سے پرہیز کامل ہے۔ کان کی عفت زبان کی تمام بری باتوں کے سننے کو ترک کرنا۔ مثلاً غیبت، حرام آوازیں، سنا وغیرہ یہی حال دوسرے قوائیہ و جوارح کا ہے۔ اور تمام جوارح کی عفت کا پتھر یہ ہے کہ انسان ان جوارح اور قوی کو عقل اور شرع کے ایسا ماتحت کرے کہ وہ اپنے خواص کو صرف وہاں اور اس حد تک استعمال کریں جہاں تک عقل و شرع انہیں اجازت دے۔ اس کے بعد بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی جب تک فضائل کے حصول، تقرب الی اللہ کی طلب اور اس کی رضامندی کی تلاش میں اقدام و احجام کا ارادہ انسان کے دل میں نہ ہو۔ اگر اس کی عفت سے مقصود ہے زیادہ چیز کا انتظار کرنا۔ کیونکہ موجودہ اس کے موافق مزاج نہیں۔ یا شہوت کا بجھانا۔ یا انجام کا خوف جیسے عزت و اقبال کا زوال۔ یا اس لئے کہ کوئی بات ممنوع ہے۔ تو یہ عفت نہیں بلکہ تجارت ہے اور ایک لذت کچھ کٹو دوسری لذت کو چھوڑ دینے کے مراد ہے یہ تمام باتیں تحصیلِ عفت کے لئے ناکافی ہیں، اور انسان کو یہ باتیں خوب سمجھ رکھی چاہئیں اس کے بعد اب ہم تعلیم و تعلم اور تہذیب و تہذیب کی تعلیم کی تعریف بیان کریں گے۔

فصل

عقل علم اور تعلیم کی بزرگی

ادھر کے بیان سے تم جان چکے کہ علم و عمل دونوں سعادت کے وسائل ہیں عمل علم کی عملی کیفیت کے بغیر متصور نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ جو علم عملی نہیں ہے مثلاً علم خدا۔ خدا کی صفات اور خدا کے فرشتوں کا علم۔ وہ مقصود بالذات ہے۔ تو اس سے استفادہ، یہ ہوا کہ علم اصل اصول ہے اس لئے اب ضروری ہوا کہ ہم طریقہ تعلیم و تعلم کی جانب تہاری رہنمائی کریں اور سب سے پہلے ان امور کی شرف و بزرگی مدلل طور پر تمہارے ذہن نشین کر دیں *

تعلیم شریف ترین فن ہے اور فنون تین قسموں پر منقسم ہیں۔ اول اصولی جن کے بغیر قوم عالم ناممکن ہے اور وہ چار ہیں۔ زراعت، حیاکت، سیاست، عمارت، ان میں سے ہر ایک کا مددگار اور مدد ایک ایک فن ہے، جیسے لوہار کا کام زراعت کے لئے حلاجت اور سون کا تنا سحاکت یعنی لباس سازی کے واسطے، پھر ان میں سے ہر ایک کی تکمیل کرنے اور زینت دینے والے مزید فن ہیں۔ مثلاً آسبیہ سازی اور طباطخی زراعت کے لئے اور قصارت اور خیاطت پارچہ بافی کے لئے۔ یہ تمام باتیں قوام عالم ارضی کے ساتھ منسوب ہیں۔ جیسے کسی شخص کے اعضاء اس کے جسم کے ساتھ، اس نسبت کی تین انواع ہیں، اول اصولی۔ جیسے دل جگر اور دماغ دوم ان اعضائے رئیسہ کی شاخیں اور خدمت گزار جیسے معدہ، عروق، شریانیں، اور سوم ان کی تکمیل و تزئین کرنے والی جیسے ابرو اور پلکیں *

فنون میں بزرگترین سیاسیات ہے کیونکہ اس کے بغیر نظام عالم کا قیام ناممکن ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں اول سیاست انبیاء ان کا حکم خاص و عام پر ظاہر و باطن میں

لحم زراعت۔ غذا کے لئے، حیاکت۔ پوشش کے لئے، عمارت سکونت کے لئے، سیاست امن کے لئے *

راج ہے +

(دوم) خلفا اور ولایت و سلاطین، ان کی حکومت خاص و عام پر ہے لیکن صرف ان کا ظاہر ان کے اختیار میں باطن پر ان کا کوئی بس نہیں چلتا +

رسوم، علماء اور حکماء، ان کا راج فقط خواص کے باطن پر ہے +

(چہارم) واعظین، اور فقہاء۔ ان کی حکومت صرف عوام کے باطن پر ہے +

ان چاروں سیاستوں میں سے نبوت کے بعد افادہ علم اور لوگوں کی تہذیب نفوس اشرف ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کسی فن کی بزرگی، اس نسبت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو اسے کسی زبردست قوت کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے علم حکمت کو علم زبانہ فی پر شرف حاصل ہوتا ہے کیونکہ اول الذکر قوت عقلیہ سے متعلق ہے جو سب قوتوں میں افضل ہے۔ اور موخر الذکر قوت حسیہ سے متعلق ہے یعنی سماعت سے یا عموم النفع ہو۔ نہ کے لحاظ سے، جیسے زراعت کی بزرگی صیانت پر یا اس موضوع کے معمولات کے اعتبار سے۔ جیسے صیانت کی بزرگی دباغت پر +

محقق نہ رہے کہ علوم عقلیہ عقل کے ذریعہ سے حاصل ہوتے ہیں جو سب قوتوں میں افضل ہے۔ اور اسی کے ذریعہ جنت مادی میں پہنچا جاتا ہے۔ بلحاظ نفع اور عموم نفع اور موضوع کے اعتبار سے جس کے مطابق نفوس انسانی عمل کرتے ہیں۔ یہ سب سے افضل ہے بلکہ ان تمام موضوعات سے جو اس دنیا میں موجود ہیں اسے شرف و جد حاصل ہے +

افادہ علم ایک لحاظ سے فن ہے ایک لحاظ سے عبادت الہی اور ایک اعتبار سے خلافت الہی اور یہ سب سے بڑی خلافت ہے کیونکہ خدا تعالیٰ نے عالم کے دل پر علم کا دروازہ کھولا ہے جو صفات ربی میں خاص وصف ہے علم کو یا خدا کا سب سے پاکیزہ اور نفیس خزانہ ہے۔ پھر عالم کو اس خزانہ کو ہر محتاج پر خرچ کرنے کا بھی پورا اذن ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر اور کون رتبہ ہے۔ کہ بندہ اپنے رب اور اس کی مخلوق کے درمیان ایک وسیلہ بن جائے جس کے ذریعہ سے وہ لوگ خدا کا تقرب حاصل کریں اور وہ جنت مادی کی طرف انہیں اپنی رہنمائی میں لے چلے علم عمل کی بزرگی و بزرگی اسی قدر حاصل ہو سکتی ہے جس قدر عقل اور شریعت و احساس کو ضرورت ہو۔ شریعت کہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے عقل کو پیدا

کیا، تو اسے کہا، اگے آ، وہ آگے آئی پھر کہا، پیچھے ہٹ وہ پیچھے مٹی، پھر فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے میں نے کوئی شے پیدا نہیں کی جو مجھے تجھ سے زیادہ عزیز ہو، میں تیرے ذریعہ کو نگا تیرے وسیلے سے دوں گا۔ تیرے ساتھ رحم کروں گا اور تیرے ذریعہ سے عذاب دوں گا۔ عقل ہی تو ہے جس کے ساتھ انسان ان اشیاء کا اور اک کرتا ہے جو عقل اول سے جا رہی ہوتی ہیں، جس کو اللہ نے پیدا کیا جیسے فنی سوچ سے پیدا ہوتی ہے۔ تمام عقلیں اشخاص کی نسبت سے عقلیں ہیں۔ اور عقل مطلق ہے، بغیر کسی اضافت کے عقل کی بزرگی کی عقلی دلیل یہ ہے کہ جب سعادت نبوی و سعادت اخروی اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ تو پھر وہ کیسے اشرف الاشیاء نہ ہو عقل کے باعث سے ہی انسان فلیقۃ اللہ ہوا۔ اسی کے ساتھ اس کا دین کامل ہوا۔ اور اسی کے ذریعہ سے وہ اللہ کا مقرب ہوا۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ لا دین لمن لا عقل لہ، اس شخص کا دین ہی نہیں جس کے عقل نہیں۔ نیز لا یجبکم اسلام احبائی حتی تعارفوا عقلاً کسی شخص کے اسلام پر مجب نہ ہو جاؤ جب تک اس کی عقل کی پہچان نہ کر لو۔

عقل کی برتری کے لئے یہی بات بس کرتی ہے کہ اللہ نے اُسے نور سے تشبیہ دی اور فرمایا اللہ نور السموات والارض اللہ زمین و آسمان کا نور ہے۔ یعنی ان کو منور کرنے والا ہے۔ قرآن حکیم میں اکثر نور و ظلمات کا اطلاق علم و جمال پر ہوا ہے، جیسے فرمایا اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمات الی النور۔ اللہ مومنوں کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور میں لے جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ عقل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اذا تقہب الناس لیا تقہم بالواب البر فمقہبہا

۱۔ عقل اول نور ہے۔ جو کل کائنات پر فانی ہے۔ یہ روح کل ہے اور اہل معرفت اسے قلب عالم اکبر کہتے ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم یعنی رسول اور شریعت کے ذریعہ میں کو کامل کر دیا۔

۳۔ کیونکہ خدا اسی کے ذریعہ سے اور سرور ملکوت السموات والارض کو مکشف اور منور کرتا ہے اور اللہ کے نور ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نور روشن کا خالق ہے۔

انت بعقلک، تتنعم، بالدرجات والنالفی عند الناس فی الدنیا وعند اللہ فی الآخرۃ۔ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے قرب الہی حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے خدا کے قریب جاؤ۔ تمہیں درجات منازل سے سرفراز کیا جائیگا، لوگوں کے نزدیک دنیا میں اور اللہ کے نزدیک آخرت میں +

اب ہم عقل کے ذریعہ سے تقرب کی وجہ کا بیان کرتے ہیں! اور مجھ و احساس ہی بتا دیتا ہے کہ علم اور عقل بزرگ ہیں۔ یہاں تک کہ بڑے بڑے حیوان شخصی طور پر اور ان کی قوتیں بدنی طور پر، جب انسان کو دیکھتی ہیں، تو اس کے رعب میں آجاتی ہیں! اور اُس کے خوف سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کیونکہ انہیں اس امر کا احساس ہے کہ وہ خلقی اور جبلی طور پر ان پر متولی ہے۔ انسانوں میں بہائم کے سب سے زیادہ قریب غیر مہذب عرب و ترک ہیں۔ اور ان بہائم کے راعی انہیں پیچھتے ہیں۔ اگر ان کے راعیوں میں کسی کے پاس عقل و درایت زیادہ ہو۔ اور فن و صنعت میں بڑھ کر ہو۔ تو اس کی طبعاً وہ عزت کریں گے۔ اسی لئے تم ترکوں کو دیکھتے ہو کہ طبعی طور پر اپنے شیوخ و امرا کی توقیر کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں کیونکہ تجربہ نے ان کو مزید علم کے ذریعہ سے امتیاز سے رکھا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق طور پر فرمایا۔ الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ امیر اپنی قوم میں ایسا ہی ہے جیسے نبی اپنی امت میں۔ نبی کا وقار اپنی امت میں علم و عقل کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے نہ اپنی شخصی قوت جس ظاہری اکثریت مال اور قوت و شوکت کے سبب سے چنانچہ بہت سے دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن جب انکی نگاہیں حضور پر پڑیں تو ان پر ایک مہبت طاری ہو گئی کیونکہ انہوں نے اللہ کا نور ان کے چہرے میں دیکھا جس سے معاذین کے سینے رعب و داب سے بھر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے علم کو روح کے نام سے بھی پکارا ہے فرمایا کن الذک او حیثا الیدک سروحا من امانا اُس کو زندگی کا نام بھی دیا او من کان میتا فاحییناہ اور حدیث میں ہے۔ ما خلق اللہ خلقا اکسہ من العقل۔ اللہ نے عقل سے بڑھ کر کوئی مخلوق زیادہ عزت والی پیدا نہیں کی۔ اگر غریب علم کے متعلق تمام احادیث و اجار کو جمع کیا جائے تو گفتگو بہت طویل ہو جائے۔ بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا بزرگی ہو سکتی ہے خود زبان نبوت فرما رہی ہے

ان الملائكة لتضع اجنتها الطالب العلم رضا بما يصنع فرشته طلب علم کی جدوجہد کے نیچے جوش رضا مندی میں پر بچھاتے ہیں *

فصل

شرف عقل کے اظہار کیلئے تعلیم ضروری ہے

یاد رکھو کہ عقل کو برتری اور فوقیت صرف اس لئے حاصل ہے کہ وہ علم و حکمت کا آلہ اور مظنہ ہے لیکن نفس انسانی معدن اور منبع ہے علم و حکمت کا اور وہ ان میں اول فطرت میں بحفاظت کے مرکوز ہے نہ باعتبار فعل کے جیسے آگ تھہریں۔ پانی زمین میں اور کھجور گٹھلی میں۔ اس کے نکالنے کے لئے فعل کی ضرورت ہے۔ جیسے پانی نکالنے کے لئے کوئیں کھودنا ضروری ہے۔ لیکن جس طرح پانی بغیر فعل بشری کے دستیاب نہیں ہوتا اور بعض پانی ایسے ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے بہت سی محنت اور مشقت برواشت کرنی پڑتی ہے اور بعض تک بہت تھوڑی تگ و دو سے رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لوگوں کے علم کی حیثیت ہے کہ بعض لوگوں کے لئے بغیر کسی انسان کے آگے زانوئے ادب نہ کرنے کے علم قوت سے فعل میں آجاتا ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کلام پر ملا اعلیٰ کی جہت سے بغیر کسی واسطہ بشری کے علوم کا انکشاف ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ہیں کہ تحصیل علم کے لئے انہیں دنیا جہان کی خاک چھانی اور دماغ کی ٹھیکریاں توڑنی پڑتی ہیں۔ جیسے عام لوگ خصوصاً غبی اور کند ذہن بڑھے جن کی عمریں غفلت خود فراموشی اور جہالت میں بڑی ہو گئی ہیں۔ اور انہوں نے ابتدائے عمر میں کسی استاد سے تعلیم حاصل نہیں کی، پھر بعض لوگ ایسے ہیں جنہیں علم کے حصول کے لئے بہت تھوڑی سی وجہد کرنی پڑتی ہے جیسے ذکی اور تیز ذہن بچے اللہ تعالیٰ انہیں حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ علوم نفوس انسانی میں مرکوز کر دئے گئے ہیں فرمایا و اذاخذ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذریبتهم واشهدهم علی انفسهم الست بدکم قالوا بلی خدا نے تمام بنی

آدم کی روحوں سے پوچھا گیا میں تمہارا رب نہیں، اسب نے جواب دیا کیوں نہیں ہیں ان روحوں کے اقرار کے معنی وہی ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے کہ یہ اقرار بمحاط قوت ان میں موجود تھا۔ نہ باعتبار زبانِ اعلان کے کیونکہ یہ قرار تو صرف چند روحوں سے ظہور کے وقت لیا گیا تھا اور اس قسم کا ایک اور ارشاد الہی ہے۔ وَلَئِنْ شَأْنُهُمْ مِنْ خَلْقِهِمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ اور اگر تم ان سے پوچھو تمہیں کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر تم ان کے حالات کا مطالعہ کرو۔ تو ان کی روحیں اس بات پر گواہی دیں گی پھر فرمایا فَنُفِثَ فِيهِمُ الذُّلَّةَ الَّتِي فُطِّرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ ہر ایک آدمی ایمان پر پیدا کیا گیا ہے اور اور انبیاء صرف توحید لے کر آئے ہیں اور اسی لئے اللہ نے فرمایا کہمولا لا اله الا الله چونکہ ایمان باللہ نفوس میں فطرتی طور پر مرکوز ہے، اس لئے انسانوں کی حسب ذیل اقسام ہیں :-

۱) جس نے فطرت سے روگردانی کی اور اسے بھول گیا، جیسے کفار۔
 ۲) جو ایک عرصہ کے لئے بھول گیا لیکن پھر اس نے یاد کر لیا۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گواہی کا حامل ہو۔ مگر غفلت کے باعث بھول گیا لیکن بعد میں اس نے یاد کر لی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَعَلَّكُمْ يَتَذَكَّرُونَ کاش وہ یاد کریں۔ وَلْيَذَكِّرْ لَوْ لَا الْبَابُ تَاكُ عَقْلُكُمْ لَوْ كُنْتُمْ يَادْكُرُونَ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِثْلَاقِ الذِّی وَالثَّقَلُ بِاللَّهِ الذِّی ان نِعْمَتُوهُ كُوَادْكُرُوا اور اس عہد کو جو تم نے باندھا تھا۔ وَلَقَدْ يَسِّرْنَا الْقَانَ لَلَّذِیْ فَهْلَ مِیْ مَدْكُ اہم نے قرآن کو ذکر کے لئے سہل کر دیا پھر کوئی ہے جو غور کرے۔ تَذَكَّرْ سے اکثر یہی بات عبارت ہے اور اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں کوئی عجیب بات نہیں بتدکر کی دو قسمیں ہیں :-

۱) اول، ایک صورت کو یاد کرنا جو عقل کے ذریعہ سے دل میں مرقم تھی پھر اس سے پوشیدہ ہو گئی۔

۲) دوم، جو صورت فطری طور پر انسان میں قرار پا چکی ہے اسے یاد کرنا۔ اسی لئے محققوں نے کہا ہے کہ تعلیم حاصل کرنے سے انسان کے اندر کوئی شے باہر سے کسی چکر

نہیں آجاتی، بلکہ ایک پردہ سا اٹھ جاتا ہے۔ جو فطرتی قابلیتوں پر پڑا ہوا تھا۔ جیسے زمین میں سے پانی نکالنا یا آئینے کو جلا دیکر اس میں صورت کا ظاہر ہونا۔
یہ ظاہری حقائق ہیں، جو عقل کی آنکھ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کے حلال کا نظارہ وہ شخص نہیں کر سکتا، جس کی کوتاہ فہمی ابتلائے عمر ہی میں اس پر غالب آچکی ہے۔

فصل عقل کی قسمیں

عقل کی دو قسمیں ہیں، فطری اور اکتسابی۔ اول الذکر قوت قبول علم کے لئے مستعد رہتی ہے۔ اور بچے میں اس کا وجود ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے کھلی میں گھسور کا، اکتسابی عقل استفادہ سے پیدا، اور علوم سے حاصل ہوتی ہے اور اس حیثیت سے کہ معلوم نہیں ہوتی جیسے صاحب تیز ہونے کے بعد فیہ علم حاصل کرنے کے علوم ضروریہ کا فیضان، بعض اوقات اس کا ادراک ہو جاتا ہے جیسے تعلیم۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عقل کی دو قسمیں کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے

۵۔ رایات العقل عقلین فمطبوع ومسموع

میری رائے میں عقل کی دو قسمیں ہیں مطبوع اور مسموع

ولا ینفع مسموع اذا لم یاف مطبوع

مسموع اگر مطبوع نہیں تو بے سود ہے۔

كما لا ینفع الشمس وضو العین ممنوع

جس طرح بے نور آنکھ کو سورج کی روشنی نفع نہیں دیتی

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی سب سے بزرگ مخلوق عقل ہے۔ دوم فرمان رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب لوگ نیکی کے ذریعہ سے جنت کا قرب حاصل کریں تو تم عقل کے وسیلے سے قریب ہو، اول قسم کی وہی صورت ہے جو جسم کے لئے بصارت کی ہے۔ دوسری قسم کی سورج کی روشنی کی سی

مثال ہے یعنی اگر آنکھ بے نور ہو تو روشنی اُسے فائدہ نہیں دیتی۔ اور روشنی کے بغیر بصارت بے سود ہے اسی طرح دیدہ باطن یعنی عقل چشم ظاہر سے اثرات ہے کیونکہ روح سوار ہے اور بدن گھوڑا۔ سوار کا اندھا ہونا گھوڑے کے اندھے ہونے سے بدتر ہے۔ لہٰذا تعالےٰ نے باطنی آنکھ کی تشبیہ ظاہری آنکھ سے دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ ماکذب الفؤاد ما سراخی دل نے جو کچھ دیکھا غلط نہیں دیکھا۔ اسی کے قبیل فرمایا نری امبراہیمہ ملکوت السموات والارض ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ملکوت السموات والارض دکھائے۔ اس کے خلاف حالت کو اندھے ہیں سے تعبیر کیا۔ اور فرمایا۔ فالنہا لا تعسی الا بصیر ولكن تعسی القلوب لاتی فی الصد ورا آنکھیں اندھی نہیں ہو جاتیں۔ بلکہ سینوں کے اندر کے دل بے نور ہو جاتے ہیں +

اور ارشاد ہوا ومن کان فی ہذا ماعنی فہو فی الاخرة اعمی واہمئل سبیلہ۔ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی نابینا اور گمراہ ہو گا + مختصر یہ کہ جس کو بصیرت حاصل نہیں اس کو دین سے تعلق نہیں۔ البتہ صرف ظاہر داری ہے۔ بلکہ محض خیال ہی خیال جس کی حقیقت کچھ نہیں چنانچہ علوم شرعی علوم عقلیہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ علوم تقلیدیہ کی مثال صحت کے لئے دواؤں کی سی ہے اور علوم شرعی کی مثال غذا کی سی۔ لعل را عقل باید۔

جو بعض روح دوا سے محروم ہو اُسے غذا میں نقصان دیتی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا فی قلوبہم عرجی ان کے دل بیمار ہیں کیونکہ وہ قرآن سے منفعات پائے نہیں ہوتے۔ تقلید اعمیٰ کرنے والا شخص جب امور شرعی کے متعلق غور و تأمل کرتا ہے تو اسے بعض باتیں متناقض معلوم ہوتی ہیں۔ اور اس کی نوعیت شخص کے فہم کے مطابق ہوتی ہے۔ پھر اپنے ضعف عقل اور کمزور طبعی کے باعث وہ غور و فکر کرنے سے گریز کرتا ہے چنانچہ تقلید کے ٹوٹنے کے خوف سے اس پر بے پرواہی سوار ہو جاتی ہے

اور ارشاد الہی ہے یصل بہ کثیر او یجہی بہ کثیر او ما یصل بہ الا القامقین معلق قرآن کے ذریعہ سے بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت لوگ گمراہ کرتا ہے۔ اور صرف ہر کار لوگ ہی گمراہ ہوتے ہیں یعنی وہ لوگ جو ظہرنا اعلیٰ اور سداً قلوبی سے خارج ہیں +

جب وہ سوچتا ہے تو متناقض باتیں اس کے سامنے آتی ہیں، اُس سے وہ متحیر ہو جاتا ہے اور اس کا یقین باطل ہو جاتا ہے، لیکن اگر وہ دیدہ دل واکر کے دیکھتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ متناقض کا کوئی موقع نہیں۔ اور ہر شے اپنے حسبِ موقع قائم ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک اندھا جو ایک مکان میں داخل ہوتا ہے۔ اور برتنوں سے ٹھوکریں کھا کے لوگوں سے کہتا ہے کہ تم کیسے بد تمیز ہو کہ برتنوں کو سر راہ رکھ رکھا ہے۔ انہیں اپنی اپنی جگہ پر کیوں نہیں رکھتے۔ تو اُسے جواب دیا جائیگا۔ مرد آدمی، برتن تو اپنی اپنی جگہ پر ہیں، لیکن قصور تمہاری مینائی کا ہے۔ یہ بیان ہے اس علم کا جو عقل سے مستفاد ہے +

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عقل کے واسطے سے اکتسابی علوم کی دقتیں ہیں معارفِ دنیوی اور معارفِ اخروی، ان دونوں کے رستے ایک دوسرے سے بعد الشقوق کا حکم رکھتے ہیں جو شخص ایک رستہ پر گامزن ہوگا، اس کی بصیرت سے دوسرا طریق اکثر اوجھل ہو جائیگا۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین مثالیں بیان فرمائیں، دنیا اور آخرت کی مثال ترازو کے دو پہلوں کی سی ہے، یا مشرق و مغرب کی سی یا زمین و آسمان کی سی، جب تم ایک کو قبول کرو گے تو دوسری سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا داری میں بہت ہی دانشمند لوگ آخرت کے لحاظ سے جاہل مطلق ہوتے ہیں اور دین میں سمجھدار لوگ دنیا کے لحاظ سے ناواقف محض، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حقیقی طور پر دُور اندیش شخص وہی ہے جو اپنے نفس کو حقیر سمجھے اور بعد الموت کے لئے عمل کرے۔ چنانچہ بعض صائین کی سادگیِ طبع کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا گیا اکثر اہل الجنتہ بالبلدہ۔ اکثر جنتی بھولے بھالے ہونگے۔ یعنی امورِ دنیا کے لحاظ سے۔ اس کے متعلق حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ بعض ایسے لوگ ہم نے دیکھے کہ اگر تم انہیں دیکھ پاؤ تو کہو کہ یہ تو دیوانے ہیں۔ اور اگر وہ تمہیں دیکھ پائیں تو کہیں شیطان ہیں۔ اور اگر کبھی تم کوئی عجیب و غریب دینی بات سُن پاؤ تو اُسے متبول کرنے سے یہ کہہ کر سبک نہ جاؤ کہ اگر یہ بات حقیقی ہوتی تو اربابِ دنیا میں سے بہترینِ دل و دماغ کے لوگ اور بڑے حسابی کتابی عالم ضرور معلوم کر لیتے۔ کیونکہ یہ بات بالکل محال ہے۔ کہ مشرق کو جاننے والا شخص مغربی رستہ کی چیزوں سے واقف ہو۔ بعینہ ہی حال امرنیا و آخرت کا ہے۔ چنانچہ ارشادِ الہی ہے ان الذین لا یزجون لقاءنا و ضلوا بالحمیۃ

الدنيا واطالة ايها جو لوگ ہماری ملاقات کے شہنی نہیں۔ اور دنیوی زندگی پر رضامند اور مطمئن ہو گئے ہیں، پھر فرمایا، ليعلمون ظاهراً من الحيات الدنيا وهم عن الاخرات هم غافلون۔ وہ ظاہری دنیوی زندگی سے ہی واقف ہیں۔ اور آخرت سے بالکل غافل۔

دنیا و آخرت کو صرف وہی لوگ کھج کر سکتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی معاش و معاوضہ کی تدبیر کرنے کے لئے مقرر فرمایا۔ اور وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کی روح القدس سے امداد و تائید کی جاتی ہے۔ اور انہیں ایک ایسی قوت سے اعانت دی گئی ہے جو تمام امور پر حاوی ہے +

یہ کمزور نفوس کو جب وہ ایک بات میں مشغول ہوتے ہیں تو دوسری بات کو بھول جاتے ہیں یا اور اس طرح تمام امور کا کمال چھل کر فہم پر قاصر نہیں ہو سکتے ۔

فصل

علوم متعددی ہیں استاد اور شاگرد کے فرائض

مستعمل کے بہت سے وظائف و فرائض ہیں۔ ان کی تفصیل و مہلکوں میں آسکتی ہے کہ
(وظیفہ اول) بڑی عادات کو دور کر کے طہارت نفس حاصل کرنا۔ کیونکہ جس طرح
ظاہری اعضاء و جوارح کی عبادت نماز میں طہارت ظاہر کے بغیر درست نہیں۔ اور علم عباد
نفس ہے اور زبان شریعت میں دل کی عبادت، اسی طرح یہ عبادت بڑے اوصاف اور
اخلاق خبیثہ کی موجودگی میں درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بانی
الدین علی النظافۃ۔ دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔

پاکیزگی کے لفظ کا جس طرح ظاہر ہر اطلاق ہے اسی طرح باطن پر ہے۔ اور قرآن میں ہے انما المشركون نجس مشرک لوگ پلید ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ طہارت و نجاست صرف ظاہر ہی محدود نہیں، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا تدخل الملائكة بيتنا فیه کلب جس گھر میں کتاب ہو اس میں فرشتے

ملک و مملکت
وہاں میں اس کی
علیٰ بنیادی
ادنیٰ علیٰ رضی
عارفوں کے ہاں
میں وہی اور
نیکوئی ہوگی
تو کہ ملک
ہوئی کہ نہ ہو
پھر اس کا
شعبہ انسانی
بلکہ انسانیت
دن کا انسانی
وزن انسان

اور پریشان دماغ اور ارک حقائق سے قاصر رہتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں: علم کا ایک حصہ جمعی ہیں حاصل نہ ہو گا جب تک تم اپنا سارا وجود اس کے لئے وقف نہ کرو۔ جب تم از فرق تا بعد جمعی اس کے لئے ہو جاؤ گے، تو وہ تم پر اپنے تئیں نثار کر دیگا۔ جب دل پر آگندہ ہو جائے تو وہ ایک نہر ہے جس کا پانی کبھرا ہوا اور پر آگندہ ہے؛ ہوا اور زمین اُسے جذب کر رہے ہیں نتیجہ یہ ہے کہ سب پانی ضائع ہو گیا۔ اور مجتمع ہو کر کھیتی تک پہنچنے اور اُسے سرسبز و میراب کرنے کے قابل نہ رہا۔

(وظیفہ ثالث) علم اور اہل علم کے مقابلہ میں تکبر نہ کرنا اور استاد پر تسلط نہ ہو جانا۔ بلکہ اپنی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں دیدینا۔ تاکہ وہ راہ علم پر جس طرح چاہے اس کی رہنمائی کرے۔ استاد کی پسند و نصلح کو اسی طرح آویز و گوش بنائے جس طرح مریض طبیب کے تابع فرمان ہوتا ہے۔ علم پر تکبر کرنے سے یہ ہو گا کہ اگر علم سے مستفید ہونے میں معلم پر ناک بھون چڑھائیگا۔ تو عین حماقت کا مرتکب ہو گا؛ یاد رکھو، حکمت، حکیم کا گم شدہ لالہ ہے جہاں اُسے پلٹے اپنا مال سمجھے، اس سے استفادہ کرے اور جذبہ احسان مندی کے ساتھ اُس کی پیروی کرے۔

فالعلم حرب للفتی المتعالی کالسلیل للمکان العالی
ترجمہ۔ علم نے تیو تکبر کر کے فنا کر ڈالی جیسے سیلاب گراتا ہے مکانِ عالی
غرض تواضع اور انکسار ناگزیر ہیں چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے ان فی ذالک للفرکی
لمن کان لہ قلب او الفی المسموع و هو شہید یہ امور اس شخص کے لئے باعث
نصیحت ہیں۔ جو صاحبِ ذیل ہے مستتابہ اور غور کرتا ہے۔ یا بالفاظ دیگر علم میں مشغول ہوتا
ہے۔ صاحبِ ذیل ہونے سے یہی مراد ہے یا اُسے عقل حاصل ہے جو اُسے سننے، کان دھرنے
اور غور کرنے کی ترغیب دیتی رہتی ہے۔

جب تک معلم اپنے معلم کے سامنے زمین نشہ کام کی طرح نہ ہو جائے جس پر جو نہی مصلح
دھار بارش بر سے وہ فوراً دیوانہ وار اُسے جذب کر لے۔ وہ علم سے پوری طرح منفعت
پذیر نہیں ہو گا، اور جب معلم اپنے شاگرد کو تعلیم کی صورت میں ایسی بات بتائے جسے شاگرد
صاف طور پر غلط سمجھتا ہو۔ تو طالب علم پر واجب ہے کہ صبر کرے؛ اور جو صلہ مندی سے کام
لے۔ اور اپنے استاد کی اتباع کرے کیونکہ اگر استاد غلط کرتا ہے تو یہ شاگرد کے اپنے صواب

سے بہتر ہے جس طرح ایک سافر تجربے سے ان باتوں کا استفادہ کئے جاتا ہے جن کو دیکھ کر
بتدی حیران ہو جاتا ہے۔ اسی کے متعلق خدا نے قصۂ خضر و موسیٰ میں تنبیہ کی ہے، موسیٰ علیہ
السلام نے کہا اهل التبعلك على ان تعذبني ما صلت سشد ایما میں تمہاری اتباع
کروں، تاکہ تم مجھے اپنے علم سے جو تمہیں حاصل ہے کچھ مجھے بھی سکھا دو۔ پھر حضرت موسیٰ صبر نہ
کر سکے، بار بار اور پے در پے خضر علیہ السلام کو ٹوکا اور اعتراض کیا، یہاں تک کہ حضرت خضر
نے فرمایا۔ هذه افلاق بیتی و بیلینک یہاں ہم تم جدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اُن اسرار و
معارف کو اُن پر سکھلا جو اُن کی حیرانی اور استعجاب کا باعث تھے۔ اس کی تفصیل قرآن میں
مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ معلم کو وہ باتیں
معلوم ہوتی ہیں جن کا معلم کو گمان بھی نہیں ہوتا +

مختصر یہ کہ ہر معلم ہوا اپنے استاد کے طریقہ تعلیم کے مراسم کی پیروی نہیں کرتا؛ وہ
بے خبر رہتا ہے اور شاید کامیابی سے کبھی ممکن نہیں ہوتا۔ اگر تمہارا اعتراض یہ ہے کہ خدا
کا ارشاد ہے فاستلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون، اہل ذکر سے پوچھو اگر
تمہیں معلوم نہ ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت موسیٰ کو سوال کرنے سے منع کرنے کے
نقیض نہیں ہے؛ اور نہ ہماری گفتگو کے خلاف، کیونکہ نہی تو اس بات کی ہوتی ہے کہ جس چیز
کو معلم کی توث اور اک نہ پہنچے۔ اس کے طلب کرنے سے منع کیا جائے تو جب استاد شاگرد
کو سوال کرنے سے مانعت کرے تو اسے باز رہنا چاہئے۔ مقصود یہ ہے کہ شاگرد کو اپنے
رتبہ علم کے مطابق تفصیل معلوم کرنے کا شوق دلایا جائے +

(وظیفہ سابع) علوم نظر یہ میں انہماک کرنے والے شخص کو مناسب نہیں، کہ ابتداء
ہی تشابہات مشکوک اور حیران کن امور میں طبیعت کو مائل کر لے، کیونکہ یہ بات اصل علم کے
بارے میں اس کے عزم میں فتور پیدا کر دیگی۔ اور جن اسباب کا ہم کتاب معیار العلم میں ذکر
کر چکے ہیں ان کی بنا پر اور اک حقیقت سے مایوس کر دیگی۔ لہذا اسے چاہئے کہ جو رائے اور
اصول اس کے استاد نے اختیار کیا ہے اس پر خوب یقین رکھے۔ پھر اس کے بعد مشابہت
اور اس کے تعقب کی تصریف میں غور و خوض میں مشغول ہو۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے
اس شخص کو کفار سے اختلاط اور سیل جول کرنے سے منع کیا ہے جو ابھی اسلام میں پختہ نہیں
ہوئے، یہاں تک بعض کا خیال ہے کہ خضر کی تحریم کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ کافر لوگوں کی

یہ عام طور پر غذا ہے چنانچہ اسے حرام کر دیا گیا۔ تاکہ مسلمان کافروں کے ساتھ مل جل کھانے پینے سے بچیں۔ اور اس طرح کافروں سے اُن کا ربط و ضبط نہ بڑھے۔ اس لئے عوام کو اہل ہواؤ ہوس کی مجلس سے بچانا چاہئے جس طرح حرم کی منسدوں سے حفاظت و صیانت کی جاتی ہے۔ پھر جو شخص دین میں پکا ہو جائے اور اس کے دل میں اسلام کی حجت و برہان قرا پکڑ جائے تو اُسے کفار سے حفاظت میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ اُسے اُن سے ربط و ضبط اور میل ملاپ بڑھانا زیادہ اچھا ہے۔ اور شبہات اور ان کے حل کرنے میں مشغول ہونا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس طرح وہ ایک قسم کا مجاہد ہو گا۔ کیونکہ جو شخص جہاد کی قدرت رکھتا ہے اُسے کفار کی صف پر پل پڑنا مستحب ہے اور کمزور و ناتوان شخص کے لئے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔ اس طرز استدلال سے ان لوگوں کا یہ قول غلط ثابت ہو گیا۔ جن کا گمان ہے کہ دین کے لحاظ سے تو ہی اور ضعیف لوگوں کے فرائض و وظائف ایک ہی ہیں۔ یہاں تک کہ ایک صوفی بزرگ کا قول ہے کہ جس شخص نے مجھے ابتدا میں دیکھا اس نے مجھے صدیق خیال کیا۔ اور جس نے مجھے انتہا میں دیکھا۔ وہ مجھے زنادیق سمجھا۔ یعنی ابتدا ایسے مجاہد کے کی متقاضی ہے جو ظاہر اچھے کو نظر آ رہا ہے کثرت عبادات کی صورت میں مگر انتہا میں عمل باطن کی طرف رجوع کر جاتا ہے اور دل تو بدستور عین شہود اور عین جہنور میں رہتا ہے البتہ ظاہری اعضا سکون پذیر ہو جاتے ہیں۔ اُس پر ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں۔ یہ تمہاؤں فی العبادت ہے۔ یہ استغراق عبادات کا پتھر اور عطر ہے۔ اور ان کا لب لباب اور غایت، لیکن کور باطن شہرہ چشم لوگ آفتاب حقیقت کی روشنی مشاہدہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

(وطلبہ منہ خمس) متعلم کو لازم ہے کہ علم کی ہر ایک قسم اور ہر ایک فن اس کی نظر سے گذر جائے۔ وہ ان کی غایت سے واقف ہو۔ اور طریقہ اور مقصد سے آشنا، پھر اگر اس کی عمر اس کا ساتھ دے اور اسباب میں رہوں تو متوجہ علم حاصل کرے کیونکہ علوم تمام کے تمام ایک دوسرے کے معاون اور ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور جہاں تک حالات اجازت دیں اُن سے مستفید ہو، یہاں تک کہ علم کا جمالت کے باعث کوئی شخص بیرہی نہ رہے کیونکہ لوگ جس بات سے ناواقف ہوں۔ اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واذلحمہ یحید و ابدہ فسیفولون هذا افک قد یحرب انہوں نے ہدایت نہ پائی تو کہنے لگے یہ تو پرانا وہم ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے۔

ومن یلک ذاقہ مر یض یجد حرا بہ المار اللہ لا
 منہ کے کڑوے پن کا مرین آب زلال کو بھی کڑوا ہی سمجھتا ہے
 سادوں کے اندھے کو ہر اسی ہر سو جھٹتا ہے پھر اُسے چاہئے کہ علم کی کسی نوع کو حقیق
 نہ سمجھے بلکہ ہر ایک علم حاصل کرے۔ اس کا حق ادا کرے، اور اسی کا ترتیب پنیانے کیونکہ ہر ایک علم
 اپنے اپنے درجے پر ہے بعض انسان کو اللہ کی طرف سے لیا جانے والے ہیں۔ یا اس سفر کے لئے
 اسباب مہیا کرنے والے۔ ہر ایک علم کی پھر مقصود سے قرب و بعد کے اعتبار سے مختلف
 منازل بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت بھی لازمی ہے جس طرح حج اور جہاد کے رستہ
 میں پہرہ دار اور چوکیاں ہوتی ہیں :

(وظیفہ سادس) یہ ہے کہ تمام فنون میں وقت نہ کو دپڑے۔ بلکہ اُن کی ترتیب کی
 رعایت رکھے چنانچہ ابتداء سب سے اہم فن علم سے کرے اور اس وقت تک دوسرے
 فن کو ہاتھ نہ لگائے جب تک پہلے فن کو تکمیل کے درجہ تک نہ پہنچائے کیونکہ علوم کی
 بھی ایک ترتیب ہے جس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی
 ہے کہ ایک فن سے دوسرے فن کی جانب اہ نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ترتیب
 و تدوین کی نگاہ داشت کے متعلق فرمایا ہے۔ الذین اتیناھم الکتاب ینزلونہ
 حق کلمۃ وہ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں۔
 یعنی اس وقت تک ایک فن کو چھوڑ کر دوسرے فن کی طرف رخ نہیں کرتے جب تک
 علمی اور عقلی طور پر اس میں تنہیکم نہیں حاصل کر لیتے۔ طالب علم کا مقصد ہر علم سے یہ ہونا
 چاہئے کہ اوپر کے علم کی جانب ترقی کا شوق پیدا ہو۔ پھر یہ بھی لازم ہے کہ کسی علم کے
 متعلق غلط اور خراب ہونے کا حکم صرف اس لئے نہ لگایا جائے کہ اس علم کے حاملوں میں
 اختلاف واقع ہے۔ یا ان میں سے کوئی غلطی پر ہے۔ یا ان کے علم اور عمل میں تضاد و
 تخالف ہے :

بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے جنہوں نے عقائد اور فقیہات میں نظرد
 فکر کرنا چھوڑ دیا ہو گا۔ صرف اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ اگر ان کی کوئی اہلیت ہوتی تو
 عقلا اور فقہاء اس کا ضرور اور اک کر لیتے۔ اس سبب کا ازالہ چھاری کتاب مبیار العلم میں
 گذر چکا، بعض ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آئینگے جو علم نجوم کی صحت کے صرف اس لئے معتقد

ہونگے کہ ایک شخص کو اس کے درست ثابت ہونے کا اتفاق ہو، دوسرا فریق صرف ایک شخص کے لئے اس کے غلط ہونے کی بنا پر اس کے بطلان کا قائل ہو جائیگا۔ تمام گردہ غلطی پر ہیں، مناسب یہ ہے کہ ہر ایک چیز کی معرفت فی نفسہ حاصل کی جائے ہر ایک علم پر ہر ایک شخص عادی نہیں ہو سکتا۔ ہر کارے و ہر مردے! اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ لوگوں کے ذریعہ سے تم حق کی معرفت نہیں حاصل کر سکتے۔ البتہ حق کی پہچان کے بعد اہل حق سے روشناس ہو جاؤ گے +

(وظیفہ ہفتہ) اگر جمیع علوم کی تحصیل کے لئے عمر ناپائیدار کفایت نہ کرے تو چاہئے کہ ہر ایک علم میں سے اس کا بہترین حصہ اخذ کر لے۔ کہ ہر ایک علم میں سے تھوڑا تھوڑا لے لینا کافی ہوگا، اور زندگی کا آسودہ ترین حصہ اس علم کی تحصیل کے لئے صرف کرے۔ جو نجات اور سعادت کا سبب ہے، یہی شے تمام علوم کی غایت ہے۔ اور یہی بات حقیقی اور درست طور پر معرفت الہی ہے۔ اس علم کے سبب علوم خادم ہیں۔ اور یہ خود بالکل آزاد ہے۔ کسی کی ناکری نہیں کرتا۔ اسی کے متعلق ارشاد الہی ہے۔ قل اللہ۔ ثم ذرناہم فی خواصہم یلعبون۔ کہہ واللہ پھر انہیں اپنے خیال میں مگن رہنے دو۔ یہاں صرف زبان سے ان حروف کو ادا کرنا مقصود نہیں۔ چنانچہ ارشاد و رسالت پناہی ہے۔ من قال لا الہ الا اللہ مخلصاً دخل الجنة جس نے فصوص دل سے لا الہ الا اللہ کہ جنت میں داخل ہو گیا۔ زبانی جمع خرچ کسی کام کا نہیں۔ جب تک وہ دل پر اثر نہ کرے۔ یا جب تک اس اعتقاد کی پختگی کا اثر دل سے صادر نہ ہو۔ اس کا نام ایمان رکھا گیا۔ ہے پھر ایمان بتدریج ترقی پا کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ایمان تک منتہی ہو جاتا ہے۔ ان کے ایمان کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور تمام دنیا کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھیں، تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ایمان صاف وزنی بچھے گا کیونکہ انہیں تم پر کثرت صوم و صلوات کی بنا پر فضیلت حاصل نہیں۔ بلکہ اس ترازو کی وجہ سے جو ان

۱۵ یہ دونوں باتوں سے حاصل۔ حریت عقل نظری۔ جو وہم اور تقلید سے بے نیاز کرینوالی ہے اور حریت عقل عملی جو جسم کی غلامی سے رہائی بخشنے والی ہے۔ جب ایک شخص کو یہ دونوں حریتیں بدرجہ کمال حاصل ہو جائیں، تو وہ اس مقام پر پہنچ جائیگا جسے آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر اس کی حقیقت وارد ہوئی + ۱۲ +

کے دل میں مخفی ہے +

یہاں سے نصف مزاج آدمی پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صوفیا کا طریق اگرچہ بہت سے نفاذ میں دور جاتا ہو، زبردست شواہد کے ذریعہ سے اس پر شریعت شہادت دیتی ہے اس لئے ناواقف شخص کو محض اپنے تصور فہم اور جہالت کی بنا پر اس سے دشمنی نہ رکھنی چاہئے مختصر یہ کہ معرفت الہی کل معرفت کی غایت ہے۔ اور کل مذاہب کے مطابق جلدی علم کا ثمرہ روایت ہے کہ ایک بار کسی نے دو عابد و زاہد بزرگوں کی صورتوں کو مسجد میں دیکھا۔ دونوں کے ہاتھ میں ایک ایک زقہ تھا۔ ایک پر لکھا تھا "اگر تم تمام نیکیاں کرو تو موت خیال کرو کہ تم نے کوئی نیکی کی ہے" حتیٰ کہ تم اللہ کو پہچان لو۔ اور معلوم کرو کہ خدا سبب لاسباب ہے اور تمام اشیاء کا موجد۔ دوسرے پر تحریر تھا "میں معرفت الہی حاصل کرنے سے پہلے پینے کے باوجود پیسا پیتا تھا۔ یہاں تک کہ جب میں نے اُسے پہچان لیا تو بغیر پینے کے سیر ہو گیا۔"

(وظیفہ ہشتاد و ہفتم) بعض علوم کا بعض علوم سے اشرف ہونے کی پہچان کر لینا، علم کی فضیلت، دو طرح سے پہچانی جاتی ہے۔ اول۔ اس علم کے ثمرہ کے اشرف ہونے کے لحاظ سے۔ دوم۔ اس علم کے متعلق دلائل کی پختگی کے اعتبار سے، مثلاً علم دین اور علم طب، علم دین کا ثمرہ حیات ابدی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ علم طب سے افضل ہے۔ جس کا ثمرہ حیات بدنی ہے۔ جو موت تک ہے +

پھر علم حساب کا اگر علم طب سے مقابلہ کرو گے تو اول الذکر مؤخر الذکر سے باعتبار پختگی دلائل اشرف ثابت ہو گا۔ کیونکہ علم حساب کے متعلق جس قدر نظر ایسے ہیں سب یقینی ہیں اور تجربہ کے محتاج نہیں بخلاف اس کے طب کو یہ بات حاصل نہیں، ہاں علم طب باعتبار ثمرہ کے علم حساب سے افضل ہے۔ کیونکہ صحت بدن گنتیاں اور مقدمات معلوم کرنے پر فضیلت رکھتی ہے۔ فضیلت ثمرہ پر نظر رکھنا پختگی دلائل کی تلاش سے بہتر ہے۔ اور تمام علوم سے ثمرہ کے لحاظ سے افضل علم خدا اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور رسولوں کا علم ہے۔ مع ہر اس علم کے جو اس علم کی اعانت کرے، کیونکہ اس کا ثمرہ سعادت ابدی ہے +

(وظیفہ نہدہم) یہ ہے کہ تم علوم کی اقسام کی محفل اور پرستداشت کرو، اور وہ ہیں :-

اول وہ علم جو لفظ سے متعلق ہے، حیثیت مخفی پر ولایت کر گئے۔

دوم وہ علم جو صرف معنی سے تعلق رکھتا ہے، اول الذکر سے وہ علم مراد ہے جس سے ہم چاہتے ہیں کہ تم ان الفاظ کی شناخت کر لو جو ان پر دلالت کرنے کے لئے اصطلاحی طور پر وضع کئے گئے ہیں۔ ان کی دو قسمیں ہیں ان میں سے ایک علم لغات اور اس کے دوسرے متعلقات ہیں، جیسے علم مشتقات و اعراب و نحو و صرف، اور علم عروض و قوافی، اس کی آخری مد علم خارجِ حدوث مع اپنے متعلقات کے ہے +

علم متعلق بالمعنی، موقع و محل کے لحاظ سے جس قسم کے الفاظ اس پر صادق آئیں گے نام حاصل کرے گا کبھی علمِ بدل و مناظرہ، کبھی علمِ برہان اور کبھی علمِ خطابت، کیونکہ جو شخص ان علوم میں صاحبِ نظر ہے، درحقیقت موجباتِ الفاظ، معانی، وغیرہ علوم کا عالم ہے۔ تو جس رنگ اور جس عنوان سے وہ ان کو استعمال کرے گا اسی رنگ اور عنوان کے اعتبار سے اس کا نام ہوگا اگر وہ علمِ یقینی کی تحصیل کا کام لیتا ہے تو علمِ برہان، اگر فرقیِ مقابل کو خاموش کرنے کے لئے تو علمِ بدل و مناظرہ، اگر دلوں کو نرم کرنے کے کام آئے تو خطابت اور وعظ کہیں گے، اُسے دلیل بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ مخالف کو مقاصدِ حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے۔ اور ان اعتقادات کی طرف انہیں لے کر چلتا ہے جس میں ان کی نجات ہے۔ احادیث اور قرآن میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ قرآن کا فروں کے خلاف اسی رنگ میں استدلال سے کام لیتا ہے۔ اور قرآن بجا ظالموں کو نفعِ جمہور کے حق میں سب سے بڑھ کر ہے۔ مستقل طور پر برہانِ حقیقی و یقینی کا ادراک اور فہم صرف اکابرِ علمائے محققین ہی کو حاصل ہوتا ہے جن کی زمانہ قدر نہیں کرتا +

بدل و مناظرہ ہدایت کے لحاظ سے کمترین نفع دینے والی شے ہے۔ کیونکہ محقق اپنی دلائل و براہین کو چھوڑ کر فرقیِ مخالف کی بات کو تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ ہی دل میں اس کا قائل ہوتا ہے۔ اور عامی بات ہی نہیں سمجھتا۔ بلکہ اُسے سمجھنے کے لئے اپنے فہم کو ناکارہ پاتا ہے۔ خود مناظرہ کرنے والے لوگ، عام طور پر شکست کھانے کے بعد بھی اپنے عقائد پر قائم رہتے ہیں۔ اور کوتاہی دلیل کو اپنے تصورِ علم پر محمول کرتے ہیں۔ درحقیقت اگر ہمارا امام زندہ اور موجود ہوتا تو اس بات کا فیصلہ کن جواب دے سکتا، اس لحاظ سے فہم دیکھو گے کہ اکثر وہ باتیں جو ماہرینِ علمِ کلام اور مناظر اپنے مناظروں میں کہ چکے ہیں کم و بیش بدلیات ہیں، اور یہی حال ہے تمام باتوں کا جو فقہی مباحثوں میں واقع ہوتی ہیں۔ یہی سبب ہے

کہ مناظر کرنے والے لوگ خبردار ہو کر بھی دوسرے کے مذہب کو قبول نہیں کرتے،
 قسم سوم معنوی کی دو قسمیں ہیں، محض علمی اور علمی علمی قسم میں اللہ تعالیٰ ملائکہ، انبیاء
 اور مراتب نبوت، ملائکہ کے مراتب، اسرار ارض و سما، آفاق و انفس، اور ان کے اندر کی
 سب چیزیں، کواکب سماوی، عالم بالا کے نشانات، جملہ اقسام موجودات، ان کے ایک
 دوسری سے ترتیب کی کیفیت، قیامت، حشر، نشر جنت و دوزخ، صراط، میزان، جنم
 شباطین، کی معرفت کا نام ہے۔ علاوہ ازیں اس امر کی تحقیق بھی اس میں داخل ہے کہ
 الفاظ کے حقیقی معنی بھی وہی ہیں۔ یا کچھ اور مثلاً عام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے متعلق
 بہت امور کا تخیل اپنے ذہن میں پیدا کر رکھا ہے۔ مثلاً اللہ کا عرش پر مقیم ہونا، دنیا سے
 بلند لمجاظ مکان کے، اور اس سے پہلے زمانہ کے اعتبار سے، فرشتوں، شباطین اور
 آخرت کے واقعات جنت و دوزخ کے متعلق ان کے کیا عقاید ہیں، کیا یہ امور ایسے ہی
 ہیں جیسے انہوں نے سمجھے ہیں، بغیر کسی قسم کے تفادد کے یا یہ مثالیں اور خیالات ہیں۔
 کیا ان کے ظاہری مفہوم کے علاوہ بھی کچھ معنی ہیں۔ غرض ان تمام امور کی تحقیق کر دے، سچائی کے
 ساتھ، شک و شبہ سے پاک بطریق حقیقت ظاہریت کے اودام باطلہ کو دور پھینک کے
 اندازہ اور مکمل سچو لگنے سے دور ہٹ کر، یہ ہیں علوم نظریہ۔ اور ان کا عمل سے کوئی تعلق
 نہیں۔ اب اسے عملی توان میں انکام شرعیہ، علوم فقہیہ، سنن نبویہ شامل ہیں۔ ان میں معرفت
 سیاست، نفس، اور تہذیب، اخلاق، تدبیر منزل، اہل و عیال، لباس و طعام، عیشت اور
 معاملات کی معرفت، داخل ہیں۔ اسے علم حقہ کہتے ہیں، یہ چار گانہ معاملات، مکمل اور شرعی
 حدود پر مشتمل ہے۔ پھر جب اس کی انواع کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کے مراتب کی
 پہچان اور شناخت کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ تاکہ اوقات عزیز صرف منزل مقصود کی
 طرف گام فرسائی میں صرف ہوں۔ یا ان امور میں جو اس کے قریب لیجائیں +

اب جو شخص قسم اول یعنی متعلق باللفظ علوم پر ہی تکیہ کر گیا۔ تو گویا وہ محض چھلکے پر
 ہی پر قلع ہو گیا۔ ان میں سے جس نے نحو، اعراب، عروض اور مخارج حروف پر قناعت
 کی تو اس نے بھی صرف پوست پر انحصار رکھا۔ اور جو شخص اس رستہ کی پہچان میں نہکے
 تو وہ ایک مراہم میں مشغول ہے۔ پھر اگر اسی بات پر قصر کر دے تو گویا اس نے صرف آلہ
 اور وسیلے پر اکتفا کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی شخص ریح کا ارادہ کرے۔ پھر

اونٹ اور زراوراء اور سواری خرید لے اور گھر میں بیٹھ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ چیزیں بہت اہم ہیں۔ اور بوجہ الہ اور وسیلہ ج ہونے کے ضروری ہیں۔ لیکن جب ان کو اس بات میں استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے ان کو خرید کیا گیا ہے تو وہ بالکل بے سود ہیں علیٰ ہذا القیاس تیغ و سنان اور خنجر و شمشیر بیکار ہیں۔ اگر انہیں جنگ میں استعمال نہیں کیا جاتا +

اور جو شخص علوم علیہ میں منہمک ہے اور صرف انہی پر اکتفا کرتا ہے، یعنی فقہیات وغیرہ پر تو اس کا حال لغات پر انحصار رکھنے والے کے زیادہ قریب ہے۔ وہ اضافی طور پر عظیم القدر ہے جس طرح علم لغات اضافی طور پر علم رقص و سرود سے زیادہ رفیع الشان ہے۔ لیکن اگر اس کو منزل مقصود کی نسبت سے دیکھا جائے گا۔ تو معلوم ہو گا کہ وہ اس سے بہت ہی بعید ہے۔ یہ بات مثال کے بغیر پورے طور پر سمجھ میں نہ آئیگی +

چنانچہ جب ایک آقا اپنے غلام سے وعدہ کرنے کے میں تمہیں سزاؤ کروں گا، بشرطیکہ تم جج کراؤ۔ اور اس کے بعد میں تمہیں سرداری عطا کروں گا، تو سزاؤ سے آزادی وغیرہ کے حصول کے لئے غلام کے لئے عین مقامات ہیں۔ (ذرا ذیل) اسباب کا تہیہ کرنا، مثلاً، اونٹ، مشک، زراوراء وغیرہ خریدنا، اور سامان سفر تیار کرنا، اور دم، دھن کو چھوڑ کر بارہ چٹائی اور راہ نوری پر کمر بستہ ہو جانا، اور منزل بمنزل چل کر منزل مقصود کی طرف روانہ ہونا، رسوم و آداب جج کا ایک ایک رکن، اور ان تمام امور کو طے کرنے کے بعد اسے آزادی کی نعمت حاصل ہوتی۔ اسے منزل بمنزل ایک بات کو طے کرنے کے بعد دوسری منزل میں قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اور ایک منزل کے اسباب و سامان کی تیاری کے بعد دوسری منزل کے وسائل کے تہیہ کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے۔ یہی حال کمانی نفس کا ہے۔ طہارت، اخلاق، رذائل و مذام کے ازالہ اور خصال و معارف کے انکشاف سے اخلاق کو مکمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس تشبیہ میں مال کی مثال موت کی ہے۔ جو اس حجاب کو دور کر دیتی ہے جو انسان اور اس کے رتبہ کے درمیان حائل ہے۔ اس کے وسیلے سے نفس اپنے کمال اور جمال کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے چنانچہ جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے۔ تو نفس اپنے کمال کو دیکھ لیتا ہے جو اعلیٰ علیین میں اسے حاصل ہے۔ اسے اس نظارے سے ایک ابدی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اور منزل بمنزل قطع راہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنا

خلق بد اخلاقیوں کو محو کرنے اور علوم نظریہ کو دوسرے علوم کے علاوہ ایک ایک کر کے حاصل کر نیے مذهب بنالیا ہے۔

توشہ دان اور مشک وغیرہ کی تیاری، زاد راہ اور سواری کی خریداری کی مثال کے مطابق وہ تمام علوم ہیں جو فقہ اور لغت جیسے علوم نظریہ کے خادم ہیں۔ اور جو شخص فقہ کی تعلیم حاصل کر رہا ہے، اس کی حیثیت توشہ دان وغیرہ کی تیاری کرنے والے کی سی ہے۔ اور جو شخص انہی پر بس کر دیتا ہے، وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص توشہ دان بنا کر بیٹھ رہے علاوہ ازیں جو شخص علم لغت کے اندر ہی محدود ہو جائے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے جو توشہ دان کی کھال کو رنگ چھوڑنے پر اکتفا کرے۔ اس لحاظ سے جو شخص اپنے اوقات کو فروغ و فاقی میں دین میں اختلافی مسائل اور وہ باتیں شامل ہیں جو عہد صحابہ میں پائی ہی نہ جاتی تھیں، انھیں مشغول و مستغرق رہتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی توشہ دان کے احکام اور آیتیں سننے سنانے کے مسائل میں اپنی زندگی کو وقف کر دیتا ہے، تم کہہ سکتے ہو کہ اگر تم نے یہ باتیں اعتقادی طور پر کہی ہیں تو اجماع فقہاء اس کے خلاف ہے۔ اور اگر بطور حکایت اور مثال کے کہی ہیں تو ان باتوں کو کون مانتا اور تسلیم کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے یہ باتیں حکایت کے طور پر کہی ہیں، ان کا تعلق اس مذہب سے ہے جس پر اس کتاب کا اکثر بار و بار اور انحصار ہے اور وہ تصوف ہے۔ عام لوگوں نے ان معانی سے اتفاق کیا ہے۔ جو اس مثال سے مستنبط ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک یہ شبہ نہیں مشابہہ کے مطابق نہیں، اگر تم پوچھو کہ آیا جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں درست ہے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہ کتاب ان امور کے حق و باطل میں تمیز کرنے کے دلائل و براہین پیش کرنے کی غرض سے نہیں لکھی گئی، بلکہ اس تحریر کا مطلب یہ ہے کہ فطرت و خود فراموشی کے ازالہ کے لئے پسند و نصیحت کو قلب بند کیا جائے۔ اور طلب و جستجو کے راستہ دکھائے جائیں تاکہ انسان ان امور سے بے پرواہ نہ ہو جائے۔ جن کی تعلیم یہ لوگ دیتے ہیں کہ ابتدائے کار میں یہ بات سب معلوم نہیں ہوتی، اس لئے جو طالب علم کسی علم و فن کی جستجو میں نکلتا ہے اسے لازم ہے کہ خوب سوچ سمجھ لے تاکہ حقیقت سے واقفکار ہو جائے۔ اور وہ اضرار و اسی وادہی پُر غرائیں قدم نہ رکھے۔

اس مقام پر یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ جب تم اپنی عمر فقہ کی نذر کر چکے اور تصوف سے

تمہیں کوئی شغف اور حسن ظن نہیں۔ علاوہ ازیں تمہارا دل اس قدر وسیع بھی نہیں کہ بددعویٰ اور رسمی طور پر دیدہ و دانستہ اس ادنیٰ بات کے درپے ہو جاؤ۔ تو ہم نے یہ کیوں کہا کہ ان کے مسلک میں یہ بات ضروری ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تم اس کا سبب تحقیق کر لو گے۔ جب تم ان تمام تفصیل سے بغیر ہو جاؤ گے جو اوپر گزر چکیں اور جن میں ہم نے بتایا ہے کہ سعادت کے حصول کے معنی یہ ہیں کہ ترکیہ نفس کے لئے نامناسب امور کو نفس سے محو کر دیا جائے اور کشف حقائق سے تکمیل نفس کے لئے مناسب امور کو نفس میں جاگیریں کیا جائے۔

اور اس بات کے حصول کے لئے یہ بات لازمی ہے کہ انعامات الہی و ملکوت السموات والارض میں نظر و فکر سے کام لیا جائے۔ تاکہ ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں اور فقہ اس کی اسی طرح محتاج ہے جس طرح بدن اس کا دست مچھڑے۔ بدن کی بقا کا انحصار علم ابدان یعنی علم طب اور علم ادیان یعنی فقہ پر ہے۔ باعث یہ کہ آدمی کی خلقت کچھ نتیج اور عنوان پر عمل میں آئی ہے کہ وہ وحشی جانوروں کی طرح تنہائی اور عکسگی کی زندگی بسر کر سکتا۔ اُسے لازمی طور پر سوسائٹی میں رہنا پڑتا ہے۔ ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا وہ محتاج ہے، کھانے پینے پہننے اور دوسری ضروریات کے تنہیہ میں وہ ایک دوسرے کا دست نگر ہے۔ غرض چونکہ انسانوں کا اجتماع ناگزیر ہے۔ اس لئے ان میں عدل و مساوات قائم کرنے اور آپس میں لین دین اور معاملہ کرنے کے لئے ایک قانون کی بھی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ بنی آدم میں ہمیشہ تنازع اور جنگ و جدال برپا رہ کر انہیں ہلاک کرتا رہے گا۔ اور فقہ میں اسی قانون کا بیان ہوتا ہے۔ اور نکاح و طلاق۔ معاملات اور عقوبات اس قانون کی تفصیل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رستہ میں باریہ پیمائے ہونے والوں کے لئے بدن کی حیثیت ایک ناتھ اور توشہ دان وغیرہ کی ہے جن کی ضرورت راجح میں پڑتی ہے، بدن کی مصلحتیں ناتھ اور توشہ دان کی طرح ہیں۔ علم مصلح بدن کا قبیل ہے جس طرح توشہ دان بنانے کے لئے سینا، وضع قطع کرنا، اور دباغی کے فنون کفیل ہیں، اس لئے جو تعلق ان چیزوں کو مقصد کے ساتھ ہے۔ وہی رتبہ علم کو اپنے مقصد سے ہے۔ سلوک استعداد اور مقصد کے بارے میں ان لوگوں نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بالکل درست اور بے عیب ہے، ان کا قول ہے

کہ اگر خدا کو دنیا کی آبادی منظور نہ ہوتی تو پرے اٹھ جاتے، غفلت دور ہو کر تمام دنیا کی مخلوق اللہ کی جانب دیوانہ وار متوجہ ہو جاتی۔ اور لوگ ہر اس بات سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے جو منزل مقصود سے بے تعلق کرنے والی ہے؛ لیکن ہر کس خیال خویش ضبطے دارو، اسی بے خبری کے ذریعہ سے کائنات کا قیام ہے۔ در نہ صنعتیں اور فنون سب را نگاں ہو جاتے، تم خود غور کرو کہ اگر درزی، حجام اور دوسرے کاریگروں کے دلوں سے ان فوائد کا اعتقاد جاتا رہے جو انہیں اپنے فنون کی جانب مائل کئے ہوئے ہے۔ تو وہ فوراً اُن سے دستبردار ہو جائیں۔ اور ہر ایک شخص اعلیٰ درجہ کی صنعتوں کی جانب جھک پڑتے نتیجہ یہی کہ صنعتیں اور فنون کی یہ کثرت نہ رہے۔ یہ اسباب و وجوہ ہیں جن کی بنا پر ارباب صنعت سے چیزیں تیار کروائی جاتی ہیں چنانچہ غفلت اور بے خبری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک لحاظ سے رحمت ہی ہے۔ اور بعض حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان اختلاف امتی سرحجتہ میری امت کا اختلاف بھی رحمت ہے؛ گو اسی بات پر معمول کیا ہے۔ یعنی اُمیوں کی ہمتوں اور رجحانات کا اختلاف باعث رحمت ہے۔ اگر خاک و دب کو معلوم ہو جائے کہ اس کا پیشہ بے سود اور لغو ہے تو وہ اُسے آج ہی چھوڑے۔ پھر علما، خلفاء اور اولیاء کو خود اپنی نجاست اٹھانی پڑے۔ یہی حال دباغی، حدادی، زراعت، اور تمام پیشوں کا ہے۔ چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو علم فقہ، علم نحو، علم فرائض، حروف، اور طب کا لوگوں کے دلوں میں جا گرین ہونا منظور نہ ہوتا تو یہ علوم بالکل بے کار اور معطل ہو جاتے۔ اور نظام عالم درہم برہم ہو جاتا۔ جو شخص کسی علم یا صنعت میں تمام دوسرے خیالات کو چھوڑ کر مصروف ہو اس کے لئے یہ شرط نہیں کہ اپنے رتبہ اور اپنے مافوق کی نسبت کے مطابق اطلاع حاصل کرے۔ بلکہ اپنے سے نیچے والوں کے قدر اور نسبت کے موافق اسے معلوم ہونی چاہئیں، معلوم کے تمام مراتب سے مطلع ہونا تو صرف اسی شخص کی قسمت میں ہوتا ہے جو تمام علوم کا مشغول ہو۔ یہی وہ شخص ہے جس کو اللہ نے حکمت عطا فرمائی ہے اور حقائق اشیاء کا کما حقہ مشاہدہ کر دیا ہے۔ تو یہ جواب ہے اُن کا اس کے بعد ہم تمہیں یہ رسلے دیتے ہیں، کہ جس بات میں تم مصروف ہو، اسی پر اکتفا کرو؛ یا اُن لوگوں کے رستہ پر چل پڑو۔ اور اس فن میں حق و صداقت کی شناخت کے لئے بحث و نظر سے کام لو۔

روظیفہ ڈھم) یہ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھے اُس سے اس کا مقصود دنیا میں اپنے نفس کا کمال اور فیضیت ہو۔ اور آخرت میں تقرب الی اللہ ریاست و جاہ، مال و منال اور محمول کا خیر و مباحات، اور علما کی ریاکاری مطلوب نہ ہو۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من تعلم العلم لیسوا ہی بہ السفہا و یمادی بہ العلماء و دخل الذلہا جو شخص بے وقوفوں پر غر کرے اور علما کے دکھاوے کے لئے علم حاصل کرتا ہے وہ دوزخ میں جائیگا۔ اوپر گذر چکا کہ اللہ تعالیٰ عزوجل تک علوم کے ذریعہ سے رسائی حاصل کرنے کے لئے ان کے مختلف مدارج و منازل ہوتے ہیں۔ ان علوم کے ساتھ مضبوطی سے قائم رہنا ایسا ہی ہے جیسے جہاد کے رستہ میں نگہبانی کے لئے پہرہ دار مقرر کرنا جب کوئی شخص ہر ایک علم کا مرتبہ پہچان لے، اس کا حق ادا کرے۔ اور اس سے صرف رضائے الہی مقصود رکھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر کبھی ضائع نہ کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے علم کے درجہ کے مطابق دنیا اور آخرت میں ہندی عطا فرماتا ہے۔ ارشاد الہی ہے۔ یرفعہ اللہ الذین آمنوا و منکروا الذین او تو العلم در سجات۔ اللہ تم میں سے مومنوں اور عاملوں کو بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ اور فرمایا ہم در سجات عند اللہ ان کو اللہ کے نزدیک مدارج حاصل ہیں۔ صوفیوں کا مسلک جو ہم نے علوم کے متعلق بیان کیا ہے۔ اسی سے تمہارا دل میں علوم کے متعلق بدظنی نہ پیدا ہونی چاہئے، کیونکہ ان کا مقصد اس سے حقارت معلوم نہیں، بلکہ یہ تو ہر ایک مسلمان کا فرض ہے کہ ان کی حرمت اور عظمت کی نگہداشت کرے۔ انہوں نے علوم کے متعلق اولیاء اور انبیاء کے مرتبہ کی علوشان مد نظر رکھتے ہوئے گفتگو کی ہے۔ بعینہ جس طرح تم اولیاء اور انبیاء کے مقابلہ پر ساطین و وزرا کو کتے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو۔ لیکن جب انہی کے رتبہ کو تم خاک و بولہ اور چاروں کے مرتبہ سے قیاس کر دو۔ تو انہیں اس طرح ذلیل کہنا درست نہ ہو گا۔ بلند ترین مرتبہ سے اتر آئے سے کسی چیز کی بالکل ہی قدر و منزلت تو برباد نہیں ہو جاتی، چنانچہ سب سے اوپر کا درجہ نبی اکا ہے۔ پھر اولیاء کا۔ پھر علما کا۔ اپنے اپنے مراتب کے تفاوت سے پھر نیک عمل کرنے والوں کا، مختصر یہ کہ من یعمل مشقال خسر ثوابہ جو رانی برابر بھی نیکی کرے گا اس کا اجر پائے گا۔ اور جو شخص قرب

الہی کا علوم کے ذریعہ سے قصد کر لیا اُسے اللہ تعالیٰ لامحالہ فائدہ دیگا اور نعمت قدر عطا فرمائے گا۔ یہ وظائف تو معلم کے لئے ہیں +

راہِ معلم تو اس کے لئے اُنھ باتیں قابلِ توجہ ہیں، سب سے پہلے یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ انسان کے لئے علم کے لحاظ سے چار حالات ہیں جس طرح مال جمع کرنے کے اعتبار سے چار صورتیں ہیں؛ اول استفادہ کی حالت جس سے وہ اکتساب کرتا ہے؛ دوم جو مال اس نے کمایا ہے۔ اُسے ذخیرہ کرتا ہے۔ اس سے وہ دوسرے لوگوں سے سوال کرنے سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ سوم اس مال کو اپنی جان پر خرچ کرنے کی صورت ہے۔ اس میں انسان مال سے نفع اٹھاتا ہے۔ یا چارم کمائے ہوئے مال کو دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا ہے۔ تو صاحبِ عزت اور سخی کہلاتا ہے۔ یہ چاروں صورتوں میں افضل ہے۔ یہی حال علم کا ہے۔ صاحبِ علم کا ایک حال یہ ہے کہ وہ طالبِ علم ہے دوسرے وقت میں جب وہ تحصیلِ علم سے فارغ ہو چکا ہے تو دوسرے لوگوں کا دستِ نگر ہونے سے مستغنی ہے۔ تیسری استبصار کی صورت ہے یعنی جو کچھ اس نے چل کیا ہے اس میں تفکر کرتا ہے۔ چوتھی صورت تبصیر اور تعلیم کی ہے۔ اور یہ سب صورتوں سے اثرات اور بزرگتر ہے +

جس شخص کا علم سے سابقہ پڑے پھر وہ خود بھی استفادہ کرے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچائے تو وہ سوچ کی طرح ہے جو خود بھی روشن ہے۔ اور دوسروں کو بھی منور بناتا ہے۔ یا ستوری کی مثال ہے جو خود بھی خوشبودار ہے اور دوسروں کو بھی مضربِ قتی ہے! اور جو شخص دوسروں کو نفع پہنچائے لیکن خود فائدہ نہ اٹھائے وہ گنہ گار کی مانند ہے۔ کہ دوسرے اس سے متنع ہوتے ہیں۔ لیکن اُسے خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا +

وظیفہ اولیٰ یہ ہے کہ معلم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ وہ متعلم کو اپنے بیٹے کی مانند سمجھے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں تم پر ایسا ہی مہربان ہوں جیسے باپ اپنے بیٹے کے لئے ہوتا، اور متعلم کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ استاد کا حقِ باپ سے بھی زیادہ ہے؛ کیونکہ باپ تو بیٹے کی حیاتِ فانی کا سبب ہے اور استاد اس کی حیاتِ ابدی کا موجب، چنانچہ جب سکندر نے کسی سے پوچھا کہ آپ کے نزدیک آپ کے استاد کی عزت زیادہ ہے یا باپ کی، تو جواب دیا میرے استاد کی +

جس طرح ایک باپ کے بیٹوں کا فرض ہے کہ آپس میں محبت اور پیار سے رہیں اور بغض و عناد نہ رکھیں اسی طرح ایک استاد کے بیٹوں کا حق ہے کہ اس سے شاگرد بغض و عناد نہ رکھیں اور محبت سے پیش آئے! بلکہ ہم تو کہیں گے کہ سب دینی بھائیوں کا یہی حق ہے۔ علماء سب خدا کی جانب جانے والے مسافر ہیں! اور اس کے رستہ کے سالک اور مسافروں کو جو ایک ہی رستہ پر چل رہے ہیں آپس میں گہرا پیار اور مودت رکھنی چاہئے چنانچہ علمی برادری کو پیدائشی اخوت پر فوقیت حاصل ہے +

آپس میں بتا غرض و تحاسد اس وقت پیدا ہوتا ہے جب انہیں علم سے مال و جاہ کا حصول مقصود ہو۔ جب یہ حالت ہو تو خدا کے رستہ پر چلنے کی منزل سے نکل جاتے ہیں۔ اور ارشاد الہی کے: **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْمُؤْمِنِيْنَ** (مسلمان سب بھائی بھائی ہیں) سے خارج ہو کر اور خدا کے اس قول کے اندر داخل ہو جاتے ہیں کہ **الْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ** (المتقین قیامت کے روز دنیا کی دوستیاں ختم ہو جائیں گی اور سوائے متقیوں کے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے) +

وظیفہ مادی و دینی ہے کہ شارع علیہ اسلام کی اقتداء سے سرِ مو باہر نہ ہو، اور نہ ہی تعلیم دینے کا کوئی اجر اور معاوضہ طلب کرے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **قُلْ لَا اسْتِغْنٰمَ عَلَیْہِ اَجْرًا** اے رسول کہہ دو کہ میں تعلیم شریعت کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا چنانچہ جو شخص علم کے ذریعہ سے مال و دولت اور اغراض دنیا طلب کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند ہے۔ جس نے ہاتھوں کی مدد سے کچل کو اپنے چہرے اور ڈاڑھی سے ملکر ہاتھوں کو صاف کر لیا۔ اس نے مخدوم کو خادم بنا دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لباس اور غذا میں بدن کی خدمت گزار پیدا کی ہیں! اور بدن کو نفس کا خادم اور مرکب بنایا ہے! اور نفس کو علم کا چاکر مقرر کیا ہے علم مخدوم ہے خادم نہیں۔ اور مال خادم ہے مخدوم نہیں! اس حقیقت کے عکس کے معنی ہی گمراہی ہیں +

تعجب ہے کہ حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے، زمانہ اس قدر پٹا کھا چکا ہے، اور زمین علمائے دین سے اس طرح خالی ہو چکی ہے کہ معلم اب معلم کی تقلید میں تعلیم حاصل کرتا ہے تو احسان جتا تا ہے۔ اس کے بالمقابل بیٹھتا ہے! اور اپنے استفادے سے دنیوی اغراض کا لالچ مانتا نظر رکھتا ہے! یہ ذلت و پستی کی انتہا ہے۔ اس کی وجہ صرف

یہ ہے کہ معلمین ریاست و مجلس کی آرزو میں کثرتِ متعلمین کے نئی نئی ہوتے ہیں۔ ایک تو علم انہیں کم ہوتا ہے۔ دوسرے ذاتی طور پر انہیں اپنے کمال سے کوئی ذوق نہیں ہوتا نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم بھی ان سے بھی پزیرِ مجلس کرتے ہیں +

تیسری اہم اور غور طلب بات یہ ہے کہ طالب علم کو نصیحت کرنے کے وقت ذیلِ ذوا نہ کرے، اُسے بد اخلاقیوں سے روکنے کے لئے یا اپنے استحقاق سے مافوقِ رتبہ کے شوق اور اپنی طاقت سے بڑھ کر محنت کرنے سے باز رکھنے کے لئے یا غایتِ علوم سے آگاہی دینے کے لئے تفریح سے کام نہ لے اگر استاد دیکھے کہ کوئی شاگرد صرف طلبِ جاہ و مال اور فخر و مباهات کے لئے تعلیم حاصل کر رہا ہے، تو اُسے تعلیم حاصل کرنے سے روکے نہیں، کہ اس کا علم سیکھنے میں مشغول ہونا اس سے بہتر ہے کہ وہ اس سے اعراض کئے کیونکہ ممکن ہے کہ جب وہ علم کا اکتساب کرے تو حقیقتِ نفسِ لامرئی سے آگاہ ہو جائے اور جان لے کہ اعراضِ دنیوی کے لئے علم حاصل کرنے والا زیاں کار ہے۔ علمائے کرام نے اس مفہوم کو اپنے قولِ ذیل سے واضح کیا ہے۔ کہ ہم نے جب غیر اللہ کے لئے علم سیکھا تو علم نے ماسوا اللہ کے لئے ہونے سے انکار کر دیا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو اللہ کے لئے علم حاصل کرنے کی رغبت نہ ہو، تو چاہئے کہ انہیں علم کی کسی ایسی نوع کی طرف دعوت دیں جس سے جاہ و مال حاصل ہو۔ پھر انہیں طمعِ ریاست کے ذریعہ سے وہ علم سکھائیں، یہاں تک کہ علم حاصل ہونے کے بعد بتدریج وہ حق کی طرف آجائیں۔ اسی لئے علمِ مناظرہ اور علمِ فقہ کا ترک کرنا مناسب ہے۔ کیونکہ یہ علوم ہمیشہ ابتداء میں طلبِ مباهات کے باعث ہیں، اور انجام کار فسادِ دینیت سے خبردار کر دیتے ہیں، اور انسان کو منہاجِ توہم کی طرف لے آتے ہیں، اس مفہوم کے بعینہ مطابق ہے۔ جاری وہ مثال جس میں ہم نے کہا تھا کہ بچے کو ریاستِ جاہ و مال کے لالچ و لاکر تعلیم کی جانب مائل کیا جائے۔ ہم اُسے چوگان کھیلنے، پرندے خریدنے اور لمو لعب کے اسباب کا طمع دلاتے ہیں اور بعض اوقات ہم اُسے ان باتوں میں مطلق مصروف کر دیتے ہیں، تاکہ اس کے دل میں تعلیم حاصل کرنے کے دایعے پیدا ہوں، اس سے ہمارا مقصود یہ ہوتا ہے کہ آخر کار وہ ہماری مرضی اور فحش کی طرف بتدریج آجائے +

اللہ تعالیٰ نے علم سیکھنے کے ارادے کو شریعت اور علم کا نگہبان بنا دیا ہے طمع

ریاست اور نیک نامی کے ساتھ متعلمین کے دلوں میں علم کی آگ بھڑکانا ایسا ہی ہے جیسے بیل کو خوب پھیلانے کے لئے باغبان رستیاں اور لکڑیاں قریب قریب کاٹتے ہیں، یا جیسے غذا اور کھجور کی خواہش۔ ان دونوں کو خدا نے اس لئے خلقت کیا ہے کہ ان سے وہ داعی پیدا ہو جس سے شخصیت اور نوع انسانی کی بقا ہے۔ اور اگر علم مناظرہ کے بارے میں مصلحت پیش نظر نہ ہوتی تو اس کی کسی صورت میں اجازت نہ دی جاتی، کیونکہ اس کے ذریعہ سے کبھی تبدیلی مذاہب اور ترک معتقدات کی نوبت نہیں آتی۔

چوتھی اہم بات یہ ہے کہ جن باتوں سے شاگرد کو رد و کنا واجب ہے ان سے اسے تعریض کے ساتھ باز رکھنے کی کوشش کرے۔ تعریض کا استعمال نامناسب ہوگا کیونکہ تعریض یعنی اشارے کنا سے کام لینا زبردستی تو بیخ میں مفید ہوتا ہے۔ اور تعریض یعنی صاف صاف تنبیہ کرنے سے منع کی ہوئی بات کی دل میں اور خواہش پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لو ذنہی الناس عن ذنبت البعس لغفوة وقالوا ما نھینا عنہ الا و فیه شئی، اگر لوگوں کو نیکو شکل بکھیرنے سے منع کیا جائے تو وہ اسے ضرور بکھیرینگے، اور کہیں گے اس کے اندر کچھ نہ کچھ ہے تو ہمیں اس بات سے باز رکھا گیا ہے۔ آدم وحواء کا قصہ اس حقیقت کی میں مثال ہے بعض اوقات تعریض تعریض سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو نفوس فاضلہ استنباط غیر معروف باتوں کی کتنے معلوم کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں، وہ تعریض کے معانی معلوم کرنے کے لئے نہایت محنت سے مائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ تعریض استاد کے لحاظ اور رعب کا پردہ بھی چاک نہیں کرتی۔ حالانکہ تعریض کامل طور پر اس کی دھجیاں بکھیر دیتی ہے اور شاگرد میں مقابلہ کرنے کی جرأت پیدا کرتی ہے۔

وظیفہ پنجم یہ ہے کہ استاد کو چاہئے کہ علاوہ اس علم کے جو وہ اپنے تلامذہ کو پڑھا رہا ہے۔ دوسرے علوم کی انہیں نفرت نہ دلائے۔ جیسے معلمین لغت کا قاعدہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے فقر کی بڑائی بیان کر کے ان کو اس سے روکتے ہیں، اور فقہاء کی عادت ہے کہ علوم عقلیہ کی منسی اڑا کر شاگردوں کو ان کے قریب پھٹکنے سے منع کرتے ہیں۔ بلکہ چاہئے کہ طالب علم کے دل میں اوپر کے علم کی قدر و منزلت بٹھائے۔ تاکہ وہ موجودہ علم میں تکمیل کا درجہ حاصل کر کے اس میں مشغول ہو جائے۔ اور اگر استاد دو دو علم

پڑا سکتا ہے۔ تو جب شاگرد ایک علم سے فانی ہو تو دوسرے علم کے حصول کی طرف ترقی کرے، اور اسی طرح بتدریج اہم پر پڑھتا جائے +

وظیفہ شششم یہ ہے کہ طالب علموں کے سامنے وہی چیز پیش کرے جو ان کے اہتمام و اذہان کے حسب حال ہے۔ چھوٹے ہی انہیں تاثر توڑ بیک وقت جلی سے ذوق کی طرف اور ظاہر سے غنی کی سمت نہ لیا جائے۔ بلکہ کافہ انام کے معلم اور مرشد کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی استعداد کے مطابق انہیں ترقی دے فرمایا۔ انا معشر الانبیاء امرنا ان نازل الناس مناسر لہم ولکلم الناس بقدر عقولہم ہم معشر انبیاء کو حکم ہے کہ لوگوں کے مقام کے مطابق نیچے اتریں اور ان کی عقل کے مطابق گفتگو کریں۔ اور فرمایا اٰلِہٖد یٰدِثَہٗ قَوْمًا ہٰدِیۡنَ لَا یَبْلَغُہُمْ عَقْلُوہُمْ اِلَّا کَانَ ذٰلَکَ فِتْنًا عَلٰی بَعْضٍ جَبَّ کُوْنِیْ شَفْصَ لَوُگُوں کے سامنے کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کی بندی کو ان کی عقلیں نہیں پہنچ سکتیں۔ تو وہ بات ضرور ان میں سے بعض کے لئے باعثِ فتنہ ہو جاتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دنیا میں علوم کی ایک کثیر تعداد ہے۔ کاش ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا موقع ملتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صلّو الناس بما یرفون ودعوا ما ینکون اتریدون ان ینکذب اللہ ورسولہ لوگوں سے وہ باتیں کہ جن کو وہ سمجھ سکتے ہیں، اور ان باتوں کو چھوڑ دو جن کا وہ انکار کر دیں گے، کیا تم چاہتے ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلا بیٹھیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد کیا۔ ولوعلم اللہ قیہم خیرا لاسمعہم اگر اللہ ان کے اندر کوئی بھلائی دیکھتا تو انہیں سنا کے رہتا۔ ایک دفعہ کسی محقق سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس نے بتانے سے گریز کیا۔ سائل نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من کتم علما نافعاً جاء یوم القیامہ ملجماً بلجام الناس جس شخص نے کوئی نفع بخش علم چھپایا تو وہ قیامت کے دن آگ کی لگام منہ میں لے کر آئیگا محقق نے کہا لگام کو پھینک اور یہاں سے چلا جا۔ اگر کوئی سمجھ دانشور آیا اور میں نے اس سے علم چھپایا تو وہ مجھے لگام دے لیگا۔ اللہ تعالیٰ نے ولا تؤنوا السفہاء اموالکم اپنے مال سفہاء کو نہ دو فرما کر اس بات کی تنبیہ

کی ہے کہ علم کی حفاظت کرنا اور اُسے روک رکھنا اس شخص سے جو اُسے خراب کرے
 اولیٰ ہے۔ اور فان انستم منهم سرشدا فادفعوا اليهم اموالهم
 پھر جب ان کو صاحبِ تمیز معلوم کرو۔ تو ان کے مال ان کو دیدو۔ ارشاد کر کے حقیقت
 واضح کر دی؛ کہ جو شخص علم میں صاحبِ تمیز ہو جائے تو چاہئے کہ اس کے سامنے حقائق
 علوم کھول دے۔ ظاہر اور حلی سے باطن کے دقیق اور غنی مسائل کی طرف لے چلے۔
 چنانچہ مستحق سے کسی چیز کو روک رکھنا غیر مستحق کو وہ چیز دیدینے سے کم ظلم نہیں متعقلین
 میں سے کسی شاعر کا قول ہے

فمن سخر المجہال علما عسا ومن منع المستوجبین فقد ظلم
 جو شخص جاہلوں کو علم سکھاتا ہے اُسے ضائع کرتا ہے۔ اور جو مستحقین سے اُسے روکتا ہے
 وہ بھی ظلم کرتا ہے +

حقیقی علوم کو مستحق لوگوں سے چھپا رکھنا بھی بہت بری بات ہے۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی
 ہے : واذ اخذ اللہ ميثاق الذین اوتوا الكتاب للتبیین للناس و لا تکتھمون
 جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ وہ تعلیم حق کا اعلان کریں گے اور لوگوں سے
 نہ چھپائیں گے +

وظیفہ ہفتہم یہ ہے کہ کند ذہن اور غبی طالبِ علم سے ایسی گفتگو کرے۔ جو
 اس کے فہم کو حوصلہ مند کرے؛ اُس سے یہ کبھی نہ کہے کہ جو کچھ میں نے بتایا ہے وہ تحقیق
 اور تدقیق کے لحاظ سے تمہاری پہنچ سے بالاتر ہے۔ اس کے پیچھے نہ پڑو؛ کہ اس سے
 اس کی رستے میں خرابی واقع ہوگی۔ اور جو کچھ اُسے بتایا جائیگا اور علم سے جو کچھ اُسے دیا جائیگا
 وہ اُسے قبول کرنے سے نا قابل ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے استاد کو چاہئے کہ اس کے دل
 و دماغ میں یہ بات ڈال دے کہ جو کچھ میں نے تمہیں بتایا یہی اصل مقصود ہے؛ پھر جب وہ
 اس پر متقل طور پر قائم ہو جائے تو اُسے بتدیرج دوسری باتوں کی طرف ترقی کرائے اس
 سے یہ بات بھی جاننے کے قابل ہے کہ غوام میں سے جو شخص قیدِ شرع کے اندر اپنے تئیں
 بند کرے؛ اور ظاہری طور پر اعتقادات رکھے؛ اور اس کی سیرت کے لحاظ سے اُس کا حال
 پسندیدہ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اس کے اعتقاد کو متر لزل اور شوش کرے؛ اور ظواہر
 کی تاویلات پیش کرے کہو کہ اس سے نتیجہ یہ نکلیگا۔ کہ اہستہ اہستہ شریعت کی قید سے وہ

بے پرواہ ہو جائے گا۔ پھر خوش کی تحقیق کے اندر وہ مقید نہ ہو سکیگا، انجام یہ ہوگا کہ اس کے اور برائیوں کے درمیان جو دیوار حائل ہے اٹھ جائیگی اور وہ شیطان اور شریر ہو جائیگا، بلکہ چاہئے کہ عبادات ظاہری، کے علم اور اس صنعت میں دبانت داری سے کام لینے کی طرف (جس کے وہ قریب ہے) اس کی رہنمائی کرے۔ اور اس کے دل کو ترغیبِ مہیب سے لبریز کرے۔ اس کے لئے طریقہ وہ استعمال کرے جو قرآن نے کیا ہے۔ اور شاگرد کے دل میں شبہات نہ پیدا ہونے دے لیکن اگر شک و شبہ سراٹھالے۔ اور اس کا دل ان کے حل کرنے کے شوق میں گرفتار ہو جائے تو اس کے شبہات کا ازالہ اس طرح کرے جس طرح ایک عامی کو سمجھایا جاتا ہے۔ اگر اس سے کام نہ چلے تو دلائل کے حقائق کے ذریعہ سے عمل پیرا ہو۔ یہی نامناسب ہوگا کہ اس کے سامنے باب بحث و طلب کھولے کہ اس سے اس کی کاریگری اور صنعت کو نقصان پہنچے گا۔ جو صفحہ زمین کی رنگینی کی باعث اور خلقت کے نفع کی موجب ہے۔ پھر درکِ علوم سے بھی وہ قاصر رہیگا۔

اگر استاد اپنے شاگرد کو ذکی الطبع اور ذہین پائے، اور حقائقِ عقلیہ کے قبول کرنے کے لئے مستعد دیکھے۔ تو اسے اجازت ہے کہ تعلیم میں اس کی امداد اور حلِ شبہات میں اس کی اعانت کرے۔ اُمم سابقہ میں سے کسی کے متعلق حکایت کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک مدت تک تعلیم کے اخلاق کی خبر گیری کرتے تھے۔ پھر اگر اس میں کوئی عیب پاتے تو اسے تعلیم دینے سے انکار کر دیتے۔ اور کہتے کہ علم کے ذریعہ سے وہ اپنے بُرے اخلاق کے تقاضے کے مطابق امداد حاصل کریگا، اور علم اس کے حق میں آلہ شرارت بن جائیگا۔ اور اگر اُسے مذہبِ اخلاق کا پاتے، تو اُسے مدرسے میں بند کر دیتے۔ اُسے پڑھاتے سکھاتے اور درجہ تکمیل حاصل کرنے سے پہلے اُسے نہ چھوڑتے، وہ ڈرتے کہ اگر صرف چند علوم پر اس نے اکتفا کر لیا تو اس کی تعلیم کمال حاصل نہ کریگی۔ اس کا دل خراب ہو جائیگا اور اس کے ساتھ اس کا اپنا دین اور دوسروں کا دین برباد ہو جائیگا۔ اسی کے متعلق کہا گیا ہے نیمِ ملاحظہ ایمان، نیمِ حکیم خطرہ جان، وہ دین میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اور یہ زندگی کو برباد۔

وظیفہٴ ہشتادم معلم کے لئے ضروری ہے کہ علمِ عملی یعنی شریعت پر خود کار بند ہو۔ تاکہ اس کے قول کی تکذیب اس کا فعل نہ کرے۔ ورنہ لوگ اس سے ہٹا

درہنائی حاصل کرنے سے نفرت کر جائینگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمل بصارت کو نظر آتا ہے اور علم سے صرف بصیرت واقف ہوتی ہے۔ اور بصارت ظاہری کے مالک صحابہ بصیرت سے زیادہ ہیں۔ اس لئے یہ لازمی بات ہے کہ تزکیہ اعمال کی طرف اس کی توجہ بہ نسبت خوبی علم اور اس کے توسیع سے زیادہ ہو۔ چنانچہ جو طبیب خود تو ایک چیز کھائے اور لوگوں کو اس سے روکے اور کہے اسے مت کھانا یہ زہر ہے زہر تو اس کی یہ بات مذاق اور حماقت سمجھی جائیگی، اور لوگ اس شے کو سب سے زیادہ نفع بخش تصور کریں گے، یہی وہ شخص ہے جو لوگوں کو کسی چیز سے باز رکھنا چاہتا ہے لیکن الٹا اُسے اور مرغوب اور مطبوع بنا دیتا ہے، نصیحت سننے والا شخص وعظ سے دہی جیٹیت رکھتا ہے، جب کسی چیز میں نقش ہی نہیں تو اس سے مٹی کیسے نقش حاصل کیگی اور سایہ کیسے سیدھا ہوگا جبکہ لکڑی ٹیڑھی ہے اسی کے متعلق شاعر نے کہا ہے ۵

لا متہ عن خلق و تأتئ مثلہ عا علیک اذا فعلت عظیم
جو کام تم خود کرتے ہو اس سے لوگوں کو منع نہ کرو۔ جب تم خود کر دگے تو زیادہ شرم کا مقام ہوگا
اللہ تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے۔ اتاہرون الناس بالبر وتنسون انفسکم
کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھلا دیتے ہو۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ علم کے گناہنا ہوں کا بوجھ غیر عالم کے بوجھ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس کی پیروی کی جاتی ہے اور وہ بوجھ پر بوجھ اٹھاتا ہے۔ جیسے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من سن سنتا سیستہ فعلیہ و ذرہا و ذر من عمل بھا الی یوم القیامتہ
جو شخص کوئی برائے طریقہ رائج کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہے۔ اور وبال ہر اس شخص کا جو اس پر عمل کرے، قیامت تک۔ تو ہر ایک گنہگار کے لئے ہر ایک معصیت میں ایک بات قابل توجہ ہے یعنی ترک معصیت اور ترک اظہار، تاکہ لوگ اس کے اتبع میں ٹلک نہ ہوں چنانچہ جب اس نے اس گناہ کا اظہار کیا۔ تو اس نے دو فرائض سے اعراض کیا۔ اور اگر اس نے اخفا سے کام لیا تو ایک جب امر کے ترک کا ارتکاب کیا چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قصہ ظہری سرجان جاہل مستنسک و عالم متہتک
خالجاہل بغیر الناس بنسک، و العالغلیفہم بہتہتک دو شخصوں نے میری کمر توڑ دی جاہل پرستار اور عالم بے باک نے کہ جاہل لوگوں کو اپنی پرستاری سے فریب

میں ڈالتا ہے اور عالم اپنی بے باکی سے ان کا ایمان چھینتا ہے۔

فصل

مال حاصل کرنا اور اسکے اکتساب کے ضروری امور

معلوم رہے کہ حب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ۔ اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے تو اس میں بھلائی ہے نفع بخش اور زہر ہے ہلاکت انگن۔ دنیا کی مثال سانپ کی سی ہے کہ عرق نکالنے والا اس میں سے زریاق نکالتا ہے اور ناواقف پکڑتا ہے تو بے خبری میں اس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں، مال اوسط درجے کی نیکیوں میں سے ہے۔ کہ ایک لحاظ سے وہ فائدہ مند ہے اور ایک اعتبار سے مضرت رسان، اس لئے اس کے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اس کے سود مند حصہ پر اکتفا کیا جائے۔ اور اس کے ہلاکت آفرین حصہ سے احتراز اصل بات یہ معلوم کرنا ہے کہ مقاصد کے لحاظ سے مال کا کیا مرتبہ ہے، تمام امور کی بنیاد حقائقِ ہستی کا علم ہے اس لئے ہم کہتے ہیں، سعادت اخروی کے طالب اور ملاحشی کے لئے چند اہم اور ضروری باتیں ہیں۔ جو اسے مال کے طامع میں آمد و خرچ اور استعمال کی مقدار واجب کے اعتبار سے مد نظر رکھتی چاہئیں۔

پہلی بات مال کے مراتب کی پہچان ہے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ فراہمی زر کے لحاظ سے تین مرغوب صورتیں ہیں، پہلے نفسی پھر بدنی پھر خارجی، خارجی سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے، ہر قسم کا مال خارجی قسم میں داخل ہے، اور اس کی اٹھ صورت درہم و دینار اور روپے پیسے ہیں۔ کہ یہ دونوں خادم ہیں، اور ان کا خادم کوئی نہیں کیونکہ نفس فضائل نفسیہ کے لئے علم کا خدمت گزار ہے، اور بدن نفس کا نوکر ہے۔ اور اس کے ہتھیار کا کام ہے، اور غذا و لباس کی چیزیں بدن کی چاکریں، اوپر گزر چکا ہے کہ غذا کی چیزوں سے مقصود بدن کی بقا ہے، اور بدن سے مقصود تکمیل نفس، تو جس نے اس ترتیب کو معلوم کر لیا۔ اور اس کی رعایت ملحوظ رکھی، اس نے مال کی قدر و منزلت اور اس کے مرتبہ کی وجہ معلوم کر لی، اور مال کے شرف و مجد کی بلحاظ اس امر کے کہ وہ کمال نفس کے لئے ضروری ہے پہچان حاصل

کر لی، جو شخص کسی چیز کی غرض و غایت سے واقف ہو جائے اور اس مقصد کے لئے اسے استعمال میں لائے۔ تو وہ شاید کامرانی سے ہم کنار ہو جاتا ہے، اس وقت اسے چاہئے کہ صرف اسی قدر طلب کرے جس قدر اس کے مقاصد کے حصول میں امداد و اعانت کے لئے مفید ہو۔ اس مثال سے اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے مال کی مذمت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ کہ فرمایا۔ انما اموالکم واولادکم فتنہ، تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے فتنہ ہیں۔ اور نیز اس اشکال کا جو اللہ تعالیٰ کے مال کا احسان جتانے سے برپا ہوتا ہے کہ فرمایا وحمید دکم باموالی وبنین، اللہ تمہیں مال اور بیٹوں کے ذریعہ سے امداد دیتا ہے، اس لئے مال اس لحاظ سے کہ وہ وسیلہ آخرت ہے پسندیدہ ہے۔ اور اس اعتبار سے کہ وہ آخرت سے روگردان کر دیتا ہے مذموم ہے اسی لئے مہر عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نعم المال الصالح، سب سے اچھا مال وہ ہے جو اعمال صالح میں امداد کرے، اور قرآن میں ہے۔ لا تلهکم اموالکم واولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ہم الخاشعون، مسلمانو تم اپنے مال اور بچوں کی محبت میں اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جائیے اور جو ایسا کریگے وہی خاص و ناکام ہو گئے۔ بھلا نامراد خاصہ کیوں نہ ہو وہ شخص جو اپنے سواری کے جانور کے لئے جو خریدتا ہے۔ پھر جانور کو تو بھول جاتا ہے اور جو کی صفائی اور اسے ماپنے اور اس کے گرد دیوار تعمیر کرنے میں مصروف و مشغول ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جانور بھوک کے مارے ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہی مثال ہے اس شخص کی جس کی دنیا اس کی آخرت کو پرے پھینک دے اور یہی سب سے بڑا گناہ ہے، بلکہ یہ مثال ہے تمام لوگوں کی دنیا کی شیعشتی اور اس کی لذات پر جھکے پڑنے کی، جیسے ایک کشتی میں دو شخص سوار ہوں، اور وہ کسی شہر شہر کی طرف روانہ ہوں، جہاں کسی اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونے کی توقع ہو، لیکن کشتی انہیں لے کر کسی ایسے جزیرے کے ساحل سے جاگے جہاں حبشیوں کی آبادی ہو، وہ انہیں کہیں کہ نہانے دھونے کے لئے کشتی سے نکل آؤ۔ اور ایسا نہ ہو کہ جزیرے کے وحشی تمہیں نقصان پہنچائیں پھر وہ انہیں خوبصورت پتھر اور دلفریب چیزیں دکھائیں، وہ مسافران پر فریفتہ ہو کر ان کے ساتھ شامل ہو جائیں، اور کشتی سے دور ہو جائیں۔ سفر اور مقصد کو بھول جائیں، اور کھیل کود اور لہو لعب میں مصروف ہو جائیں، یہاں تک کہ کشتی سمندر کی لہروں میں بہ جائے اور تباہ

کی تاریکی اپنی سیاہی رُفتے عالم پر پھیلائے۔ پھر حبشی ان پر پل پڑیں انہیں زد و کوب کریں اور مائے طمانچوں کے منہ لال کر دیں۔ اس وقت انہیں وہ خوبصورت پتھر وغیرہ کوئی فائدہ نہ دیں۔ تو ان میں سے ایک چلائے یا لیتنی کنت ترا با لے کاش میں مٹی ہوتا۔ دوسرا رو کر کے ماغنی یعنی ہالیہ ہلک عفی سلطانیہ مجھے مال نے کوئی فائدہ نہ دیا میں برباد ہو گیا۔ وہ پکاریں و احسرتا ہم نے کیوں اللہ کے رستے سے علمدگی اختیار کی سوئے ابدی حسرت و ندامت کے انہیں کوئی چارہ نہ ہو۔ و رندوں اور سانپوں کا پڑوس ہو اور ذلت و رسوائی اور عذاب و مصیبت ان کا حصہ۔ جو لوگ متلع فیومی کے فریب خور وہ ہیں ان کی بعینہ ہی مثال ہے۔ اسی منظر عظیم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی پناہ مانگی تھی۔ اور کہا تھا اجنبکنی و بنی ان لنبدا الا صنما مجھے اور میری اولاد کو صنم بنائی ہے۔ دُور رکھیو۔ ان کی مراد بتوں سے ہی زرد و جواہر اور چاندی سونا تھی۔ کیونکہ نبوت کا رتبہ اس سے بہت بلند ہے کہ پتھروں کو خدا سمجھنے لگے +

اسی کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے سرخ و سفید جن میرے عہد وہ کسی اور کو جا کر فریب دے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی درہم و دینار اور سیم و زر کے متلاشیوں کو پتھروں کے پکاریوں سے تشبیہ دی ہے اور فرمایا بندگانِ پرہم و دینار کے لئے ہلاکت ہے۔

دوسری اہم بات آمد و خرچ کی صورتوں کی رعایت کے متعلق یہ ہے کہ آمدنی یا مال سے ہوتی ہے یا اتفاق حسنہ اور خوبی قسمت سے یعنی درشہ میں مال و دولت مل گیا، یا کوئی خزانہ لٹا یا پالیا، یا کسی سے بن مانگے کچھ بطور عطیہ مل گیا، یا کوئی کی صورتیں سب لوگ جانتے ہیں، غرض اگر مال ایسے طریقے سے حاصل ہوتا ہو جو شرعاً مذموم ہے تو چاہئے کہ اُسے حاصل نہ کرے، یا کوئی کی صورت وہی اچھی ہے جو شریعت کے مطابق ہو۔ در حلال و طیب طریقہ شریعت نے سب بتا دیئے ہیں چنانچہ اگر حلال و طیب مال ملے تو لیلے لیکن اگر حرام ہو تو اس سے اجتناب کرے، اگر بے سنج و تعجب حلال مطلق مال کے حصول کی طاقت ہو تو مشکوک مال کو جس کے متعلق خیال غالب اس کے حلال ہونے کا ہو، چھوڑے، کیونکہ جو جانور چرائگا کے گرد چرسے اندیشہ ہے کہ کسی وقت اس میں گھس جائے، اور اگر حلال مطلق روزی بہت طویل تکلیف و مصیبت اور وقت و محنت خرچ کرنے کے بعد حاصل ہوتی ہو تو دو صورتیں ہیں۔ اگر محنت و مشقت سے

کما کر کھانے والا عام اعتقاد کا آدمی ہے۔ اور عزم مصمم رکھتا ہے تو اُسے چاہئے کہ طلب حلال میں مشغول ہو۔ اگر اس میں اُسے سرخ و محنت اٹھانا پڑیگی، تو یہ بھی دوسری تمام عبادتوں کی طرح عبادت ہی گی۔ اگر تم اصحاب قلوب اور ارباب علوم سے ہو اور حلال مطلق کی تلاش اور کمائی میں وقت خرچ کرنے سے تمہارے شغل علم و عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ تو جو چیز بھی آسانی سے میسر ہو اس میں سے بقدر حاجت لے لو کیونکہ جو چیز محض مضر ہے وہ اس مضر محض شے کے مقابلہ پر مباح ہو جاتی ہے۔ جو اس سے زیادہ خراب ہے مثلاً جس شخص کے حلق میں لقمہ ایک جائے تو اُسے جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پی لے۔ یا ورکھو علم اور عمل کے برابر کوئی شے نہیں، ہر ایک اس کا خادم ہے تو جس طرح کسی غیر شخص کے مال کا نقصان کر لینا جان بچانے کی غرض سے جائز ہے۔ بلکہ خنزیر کا گوشت کھانا بھی حلال ہے۔ اسی طرح مشتبہ موقعہ پر حقیقت معلوم کرنے کی رغبت میں کسی کر لینا جائز ہے۔ ایسے موقع پر جاہل شخص کسی ایسی چیز کے چل کر لے کی طرف نہایت رغبت سے متوجہ ہوتا ہے۔ جسے عالم خود تو لیتا ہے اور جاہل کو روکتا ہے! کیونکہ جاہل شخص ان دونوں باتوں کے درمیان کے باریک فرق کا ادراک نہیں کر سکتا، اور عالم کو چاہئے کہ اس بات میں نرمی سے کام لے، تاکہ شیطان کے بند نہ کھل جائیں +

تیسری ضروری بات مقدار کا خیال رکھنا ہے۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ مال چل کر ناگزیر ہے تو اس کو حاجت مذکورہ کے مطابق ہونا چاہئے۔ لباس مکان اور غذا کے بغیر چارہ نہیں، اور ان تینوں کے لحاظ سے تین مراتب ہیں، ادفن، اوسط اور اعلیٰ مکان کا ادفن مرتبہ یہ ہے کہ اتنی جگہ ہو جہاں انسان لیٹ سکے، یا مسجد ہو، یا کوئی وقف شدہ عمارت ہو۔ اوسط درجہ مکان کا یہ ہے کہ اپنی ملکیت کی جگہ ہو، کوئی شخص مزاحم نہ ہو۔ اور تم تنہائی اختیار کر سکو! ورنہ جگہ تمہاری زندگی بھر تمہارے پاس رہے۔ یہ جن بنا اور کثرت آسائش کے لحاظ سے کمترین درجہ ہے۔ اور یہ کفایت کی حد ہے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک گھر ہو کھلا، وسیع، خوبصورت اور بہت ہی آرام دہ۔ اور اس میں قسم قسم کی آسائشیں ہوں جن کا کوئی شمار نہیں، جیسے تم دنیا داروں کے ہاں دیکھتے ہو یہ سب سے اوپر کا رتبہ ہے۔ درجہ اول ضرورت کے مطابق ہے کہ ممکن سے مقصد اتنی

جگہ ہے جس میں انسان ایٹم سکے۔ اس کے گرد دیوار ہو، جو درندوں کے گزند سے محفوظ رکھے۔ اور اس پر چھت ہو جو تمازت آفتاب اور بارش اذوق سے بچائے۔ لیکن اس پر صرف متنوکل لوگ ہی قناعت کر سکتے ہیں۔ اوسط درجہ مقدار کافی کی حد ہے۔ اور اس کے اوپر جو کچھ ہے دین سے خارج ہے۔ اور دنیا داری میں شامل اس کے کم مکان میں بیٹھنا بشرطیکہ اس کی خوبیوں کی طرف توجہ نہ جائے، اور اس کی آسائشوں اور دلنریسیوں میں مسرور و گرفتار نہ ہو۔ مباح ہے۔ رہا اس کی ترنمین میں وقت صرف کرنا تو یہ عوام کے لئے جائز ہے۔ فقہانے عوام کی جمالت قصور نعم اور ممنوع بات سے نہ رکنے کی عادت کو دیکھتے ہوئے اس کی ضرورت تجویز کی ہے۔ لیکن طریق تصوف میں یہ حرام ہے، تصوف سے ہماری مراد ہے اللہ کے قرب کی منزل کی طرف گام فرسا ہونے اور عبادات سے اور اس میں بھگڑنے کی کوئی بات نہیں، اسی لئے کہتے ہیں کہ صوفیا کی مباحات فرائض ہیں اور ان کے فرائض مباحات، یعنی مباح چیزوں سے بقدر ضرورت ہی لیتے ہیں۔ اور فرائض پر اسی طرح موانعت کرتے ہیں جس طرح وہ ان مباحات پر موانعت کرتے ہیں تو وہ ان کے نزدیک بلحاظ موانعت کے مباحات ہی ہوتے ہیں۔ اب غذا کا معاملہ آیا، یہ بنیادی بات ہے کیونکہ مسدہ نیکوں اور بدیوں کا سرچشمہ ہے۔ اس کے لئے بھی تین ہی مراتب ہیں، ادنیٰ درجہ بقدر حاجت مقدار ہے یعنی جو زندگی کو باقی رکھے اور بدن اور قوت کو قائم، اس کا کم کرنا بھی عادت کے ساتھ ممکن ہے۔ بعض اوقات غذا کو آہستہ آہستہ کم کرتے جانے سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دس بیس روز تک اس کے بغیر گزارا کرنے کا حوصلہ پیدا ہو جائے۔ بعض زاہدوں نے مقدار غذا کو میاں تک کم کر دیا تھا کہ روزانہ ایک چنے پران کا گذارہ تھا بعض نے بیس بیس دن تک کچھ نہ کھایا بعض کے متعلق چالیس دن مشہور ہیں، اور یہ بہت بلند رتبہ ہے۔ کوئی شخص اس سے بھی کم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اس بات کی قدرت نہ ہو تو درجہ اوسط ہی مناسب ہے، اور وہ میرا حصہ شکم ہے۔ بہر حال جس مقدار کی شریعت نے حد مقرر کر دی ہے۔ اس سے زیادہ کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور اس سے زیادہ شکم سیر می ہے۔ پھر نوع غذا کے لحاظ سے بھی انسان اوسط درجہ اختیار کرے جس طرح اس کی مقدار میں اس نے کیا تھا۔ وہ شخص کیا ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہے جو ہر لحاظ سے غذا میں کفایت کے درجہ کو

اپنا مسلک قرار دیتا ہے۔ لیکن قدر کفایہ کی تحدید بجا وقت مختلف ہوتی ہے، چنانچہ بسا اوقات انسان ایک دن کے کھانے کے لئے بے فکر ہوتا ہے تو دوسرے روز کے لئے دیکھتا ہو نہی اس کی حرص بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو جاتا ہے کہ میں ایک طویل عرصہ تک زندہ رہوں گا۔ اور وہ چاہتا ہے کہ اپنی تمام زندگی فراغت سے بسر کرے پھر اس کی بے شمار آرزوئیں اور حاجتیں برپا ہو جاتی ہیں۔ اور وہ چاہتا ہے کہ میں کثرت کے ساتھ خزانے جمع کر لوں، اور یہ گمراہی محض ہے۔ ذخیرہ کرنے والوں کے بھی تین درجے ہیں۔ اولیٰ درجہ ایک سات کی قوت ہے۔ سب سے بڑا درجہ وہ ہے جو ایک سال سے زیادہ ہو اور اوسط درجہ ایک سال کی خوراک ہے۔ سب درجے سے بلند درجہ یہ ہے کہ انسان کل کی فکر سے کج کے خیال تک آجائے۔ پھر آج کے خیال سے ایک گھڑی تک اور ایک گھڑی سے ایک سانس تک آجائے۔ ہر ایک سانس کے ساتھ خیال کرے کہ میں دنیا سے ابھی کوچ کرنے والا ہوں، اور روٹنے کے لئے تیار و مستعد رہے۔ جو شخص اس طریق عمل پر کار بند نہ ہو، اور جب ایک سال کی خوراک سے بے فکری حاصل کرے تو اگلے سالوں کی فکر میں پڑ جائے تو اس کا شمار مردودوں میں ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بحسب ان مالہ اخلہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا مال ہمیشہ رہیگا۔ میں فرمایا ہے :

لباس کے بھی تین درجے ہیں، اولیٰ درجہ بجا ظامقدار کے اتنا ہے جو ستر پوشی کو ہے یا ستر کے جملہ ملحقات کو ڈھانپ لے، اور اولیٰ قسموں کا اور کھردلدار ہو۔ اور وہ وقت کے اعتبار سے کم از کم ایک دن رات کے لئے ہو۔ جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے، کہ انہوں نے اپنی قمیص میں درخت کے پتے کا بیوند لگایا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ تو قائم نہ رہیگا، فرمایا کیا میں اس کے پھٹنے تک زندہ رہوں گا۔ لباس کا اوسط درجہ وہ ہے جو انسان کے حال کے مطابق ہو۔ نہ اس میں نعم اور آرام پسندی کا شائبہ ہو اور نہ حرام لباس جیسے رشیم کا جزو اس میں غالب ہو۔ اعلیٰ درجہ کپڑوں کا جمع کرنا ہے اور ان سے آرام طلبی کی کوشش ہے۔ جیسے کہ تمام دنیا داروں کا طریق عمل ہے +

اب نکاح کی باری آتی ہے اس کا ضافہ اس شخص کے باسے میں ہوتا ہے جس کا نفس افسے جماع پر مجبور کرے۔ اور اسی کے مطابق اس کی حاجت بڑھتی ہے۔ ہم نے اوپر بیان کیا تھا کہ نکاح کوئی پسندیدہ ہے اور کوئی نادموم، اور جو کچھ ہم نے اس فصل میں

ذکر کیا تھا وہی کافی ہے جو شخص ان امور میں کافی مقدار کی مساعدت سے شاد کام ہو، پھر اپنے دل کو ان کے علاوہ باتوں میں مشغول کرے تو وہ زیاں کار ہے۔ بلکہ ملعون۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من اصبح ايمانا في سر بعد معافاتي بدينه ولو قوت يومه فكانما خيروت له الدنيا بخير اذ يبرها جو شخص صبح کو بخریت جاگے اور اس کے گھر میں اس روز کی خوراک بھی موجود ہو، تو گویا دنیا نے اس کو اپنے دونوں کناروں سے گھیر لیا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ دنیا آخرت تک پہنچانے والی ہے۔ اور پہنچانے کے لئے اسی قدر زور اور راہ کافی ہے۔ پھر جو کچھ اس سے زائد ہے وہ مقدار کفایہ سے زائد اور فضول ہے اور اس کا وجود اور عدم وجود عقلمند کے نزدیک برابر ہے۔

چوتھی بات خرچ کرنے کے متعلق ہے جس طرح آمدنی کے وجوہات معین ہیں۔ اسی طرح خرچ کے لئے بھی مواقع مقرر ہیں۔ اور ان کے مراتب کا لحاظ رکھنا لازمی ہے آمدنی کی طرح خرچ کرنے کی صورتیں بھی بعض پسندیدہ اور بعض مذموم ہیں۔ خرچ کی پسندیدہ صورت وہ ہے جو لازمی ہے مثلاً دوسرے کو اپنے آپ پر تنج دینا ایسے طریقے سے جو شرعاً مستحب ہے، مذموم خرچ کی دو قسمیں ہیں، افراطی اور تفريطی۔ اول الذکر یہ ہے کہ اپنی حیثیت اور طاقت سے بڑھ کر صرف کرے، اور نادا جب طور پر جو چیز اہم ہے اس پر خرچ نہ کرنا۔ اور جو چیز غیر اہم ہے اس پر مال لٹائے جانا۔ موخر الذکر یہ ہے کہ جس موقع پر خرچ کرنا درست ہو وہاں ہاتھ روک لینا، اور اپنی وسعت اور مٹا سببت حال سے کم خرچ کرنا، جب بندہ درست طریق سے مال حاصل کرے اور درست طریق پر ہی خرچ کرے تو اس کا فعل پسندیدہ ہوتا ہے اور اس کو نیک، اجر مٹتا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ مال کی وسعت سے اور وہ اسکو نیک کاموں میں خرچ کرے تو کیا یہ اولیٰ ہے یا اس کے چل کرنے سے اعراض کرنا، تو معلوم ہونا چاہئے کہ لوگ اس بارے میں مختلف اخیال ہیں۔ ان کی تین قسمیں ہیں، اول وہ جو دنیا میں شہک ہیں، اور غصے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ ان کو قوی طور پر زبانی جمع خرچ بہت کرتے ہیں، ان کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ انہیں کتاب اللہ عبد الطافوت اور شر الدواب وغیرہ کا خطاب دیتی ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں، جو

مذکورہ بالا گروہ کے بخط مستقیم مخالف ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام توجہ عقبی پر صرف کر رکھی ہے۔ اور دنیا کی طرف التفات کرنا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔ یہ تارک الدنیا لوگ ہیں۔ صنعت سوم ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ دونوں گھروں کو اپنا اپنا حق دیتے ہیں۔ دنیا کو بھی اور عقبے کو بھی، یہ لوگ محققین کے نزدیک افضل ہیں۔ کیونکہ ان پر دنیا اور آخرت کے قوام کا دار و مدار اور انحصار ہے۔ ان میں تمام انبیا علیہم السلام شامل ہیں، لکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے بھیجا ہے کہ معاش اور معاد میں بندوں کے لئے مصلحت قائم کریں بعض کا خیال ہے کہ اس قول خداوندی میں یہی تینوں گروہ مراد ہیں، و کنتما ازواجاً ثلثہ فاصحاب المیمنہ، و اصحاب المیمنہ، و السابقون السابقون۔ اور تم تین گروہ تھے۔ اصحاب یمینہ۔ اصحاب شئمہ اور سابقون، تو جو شخص دین اور دین کی حیا کہ چاہئے رعایت رکھتا ہے۔ اور ان دونوں کو جمع کرتا ہے، اللہ کا نائب ہے۔ اس دنیا میں، اور اسی کا نام سابق ہے۔ اگر تم کو کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و ما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں نے جن و انسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا کے بندوں کی مصلحتوں کا خیال رکھنا بذات خود عبادت بلکہ تمام عبادتوں سے افضل ہے۔ حضور رسالت پنا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے الخلق کلہم عبال اللہ و احبہم الی اللہ الفعہم لعلیہم مخلوق خدا سب اللہ کا قبیلہ۔ اور جو اس کے قبیلہ کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے وہ اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اقبال سے

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں۔ تلوں میں پھرتے ہیں مائے مارے

میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

اگر تم کو کہ بعض محققین نے تو کہا ہے کہ لوگوں کے تین گروہ ہیں، اول وہ جو معاش سے بے فکر ہو کر اپنے معاد میں مشغول ہیں، یہ کامیاب و بامراد گروہ ہے۔ دوسرے۔ جو معاش سے بے پرواہ ہو کر خیال معاش میں غرق ہیں۔ یہ ہلاک ہونے والے ہیں تیسرے جو دونوں میں مشغول ہیں یہ خطرے میں ہیں۔ اور کامیاب شخص خطہ کی حالت والے شخص سے افضل ہے۔ تو معلوم ہونا چاہئے کہ اس بات میں ایک بعید ہے۔ کہ بلند مجھے

اور اعلیٰ مراتبِ خطرات و مہلکات میں کودنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ مذکورہ بالا امر بطور تحذیر و تنبیہ کے ہے، کہ اللہ کے بندوں کے معاملے میں خلافتِ الہی بہت جلد سے کہ مقام ہے، تاکہ جو شخص متقدم و رہبر نہیں رکھتا اس کی خواہش ہی نہ کرے۔ حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کے بیٹے کو علم و حکمت کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ حاصل ہو گیا۔ تو وہ لوگوں کو چھوڑ کر عزت گزین ہو گیا، اور دنیا سے بے رغبت، آخر اسے ایک بادشاہ نے لکھا کہ تم نے ہر اُس شے کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہم مصروف ہیں، تو اگر جس حالت میں تم ہو وہ ہماری حالت سے افضل ہے۔ تو ہمیں بتاؤ کہ ہم بھی ڈریں اور بچیں۔ لیکن بے دلیل و حجت قول کو میں کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ اس پر اس نے جواب دیا، سنو ہم شہنشاہِ رحیم کے غلام ہیں، جنہیں اُس نے دشمن سے لڑنے کے لئے بھیجا ہے اور ہم معلوم کر چکے ہیں کہ مقصد اس سے یہ ہے کہ ہم اُسے مغلوب و مقہور کر لیں۔ یا اس سے صحیح و سلامت بچ سکیں، جب میدانِ کارزار برپا ہوا تو ہمارے تین گروہ ہو گئے۔ اول خائف اور کمزور جنہوں نے بادشاہ سے معافی طلب کر لی۔ اس نے ان سے درگزر کیا۔ اور ان کو ملامت بھی کی مگر وہ تعریف کے سستی نہ ہوئے۔ دوم ہمتور جو بے سمجھے بوجھے دشمن پہل پڑے، تو اس نے انہیں بچھاڑ دیا اور مجروح کر کے مقتول کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے عذاب اور ناراضی کے لئے متوجہ ہوئے، تیسرے شجاع جو دیکھ بھال کر دشمن پر حملہ آور ہوئے، دشمن سے میدانِ قتال گرم کیا، معتبتین ٹھٹھکیں جدوجہد کی اور کامیاب اور سرخرو ہوئے، اور یہ پوری کامیابی ہے، میں نے جب دیکھا کہ میں کمزور و اضعیف ہوں، تو میں نے اُنہی صورت قبول کر لی، تو اے بادشاہ تم یمنوں گرو ہوں میں سے فضلِ فریق میں شامل ہو جاؤ۔ اللہ کے ہاں ان میں سب سے زیادہ صاحبِ عزت اور محبوب ہو جاؤ گے، معاملہ زیر بحث میں یہ گفتگو حقیقتِ نفسِ لامری کا کما حقہ انکشاف کر رہی ہے۔ اور ہمیں اللہ کے اس قول کی صحت سے آگاہ کرتی ہے۔ کہ **وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ** جو کچھ اللہ نے دارِ آخرت سے تمہیں دیا ہے وہ طلب کرو۔ اور اپنے حصہ دنیا کو بھی فراموش نہ کرو۔ اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم بھی لوگوں سے احسان کرو۔ اور دنیا میں فساد

پھیلانے کی خواہش نہ کرو۔ اب احسان چھپی ممکن ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں صرف مال کے ذریعے سے خوشی اور سرت پیداکر جائے۔ لیکن اس میں خطرہ بھی بہت بڑا ہے کیونکہ بسا اوقات ضعیف البصیرت آدمی بے خبری میں اُس کی مضر صورتوں میں تنہک ہو جاتا ہے۔ اسی خطرے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس سے باز رکھنے میں مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے، چنانچہ

بدریا درمنافع بے شمار است
وگر خواہی سلامت برکنار است

پانچویں بات یہ ہے کہ اخذ و ترک مال و زر میں انسان کی نیت صالح اور نیک ہو۔ کہ جو کچھ حاصل کرے اس لئے کرے کہ اس کے ذریعے سے عبادت میں اعانت چاہے اور کھائے تو اس لئے کہ عبادت کرنے کی قوت پیدا ہو۔ اور کچھ ترک کرے تو اس لئے کہ اس سے بے رغبتی ہو اور اُسے خیر سمجھتا ہو۔ چنانچہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے من طلب سراقۃ علی ماسن فہو جہاد جس نے سنت کے مطابق رزق طلب کیا تو یہ بھی جہاد ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا ان المؤمن لیوجہ فی کل شیء حتی اللقمة یضعہا فی فمہا تمہا، مومن ہر ایک بات میں اجر حاصل کرتا ہے۔

یہاں تک کہ جو فقیر وہ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے وہ بھی باعثِ ثواب ہے مومن سے حضور کی مراد وہ شخص ہے جو حقائقِ امور سے واقف اور عطیاتِ الہی سے اُسے رضائے الہی اور خدا کے رستہ پر چلنے میں مدد حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ بات پانچویں ثبوت کو پہنچ گئی کہ زاہد وہ نہیں جس کے پاس مال نہ ہو، بلکہ حقیقی زاہد وہ ہے جو مال کی محبت میں مشغول نہ ہو جائے، اگرچہ اس کے یہاں ہنر و اقلیم کے خزانے ہوں۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ کہ اگر ایک شخص دنیا و مافیہا کا مال اکٹھا کر لے لیکن اس سے رضائے الہی مقصود رکھے تو اُسے مال کی محبت میں گرفتار نہ کہیں گے۔ اس لئے چاہے کہ تمہاری تمام حرکات و سکنات اللہ کے لئے ہوں۔ یہاں تک کہ تمہاری نقل و حرکت عبادت کے لئے یا عبادت میں امداد حاصل کرنے کے لئے ہو۔

عبادت گزار لوگ ان باتوں سے مستغنی نہیں۔ جیسے کھانا پینا اور قصداً حاجت وغیرہ
 کہ یہ بھی عبادت میں معین و مدد ہیں۔ حالانکہ عبادت کے لحاظ سے یہ بعید ترین باتیں ہیں
 اس لحاظ سے کامل النفس شخص دنیا حاصل کرنے میں اس ماہر عرق بکالنے والے کی طرح
 ہے۔ جو سانپ کو ہاتھ میں پکڑتا ہے اور اس کے زہر سے بچکر اس کا جوہر اور عرق بکاتا
 ہے، اسی تشبیہ کو قائم رکھتے ہوئے جب آدمی اس ماہر راتی کو دیکھتا ہے تو خیال کرتا
 ہے کہ اس نے سانپ کو اس لئے پکڑا ہے کہ اُسے اس کی شکل و صورت پسندیدہ
 اور دلفریب معلوم ہوتی ہے۔ اس کی جلد نرم و نازک ہے۔ اور چھوٹے میں اُسے
 بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اور سانپ کو پاس رکھنا وہ اچھا سمجھتا ہے چنانچہ جب اس
 قسم کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، تو وہ سانپ کو پکڑ لیتا ہے اور
 اس سے دُش کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ دنیا کو سانپ ہی تشبیہ ی گئی ہے چنانچہ کسا
 گیا ہے کہ دنیا ایک سانپ ہے جو ہلاکت آفرین زہر رگلتا ہے۔ خواہ وہ چھوٹے میں
 نرم ہی معلوم ہو جس طرح اندھے شخص کو قلمائے کوہ سمندروں کے کناروں اور
 خار زار منزلوں سے گزرنے میں صاحب بصارت اور آنکھوں والے آدمی سے تشبیہ
 دینا محال ہے۔ اسی طرح عامی کو کامل سے دنیا حاصل کرنے میں برابر نہیں کیا جاسکتا
 جب، لگ، سلیمان اور دوسرے لوازمات کی جو انہیں دیئے گئے معزز نہایت نبوت
 کے آرزو کی جاسکتی ہے۔ تو یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ زہر
 دل کا زہر ہے نہ کہ ہاتھ کا خالی ہونا، بھلا انبیا اور اولیا کو دنیا کس طرح ضرر پہنچا سکتی
 ہے۔ جبکہ انہیں اس کے وجود کے منافع مضراست اور مراتب کی خوب مشاخصت ہے
 اور انہیں معلوم ہے کہ انبیان کو اپنے وجود میں تین منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں، منزل
 اول مال کے پیٹ میں۔ منزل دوم فتنائے عالم میں اور منزل سوم موت کے بعد
 دنیا اس مثال میں سرائے کی سی ہے۔ اور منزل اوسط میں مسافر اس میں پہنچتا ہے۔
 اس میں اسباب، برتن اور خوراک کے سامان مہیا کر لئے گئے ہیں۔ مسافر ان سے
 عنایت اور عاریت کے طور پر نفع اور تمتع حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے بعد آنے والوں
 کے لئے اُسے خالی کر جاتا ہے، و شکر یہ کہ ساتھ ان چیزوں کو تسبیل کرتا ہے۔ اور
 فراغی اور انشراح صدر کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ اس سرائے فانی میں بعض ایسے

یہ وقت بھی آڈیرے جاتے ہیں، جو سمجھتے ہیں کہ یہ منزل اپنا گھر ہی ہے۔ اور یہ تمام ساز و سامان مانگنے کا نہیں۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہمیں دیدیا گیا ہے۔ پھر جب تک ان کے ہاتھ نہ توڑ دیئے جائیں اور ان کا سر نہ پھوڑ دیا جائے۔ وہ اُسے چھوڑنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے۔ بعض کا خیال ہے کہ دنیا و مافیہا سے جو کچھ انسانوں کو دیدیا گیا ہے اُس کی مثال یوں ہے کہ ایک آدمی ہو، جو ایک مکان تیار کرے اور اس میں لوگوں کو آنے کی دعوت دے۔ ایک کے بعد ایک علی الترتیب چنانچہ ایک شخص آئے اور مکان میں داخل ہو۔ تو ایک طلائی تھقال اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اُس تھقال میں بکڑ اور خوشبودار چیزیں ہوں تاکہ وہ انہیں سونگھے اور اپنے پاس والے شخص کے لئے چھوڑ دے۔ اور اس تھقال پر قبضہ نہ جاملے، لیکن جو شخص اس رسم کو نہ سمجھے اور خیال کرے کہ یہ تھقال مجھے بطور عطیہ نذر کیا گیا ہے پھر جب وہ تھقال اس سے لوٹایا جائے تو وہ پیٹھے چلائے۔ اور دادیلا کرے۔ اور جو اس درج سے واقف ہو، وہ اس تھقال سے نائدہ حاصل کرے۔ اور شکر یہ ادا کرے اور فراخِ حوصلگی کے ساتھ اُسے واپس کرے۔ دنیا کے مال و منال سے متمتع ہونے کے متعلق یہ باتیں مد نظر رکھنے کے قابل ہیں۔

فصل

غم دنیا کو مٹانے کا طریقہ

جب انسان کو مال کے لحاظ سے امن، بدن کے لحاظ سے عافیت اور ایک دن کی خوراک میسر ہو تو اس کا ساز و سامان دنیا کے بارے میں رنج و غم کا اظہار کرنا۔ اس کی طاقت اور کوتاہ عقلی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس کا غم تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو اسے اس کے لئے غم ہے کہ یہ چیزیں باقی رہیں گی۔ یا آئندہ کا اُسے خوف ہے۔ یا موجودہ حالت پر اُسے افسوس ہے۔ پھر اگر گزر جائے والی شے کی وجہ سے ہے تو عقل مند کو معلوم ہے کہ فوت شدہ امر پر جزع و فزع کرنا نہ اُسے واپس لا سکتا ہے۔ نہ اُسے

بنا سکتا ہے۔ اور جس بات کا کوئی علاج اور چارہ ہی نہیں۔ اس پر رنج و غم کرنا عقل کا دہن چاک کرنا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لکیلا تا سوا علیٰ فائکہ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہی ہے اس پر تم افسوس نہ کرو۔ اور اگر موجودہ کے متعلق افسوس ہو۔ تو یا اپنے کسی واقف کار کی نعمت و جاہ کے حسد کے سبب سے ہوتا ہے۔ یا اپنی محتاجی اور افلاس پر۔ اور جاہ اور سامان دنیا کے فقدان کے باعث ہوتا ہے۔ اس کا باعث مصائب دنیا اور اس کی زہر آلود گھوٹوں سے ناواقفی ہے۔ اگر انسان کو کما حقہ علم حاصل ہو جاتا۔ تو وہ سبکدوش ہونے کو گراں بار ہونے پر ترجیح دیتا۔ اور خدا کا شکر یہ ادا کرتا۔ اور اگر عاشق اپنے محبوب کے حُسن کے انجام کو سوچ لیتا تو اس کے دام محبت میں گرفتار نہ رہتا۔ چنانچہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ دنیا اور مصائب لازم و ملزوم ہیں۔ جیسے شراب پیئے والو کو درے پٹنے ہیں مخلوقات قسم قسم کی آزمائشوں اور تکالیف میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ اس کا ہر ایک نقطہ حلق میں اُگتا ہے۔ یہاں کوئی شخص بھی دنیا کی محبت میں اسیر ہو کر تین باتوں سے خالی نہیں رہ سکتا یعنی غصہ، مصیبت اور آرزو۔ تو جس شخص کو یہ دیکھ کر عبرت حاصل ہو جائے کہ دنیا کی نعمتیں روز بروز نئی نئی ہوتی جاتی ہیں۔ اور ایک سے چھن کر دوسرے کے پاس چلی جاتی ہیں۔ اور جس کو وہ نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ ان پر پے درپے مصائب کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ اور ان کے فقدان سے انتہا کا رنج و ملال پیدا ہوتا ہے۔ تو ان کے فوت ہو جانے سے اس کو ذرہ برابر غم اور تاسف نہ ہو گا۔ چنانچہ کسی شخص سے کسی نے کہا تم فقدانِ نعمت پر اظہارِ رنج کیوں نہیں کرتے۔ تو اُس نے کہا: جو چیز جا چکی ہے اس پر افسوس کرنے سے مجھے واپس نہیں مل سکتی۔ تو میں اُس پر رنج ہی کیوں کروں رنج

جو جاتا ہو اُس کا غم نہ کیجئے !

غرض جوں جوں انسان ارباب دنیا کی آخرت سے غفلت و بے پرواہی پر غور کر لگا۔ اور مصائب کا ان پر هجوم کرنے کو دیکھیں گے توں اُس کا دل مطمئن ہو گا۔ اور دنیا کو چھوڑنا اُسے آسان ہو جائیگا کہ کسی صوفی کا یہ روزمرہ کا وظیفہ تھا

کہ روزانہ ہسپتال میں جاتا تاکہ بیماریوں - اور ان کی بیماریوں، اور اُن کے رنج و محن کو، مشاہدہ کرے؛ پھر بادشاہ کے جیل خانے میں جاتا۔ تاکہ مجرموں کو اور ان کی سزاؤں کو دیکھے، نیز وہ قبرستان میں جاتا اور عزاداروں، اُن کی ماتم داری، اور بے سود رنج و محن اور مرے ہوئے لوگوں کی حالت پر غور و فکر کرتا۔ اور جب گھر واپس لوٹتا تو تمام دن اللہ تعالیٰ کا شکر یہ ادا کرتا کہ الہی تو نے مجھے بے حد و حساب نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں۔ کہ میں مصائب و تکالیف اور حزن و دلال سے محفوظ ہوں۔ انسان کا فرض ہے کہ دنیوی طور پر ہمیشہ ان لوگوں کی طرف نگاہ کرے۔ جو اس سے کم درجہ پر ہیں۔ تاکہ شکر گزار ہو اور دین کے لحاظ سے ہمیشہ اُن کو دیکھے۔ جو اس سے بلند تر مرتبہ پر فائز ہیں۔ تاکہ ترغیب و تحریص حاصل کرے۔ شیطان جب انسان پرستی ہو جاتا ہے۔ تو اس کی نگاہ کو پلٹ دیتا ہے۔ اور اس کے برعکس کر دیتا ہے۔ چنانچہ جب اُسے کہا جاتا ہے کہ تم بُرے کام کیوں کرتے ہو۔ تو وہ عذر پیش کرتا ہے کہ فلاں شخص تو مجھ سے بھی زیادہ بُرے کام کرتا ہے؛ حالانکہ معصیت اور کفر میں ریس کرنا درست نہیں۔ اور جب اُسے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے تجھے دے رکھا ہے تو اس پر قناعت کیوں نہیں کرتا۔ تو جواب دیتا ہے کہ فلاں شخص مجھ سے زیادہ غنی ہے۔ تو جب وہ اُسے کماٹے جاتا ہے تو میں کیوں بس کروں؛ یہ خاص گمراہی اور جہالت محض ہے۔ جب اس عارضے کے ساتھ غمگینی بھی شامل ہو جائے تو حسد کا غم بھی باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جس شخص کو خدا کسی نعمت سے سرفراز فرماتا ہے۔ تو اگر وہ اس کا مستحق ہے تو اُس پر افسوس نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ اس کا غیر مستحق ہے تو اس کا وبال اُس کے فائدے سے زیادہ ہے +

اگر مستقبل کے لئے انسان کو اندیشہ ہے۔ تو اگر کسی بات کا ہونا متنع ہے یا اس کا ہونا واجب ہے۔ جیسے موت تو اس کا علاج محال ہے۔ اور اس کا ہونا ممکن ہے۔ تو غور کیا جائے گا۔ کہ اگر اُس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ تو غم کرنا حماقت کی دلیل ہے۔ اور اگر اس کا دفعیہ ہو سکتا ہے۔ تو افسوس بے معنی ہے۔ بلکہ چاہیئے کہ اس کو روکنے کے لئے کوئی مفصلی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ اور حزن و دلال کا اظہار نہ کیا جائے۔ پھر جب اپنے مقدر پر بھرا انسان اس کے دفعیہ کی تدابیر اور

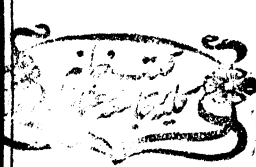
جیسے عمل میں لے آیا۔ تو اُسے سکون خاطر کے ساتھ قضائے الہی اور کرشمہ تقدیر کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور کچھ لینا چاہئے کہ جو بات اللہ کو منظور ہے۔ اُس سے مفر نہیں اور جو مصیبت مل نہیں سکتی اُسے صبر سے برداشت کرنا چاہئے۔ اسے یہ بات تحقیق کے طور پر معلوم ہونی چاہئے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے۔ ہو کر رہیگا۔ اور خدا کے اس فرمان کو یاد کرے۔ مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِی الْأَرْضِ وَلَا فِی النَّفْسِ مِمَّا لَا فِی كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَ أَهْلَیْهَا ۚ تَمَیِّزُ دُنْیَا مِیْنِ اٰوْرْتَمَارِی اِنِّیْ جَانُوں مِیْنِ دہی مصیبت آتی ہے جو اُس کے پیدا ہونے سے پہلے ایک کتاب میں لکھی گئی ہے۔ ساز و سامان دنیا کی تیاری کے لالچ بیع یہ بات ہے۔ کہ انسان فریب عقل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اور خیال کرتا ہے کہ آخر کسی روز یہ مصیبتیں ختم ہو جائیں گی غم کی کالی گھٹائیں چھٹ کر عیش و آرام کا صاف مطلع طلوع کرے گا۔ بُرے دن چلے جائیں گے۔ اور بھلے دن آجائیں گے۔ افسوس صد افسوس ۛ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جب لوگ کسی کو کسی بات کی خوشخبری دیں تو یقین جانو کہ اس پر مصیبت بھی آنے والی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

ان اللیالی لم تحسن الی احد ۛ ۛ اسائنات الیہ بعد احسان
جب زمانہ کسی سے نیک سلوک کرتا ہے۔ تو ضرور تکلیف بھی دیتا ہے
مومن سے

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
سیاؤں کی نگاہ سوئے آسمان نہیں۔
الغرض عقلمند شخص وہ ہے کہ جب ان امور میں جنگا ہمنق فکر وغور کرے۔
تو غم و آلام کا اکثر حصہ اس کے دل سے دور ہو جائے ۛ
یاد رکھو عجیب انسان کا دل کسی انسانی محبوب، مال، زمین، احوال، اہل
حکومت، یا کسی دوسری شے کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس کے متعلق حیران
دہال سے بھی رہائی ہو سکتی ہے کہ ان کے تعلق سے دست بردار ہو جائے، اور
یہ بھی ممکن ہے کہ اُن سے بتدریج لطفہ کھینچتا پیدا جائے۔ اور دوسری چیزوں میں

مشغول ہو جائے۔ اگرچہ وہ بھی انہیں چیزوں میں شامل ہو۔ جن سے بعد و ہجر خستہ کرنا واجب ہے۔ کہ خون کو خون سے دھونے میں کچھ حرج نہیں جبکہ اول الذکر خون دوسرے سے ایس اور جھاڑ میں بڑھ کر ہو۔ یہ ریاضتوں کے باریک اسرار و معارف ہیں ! کیونکہ جس چیز سے الفت اور محبت پیدا ہو چکی ہے ! اس سے دفعۃً اور کلینت ہاتھ اٹھالینا مشکل بلکہ ممتنع ہے۔ چنانچہ جس لڑکے کو گیند بٹے اور کھیل کود وغیرہ میں ترفیب دلانے کے ذریعہ سے ادب سکھایا جائے۔ وہ بہت جلدی ترقی کرنا ہے۔ پھر ثروت مال اور خوبصورت کپڑوں وغیرہ کے شوق کے ذریعہ سے وہ کھیل کود سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ پھر ان چیزوں کو چھوڑ کر وہ نیک نامی تعلیم و توصیف، عزت اور حکومت کی ترفیب سے ترقی کرتا ہے۔ پھر سعادت اخروی کی ترفیب اور قطع منازل کرتا ہے۔ چنانچہ حکومت کا شوق آخری شے ہوتی ہے۔ جو صدیقین کے دامن سے نکلتی ہے۔ یہ اس معالجہ کا طریقہ ہے ان باتوں کے لئے جو فی نفسہ قابلِ حذر ہیں۔ لیکن احسانی طور پر ان چیزوں سے زیادہ قابلِ قبول ہیں جو بدتر ہیں۔ گویا یہ مدارج اور منازل ہیں۔ جن کو ایک ایک کر کے آدمی بتدریج طے کرتا ہے ! اس تدریجی طریق کے بغیر ان سے خلاصی ناممکن ہے۔ اسی طرح ہر اس بات کے متعلق طرزِ عمل اختیار کرے جو نفس پر مستولی ہو گئی ہے ! اور اس کا تعلق سخت ہو گیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ قطعِ علاقہ سے رنج و غم بچ و بنیاد سے اکھڑ جاتے ہیں +



فصل

موت کا خوف دور کرنا

انسان کی دو حالتیں ہیں ! تا قبل موت اور عند الموت، تا قبل موت کے لحاظ سے چاہئے کہ انسان ہمیشہ موت کو یاد رکھے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اکثر و امن ذکرک ہا لزم الذوات فانہ ما ذکرک احد فی

ضیقِ الہ وسعہ علیہ ولا فی وسعۃ الا ضیقہ علیہ موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ کہ جس شخص نے اُسے تنگی حالت میں یاد کیا وہ وسیع الحال ہو گیا اور جس نے وسعت حالات میں یاد کیا وہ سیرِ الحال ہو گیا۔ موت کے باب میں لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ اول غافل، حقیقی احمق ہے۔ جو موت الہا بعد الموت کے متعلق غور و فکر سے کام نہیں لیتا۔ ہاں جب اپنی اولاد اور موقوفات کا خیال اُسے آتا ہے تو یاد کر لیتا ہے۔ اپنے حالات نفس پر تدبیر نہیں کرتا۔ مگر جب کوئی جنازہ دیکھتا ہے تو اُسے موت یاد آ جاتی ہے۔ اور صرف زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کہ لیتا ہے۔ اپنے افعال کے لحاظ سے اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتا۔ یہ جھوٹا ہے۔ اپنے قول کے لحاظ سے۔ کتنا کچھ ہے۔ کرتا کچھ ہے۔ دوم عاقل و زیرک۔ وہ مسافر کی طرح ہمیشہ اپنی منزل مقصود کو یاد رکھتا ہے۔ جیسے حاجی کہ ہر وقت اس کے پیش نظر دیا رُحیب کا منظر رہتا ہے۔ جو شخص منزلوں میں اترنے اور کوچ کرنے کے خیال میں مشغول رہتا ہے وہ اپنے مقصود کو فراموش نہیں کرتا۔ غرض یہ ہے کہ اہل اللہ ذات کی یاد سزا آرزو سے محفوظ رکھتی ہے۔ حوادث و مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔ اور انسان سرکش ہونے سے بچ رہتا ہے۔ موت کی یاد سے خدا کی دی ہوئی چیزوں پر قناعت اور توبہ میں جلدی کرنے کا وصف پیدا ہوتا ہے۔ حسد اور حرص و دنیا رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور عبادت میں نشاط و مسرت حاصل ہونے لگتی ہے۔ جس شخص کو عبادت الہی میں لطف نہ آئے اور سستی اور کمندی آگھرے اُسے چاہئے کہ ہر صبح جاگنے کے وقت غور کرے کہ میں جلدی مر جاؤں گا۔ میری قضا آپکی ہے۔ کہ یہ کچھ بعید نہیں۔ جب انسان خیال کرے کہ موت کچھ سانوں کے بعد ہی آئیگی۔ تو عبادت کا شوق کیسے پیدا ہو۔ اور دنیا کی محبت کیوں دور ہو۔ بلکہ چاہئے کہ ایک دن کی مہلت جی سمجھے کہ میسر نہیں۔ ہر طلوع آفتاب کے ساتھ سمجھے کہ میرا آفتاب حیات غروب ہونے والا ہے۔ چنانچہ جو شخص انتظار میں ہو کہ بادشاہ ابھی سے بلاتا ہے۔ تو اُسے چاہئے کہ حاضر ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہے۔ پھر اگر تیار نہ رہے گا تو کچھ عجب نہیں کہ بلانے والے آ جائے۔ اور وہ غفلت کے باعث عنایت شاہی سے محروم رہ جائے۔ کوئی وقت اور کوئی

لحظہ ایسا نہیں کہ جس میں موت ناممکن ہے۔ اگر تم کہو کہ موت دُور کا حادثہ ہے۔ تو ہم کہتے ہیں جب مرض حملہ آور ہو جائے تو موت کو قریب ہی سمجھو۔ اور یہ ایک سن سے کم میں ہو سکتا ہے۔ اور کچھ بعید بات نہیں؛ موت کے خوف سے غم کرنا بھی عقلمندوں کا شیوہ نہیں؛ کہ یہ غم چار حالتوں سے خالی نہیں؛

(اَوَّل) شکم اور شرمگاہ کی خواہش۔

(دوم) گزشتہ گن ہوں کا خوف۔

(سوم) اس مال کی محبت جو مرنے کے بعد چھوڑنا پڑیگا۔

(چہارم) موت کے بعد کے حال اور اپنے انجام سے ناواقفیت۔

یہی چار صورتیں ہیں جن کی بنا پر انسان کو موت سے پریشانی ہو سکتی ہے اگر شکم و شرمگاہ کی خواہشوں کے باعث موت سے ڈر پیدا ہو تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے۔ جو بیماری کا مقابلہ ویسی ہی دوسری بیماری سے کرتا ہو۔ لذت طعام کے معنی ازالہِ جوع ہے۔ اسی لئے جب بھوک جاتی رہتی ہے اور پیٹ بھر جاتا ہے تو آنکھ کو وہ چیز ناپسند معلوم ہونے لگتی ہے جس کی پہلے اشتہا تھی؛ جیسے کوئی شخص دھوپ میں بیٹھنے کی اس لئے خواہش کرے کہ گرم ہو کر سانے میں بیٹھنے کی لذت سے لطف اندوز ہو۔ یا جیسے کوئی شخص گرم حمام میں اس لئے بن ہو کہ برفا پینے کا اُسے لطف آئے۔ یہ عین حماقت اور خلافِ عقل بات ہے +

اگر صورتِ دوم کے باعث ہو۔ تو یہ اس لئے ہے کہ انسان دنیا کی ادولت خدیس اور حقیر چیزوں کے مقابلہ پر ملکِ کبیر اور نعیمِ مقیم (جس کا متقیوں کے لئے وعدہ دیا جا چکا ہے) کو ادنیٰ سمجھتا ہے؛ تو اگر یہ حالت موت کے بعد اپنے انجام سے بے صبری کے باعث ہو تو انسان کا فرض ہے کہ علمِ حقیقت طلب کرے جس سے موت کے بعد کے حالات کا انکشاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عارف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا حضور! مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں عرشِ خداوندی کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں؛ جنت میں اہلِ جنت سیر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور دوزخ میں عذاب میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ اور یہ علمِ حقیقتِ مابیتِ نفس اور اس کے بدن سے تعلق، اُس کی خاصیتوں اور اُن خاصیتوں سے

لذت یاب ہونے اور باوجود زائل مانعہ کے اُس کے کمال حاصل کرنے کے متعلق بحث و نظر کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ شریعت نے بہت سے مقامات پر ان امور سے خبردار کیا ہے! اور حکم دیا ہے کہ اپنے اندر غور کیا کرو۔ ملکوت السموات والارض میں تفکر کیا کرو +

اگر یہ خوف موت سے پریشتر کئے ہوئے گناہوں کے باعث ہو۔ تو اس میں خزع و فزع اور سنج و غم کوئی نفع نہیں دیتا۔ اس کے برعکس گناہوں کا علاج۔ تو بہ میں غلبت اور اپنی زیادتیوں کی اصلاح کرنی چاہئے۔ سنج و غم کرنے اور اس کا تدارک نہ کرنے کے لحاظ سے اس شخص کی مثال یوں ہے، کہ کسی شخص کی کوئی رگ کھل کر اُس میں سے خون نکل جائے، وہ اس کو بند کرنے اور اپنے خون کو روکنے پر قادر بھی ہو۔ پھر بھی اُسے بننے دے۔ اور بیٹھکر افسوس کا اظہار کرتا رہے۔ کہ میرا خون بہ رہا ہے، یہ بھی حماقت ہے۔ کیونکہ جو چیز چاچکی ہے اس کا کوئی تدارک نہیں۔ اس پر تاسف کرنا بے سود ہے۔ اُسے چاہئے کہ مستقبل کے متعلق مشغول ہو جائے +

حالت ثانی یعنی موت کے وقت کی حالت کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام ہیں، (اول) صاحب بصیرت، وہ جانتا ہے کہ موت انسان کو آزاد و باعزت بناتی ہے۔ اور زندگی مجرم اور گناہ گار ٹھیراتی ہے۔ اور کہ انسان دنیا میں ہزار طویل العمر ہو جائے پھر بھی وہ ایسے ہی ہے جیسے آسمان پر بجلی جو چمکتی ہے اور غائب ہو جاتی ہے۔ (دوق) ۷

ہنگامہ گرم ہستی ناپائیدار کا

چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

اُسے دنیا کو چھوڑنا بالکل گراں نہیں گذرتا سوائے اس کے کہ اب خدا کی خدمت کئے کا موقعہ ہوتا رہیگا۔ یا یہ کہ اب میں خدا کے قریب ہوا ہوں اور ڈر ہے معلوم نہیں وہ مجھے کیا کہیگا! جیسے کسی ایسے ہی شخص سے پوچھا گیا۔ تم موت سے گھبراتے کیوں ہو۔ تو جواب دیا، اس لئے کہ میں ایک ایسے رستہ پر چلنے والا ہوں جس سے میں واقف نہیں، اور میں ایک ایسے بادشاہ کی خدمت میں جانے والا ہوں جس میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور نہیں جانتا مجھے کیا کہا جائے گا اور کیا حکم ہوگا! اس قسم

کا شخص موت سے بھاگت نہیں! بلکہ جب زیادتی عبادت سے عاجز آ جاتا ہے تو بسا اوقات موت کا مشتاق ہو جاتا ہے۔ کسی ایسے ہی بزرگ نے اپنی مناجات میں کہا تھا۔ الہی اگر اس دار فانی میں زندہ رہنے کی دعا تجھ سے کروں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں تجھ سے دُور رہنا چاہتا ہوں! اور تیرے قرب سے بے رغبت ہوں! چنانچہ تیرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءً، ومن کما لقاہ اللہ کما اللہ لقاہ۔ جو اللہ سے ملنے کا مشتاق ہے خدا بھی اس کا مشتاق ہے! اور جو خدا سے ملنے سے گریز کرتا ہے خدا بھی اُسے ملنا نہیں چاہتا۔

(دوم) بے بصیرت، اگن ہوں سے آلودہ دامن! دنیا میں ہنمک، اس کے تعلقات میں جکڑا ہوا آدمی جو دنیا کی زندگی سے رہنی ہو چکا ہے! اور دارِ آخرت سے ایسا ہی مایوس ہو چکا ہے۔ جیسے کافر لوگ مردوں سے۔ چنانچہ جب وہ دارِ اُلوٰد کی جانب روانہ ہوتا ہے۔ تو اُس سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اور جب دنیا کی گندگیوں اور آلودگیوں سے علیحدہ ہوتا ہے تو اُس سے عالمِ بالا کی ہوا اور ملا راعلیٰ کی مصباحِ راس نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: من کان فی ہذہ اعمیٰ فہو فی الاخرت اعمیٰ واصل سبیلہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہے! اور سخت بدراہ۔ جس کو درشنِ اِت نہ اُس کو اِت نہ اُت کہ دنیا مذکورہ بالا شخص کے لئے قید خانہ ہے۔ اور اس شخص کے لئے جنت! اول الذکر اس غلام کی مانند ہے جسے اس کا مالک بلائے تو وہ خوش خوش لبتیک کے اور شادان و فرحانِ جوشِ خدمت میں حاضر ہو جائے۔ اور موخر الذکر اس غلامِ مفروکہ کی طرح جو پھٹا جا کر اپنے مالک کے پاس لایا جائے مغلوب و مقہور، پیر پنا کر اُسے اس کی خدمت میں حاضر کیا جائے! تو وہ سر جھکائے اپنے آقا کے سامنے ذلیل و خوار اپنے گناہوں پر شرمندہ کھڑا ہو! آہ یہ دونوں حالتیں کس قدر متخالف و متضاد ہیں!

(تسم سوم) مذکورہ بالا دونوں مرتبوں کے درمیان کا آدمی، جو اس دنیا کی مصیبتوں اور بلاؤں سے واقف تھا اور اس کی مجلس سے متنفر۔ لیکن اب

اس سے مانوس اور مالوف ہو چکا ہے۔ تو اُس کا رستہ اس شخص کی طرح ہے! جو ایک اندھیرے اور گندے گھر سے الفت پذیر ہو گیا ہے۔ اُسے اُس میں اور کوئی شخص نظر نہیں آتا، تو اس میں سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتا۔ گو اس کے اندر جانا بھی اُسے نامطبوع تھا۔ پھر جب اس سے باہر نکلتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیکو کار بندوں کے لئے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے تو اُسے اس مکان سے نکلنے پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ کہتا ہے۔ الحمد للہ الذی اذہب عن الخزن ان سربنا الغفور شکور الذی اهلنا داسا المقامة من فضلة لا یمسنا فیہا النصب ولا یمسنا فیہا الغوب الحمد للہ کہ اللہ نے ہمارا غم دور کیا، ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ کہ اس نے ہمیں ابدی مسرت کے گھر میں اتارا جس میں ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اور یہ کوئی بعبید بات نہیں کہ انسان کسی چیز کی سفارقت کو ناگوار سمجھے! پھر جب اُسے چھوڑ دے تو افسوس کا اظہار نہ کرے۔ چنانچہ بچہ ولادت کے وقت ایک حالت سے دوسری حالت میں آنے کے غم سے رہتا ہے۔ پھر جب اُسے عقل آ جاتی ہے تو گزشتہ حالت میں جانے کی تمنا نہیں کرتا۔ اور موت ولادت ثانیہ ہے جس سے ایک ایسا کمال حاصل ہوتا ہے جو پہلے حاصل نہ تھا۔ اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کمال سے پہلے ایسی آفات و عوارض لاحق نہ ہوں۔ جو اُس کے قبول کرنے میں نقصان پیدا کرے جس طرح ولادت ایک ایسے قابلِ رشک کی باعث ہے جو بچے کو جنین کی حالت میں میسر نہ تھا۔ اور اس میں شرط یہ تھی کہ اس بالکمال کے مانع امراض و عوارض اس جنین کی ماں کے رحم میں لاحق نہ ہوں! اور چونکہ موت کمال کا باعث ہے اس لئے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہمیں چاہئے، کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کے لئے دعا کریں اور اُن کا شکر یہ ادا کریں، جیسے ہم جبرائیل میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے لئے دعا کرتے ہیں! جس کے دو سبب ہیں، کہ دنیا سے رستگاری حاصل کرنے کا طریقہ انہوں نے بتایا۔ اور آخرت میں نجات پانے کا رستہ دکھایا اور یہ باتیں سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے عمل میں آئیں! لیکن

ملک الموت اہل دنیا سے ہمیں نکالنے کا باعث ہے اس لئے اس کا حق بہت بڑا ہے۔ چنانچہ اہم سابقہ میں سے حکما کے ایک گروہ کا ذکر کرتے ہیں۔ کہ وہ اس شخص کی تقدیر و حمید اور سچ سے تعظیم کرتے تھے جس کو وہ سمجھتے تھے کہ وہ اس عارضی زندگی کے قائم رکھنے میں اعانت نہیں کرتا۔ بلکہ وہ ہلاکت کا باعث ہے جس کے ذریعہ سے اس دنیا سے دوں سے رستگاری حاصل ہوتی ہے +

فصل

بہروان الہی کی پہلی منزل

معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے رستہ کے سالک تو تھوڑے ہیں لیکن اس کے مدعی بہت ہیں۔ ہم تمہیں دو علامتیں بتاتے ہیں جن کو تم معیار قرار دیکر اپنے متعلق اور غیروں کے متعلق کھرے اور کھوٹے ہونے کی تمیز کر سکتے ہو +

(علامت اول) پہلی سالک وہ ہے جس کے تمام اختیاری افعال شرع کی نرازد میں پورے اتریں۔ ہر ایک فعل کا صادر ہونا کم و بیش ہونا یا نہ ہونا شریعت کی حدود کے موافق ہو کیونکہ جب تک شریعت حقہ کے رنگ میں انسان نہ رنگا جاسکے اس رستہ پر کام فرما نہیں ہو سکتا اور یہ تہذیب اخلاق کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس مقام کو چھل کرنا بھی ممکن ہے کہ انسان جملہ مبادی کو ترک کر دے۔ کیونکہ جو شخص محرمات اور محظورات کو ترک نہیں کرتا کس طرح منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہے اور جو شخص عبادات فعلی پر موانع اختیار نہیں کرتا شاہ کامرانی سے ہکنا نہیں ہو سکتا۔ پھر جو شخص فرائض بلکہ احکام و اعمال شریعت میں جن کا لوگوں کو مکلف بنایا گیا ہے کوتاہی کرتا ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ شریعت نے اپنے احکام اعمال میں سے محظورات اور فرائض میں ہی مکلف کرنے پر حصر کیا ہے۔ اور اس میں عوام الناس بھی مشترک ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ان امور میں شغل و مصروفیت دنیا کی خرابی اور تباہی کا باعث نہ ہو جائے +

سالک فی سبیل اللہ دنیا سے اس طرح روگردان رہتا ہے کہ اگر تمام دنیا اُس کی برابری کو سے تو کائنات برباد ہو جائے۔ پھر صرف فرائض و واجبات میں محدود رہ کر اور نوافل کو چھوڑ کر کوئی کیسے کامیاب ہو سکتا ہے چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی احبہ، فاذا احببتہ کنت لہ سمعاً و بصراً فی یسمع و یرى، میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے تقرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھیں ہو جاتا ہوں، پھر وہ مجھی سے دیکھتا اور سنتا ہے۔

غرض یہ ہے کہ ہوس غالب اور پائدار کسندی کی وجہ سے ہی انسان فرائض میں فروگزاشت کرتا ہے۔ اور غلطورات میں بے دھڑک در آتا ہے۔ پھر جو شخص بار بار ہوس اور کابی کے سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے وہ خدا کے رستہ پر کیسے چل سکتا ہے۔ پھر اگر تم کو، کہ جب سالک فی سبیل اللہ وہ ہے جو خواہشات اور سستی سے مجاہد کرنے میں مشغول ہو، تو جو ان کو مغلوب کر چکا وہ تو واصل باللہ ہوا۔ سالک نہ ہوا، تو جو اب یہ ہے کہ یہ عین فریب ہے اور رستہ اور منزل مقصود سے ناواقف پر شاہد، انہیں بلکہ اگر کوئی شخص تمام صفات رویہ اپنی ذات سے دور کر لے، تو اُس کی نسبت منزل مقصود سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو اور چند مجبوریاں اس کو اس طرح دامگیر ہوں کہ ٹپنے دیں، پھر وہ قرص ادا کرے۔ اور تعلقات و علائق قطع کر دیئے یہی حال بدن کی صفات کا ہے۔ جو انسان پر غالب ہیں۔ یہ گویا وہ مجبوریاں اور تعلقات ہیں جو انسان کو گردن سے پکڑے ہوئے ہیں۔ اور خدا کی جانب مائل نہیں ہونے دیتیں۔ تو جب وہ انہیں محو اور دفع کر لے تو اس نے علائق کو دور کر دیا اور اب وہ سلوک کی منزل میں چلنے کے لئے آمادہ دستعد ہوا۔ یا تم یوں سمجھو کہ ایک بیوہ عورت ہے جو چاہتی ہے کہ بادشاہ اُس سے شادی کر لے، جب وہ عدت جو نکاح سے مانع تھی گزاریتی ہے تو خیال کرتی ہے کہ سب کام ختم ہو چکے اور میں کام دل حاصل کر چکی، افسوس صد افسوس کہ اُس نے تو ابھی نکل کی استعداد ہی حاصل کی ہے اور صرف موانع کو دور ہی کیا ہے۔ اور بادشاہ کا قبول کرنا اور رغبت کر کے انعام

شادی سے نوازنا ابھی باقی ہے۔ یہ خدا کی دین ہے۔ ہر وہ شخص جو نہادھو کر عطر پھیلانگا لے جمعہ نہیں پڑھ لیتا اور نہ ہر سینہ جو عدت گزارے اپنے محبوب کے وصال سے شاد کام ہو جاتی ہے +

اب سوال یہ ہے کہ کیا سالک کے رتبہ میں کوئی ایسا مقام ہے جہاں پہنچ کر بعض وظائف عبادت اس سے چھوٹ جائیں اور بعض محظورات اسے ضرر نہ پہنچیں جیسا کہ بعض مشائخ کے متعلق کہا گیا ہے۔ جو ان امور میں تساہل برتتے تھے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہ عین قریب نفس ہے۔ محقق حکما نے کہہ دیا ہے کہ خواہ تم کسی شخص کو پانی پر چلتا دیکھا لیکن وہ کسی بات میں شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو تو جان لو کہ وہ شیطان ہے۔ اور یہ بالکل حق ہے۔ یہ اس لئے کہ شریعت اسلامیہ فراخ اور وسیع ہے اور جب کبھی کوئی ایسی ضرورت درپیش ہوتی ہے تو شریعت نے پہلے ہی اس کی رخصت فرمے رکھی ہوتی ہے۔ پھر اگر وہ محل رخصت سے تجاوز کر لے تو یہ ضرورت کے باعث نہ ہوگا۔ بلکہ خواہشات اور شہوات اس کا موجب ہو گئی۔ یاد رکھو انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اسے ہر وقت اندیشہ ہے کہ کسی روز شہوات مغلوب ہو جانے کے بعد غالب آجائیں۔ اس لئے پہلے ہی کہ ہر وقت اُن سے چوکتا رہے۔ اور جب کبھی دیکھے کہ آرام طلبی اور سہل انگاری کی طرف طبیعت مائل ہو رہی ہے تو جان لے کہ شہوات غالب ہونا چاہتی ہیں۔ اور یہ سب باتیں احسناق رو یہ کا تقاضا ہیں +

پھر جو شخص اپنے تئیں پاکیزہ بنائے اور اپنی روح کو علوم حقیقی کی غذا کھلائے۔ تو اسے عبادت میں موافقت کا درجہ حاصل ہو جائیگا۔ نماز اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیگی۔ اور اُسے رات کی تاریکی میں تنہا بیٹھ کر خدا سے دعائیں کرنے میں تمام چیزوں سے زیادہ لطف حاصل ہوگا۔ یہ منزل اَوَّل کی علامت ہے، اور انتہا تک قائم رہتی ہے۔ اگرچہ خدا کی طرف جانے والے رستہ کی کوئی انتہا ہی نہیں، ہاں موت تمام جد و جہد اور تنگ دو کے سلسلے یک قدم توڑ دیتی ہے۔ پھر انسان موت کے بعد اسی مرتبہ پر قائم رہتا ہے جو اُس نے مدت حیات میں حاصل کیا تھا۔ کہ ہر شخص اُس چیز پر مرتا ہے جس پر اُس نے زندگی گذاری تھی +

(دوسری علامت) یہ ہے کہ انسان کا دل ہر وقت اور ہر حال میں اللہ کی حضوری میں رہے، ضروری اور بے تکلف طور پر، اسے اس حضوری میں بے حد لذت حاصل ہو، خشوع اور خضوع، انکسار تو وضع کے ساتھ اس کا دل خدا سے دائم متغیر رہے وہ اس حال سے کبھی علیحدہ نہ ہو۔ اگرچہ وہ ضروریات بدن مثلاً کھانا پینا، قضاء حاجت کو جانا، کپڑے دھونا وغیرہ میں مشغول ہی رہے۔ بلکہ چاہئے کہ اُس کی مثال تمام حالتوں میں اس عاشق کی سی ہو جو ایک مدت تک زحمت انتظار کی کڑیاں جھپیتا رہا ہو ایک عرصہ دراز تک ع

مُصِیبت پر مُصِیبت چوٹ پر کھائی ہو چوٹ اُس

پھر اس کا محبوب اُس کے سامنے بعد تجمل ملبوہ پیرا ہو جائے۔ اور اس کے دل کا کنول کھل جائے لیکن اس وقت اُسے قضا کے باعث مجبوراً تقویٰ دیر کے لئے اپنے محبوب سے علیحدہ ہونا پڑے اور وہ بیت الخلا کو جائے تو اس کا دل بقیہ را محبوب کے پاس موجود ہوگا۔ بدن البتہ غیر حاضر ہوگا، اگر اس حالت میں کوئی شخص اُسے مخاطب کرنا چاہے تو وہ شدت استغراق کے باعث اُس کی بات نہ سنیگا۔ وہ اس تکلیف کو سخت مصیبت ٹانگا سمجھے گا۔ اور چاہے گا کہ جتنی جلد کئے اتنا ہی بہتر ہے۔ تو سالک کو چاہئے کہ اپنے اشتغال دنیوی میں اسی طرح مصروف ہو۔ بلکہ سوائے ضروریات بدنی کے اُسے کوئی شے بے توجہ نہ کر سکے۔ اور اس حالت میں بھی اُس کا دل خدا کی عظمت و جلال کے سامنے نہایت انکساری کے ساتھ حاضر رہے۔ اگر شہوتِ جملع تحریک کے ذریعہ سے حرکت میں آنے سے باز نہ رہے تو یہ بھی شخص کی حالت میں ہوگا، جس پر شہوت غالب ہے۔ اور اُس کی آنکھوں میں کسی بشر کی صورت جو گندے اور ناپاک نطفے سے پیدا ہوا ہے نہ جاگزیں ہو سکتی ہے۔ پھر جب وہ محبوب اُس کے قریب آتا ہے تو اُس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں۔ اور اُس کے تمام شہوانی خیالات زہر و ہو جاتے ہیں۔ اس بے خودی اور کمزور طبعی کا عذر وہ اس کا حسن و جمال قرار دیتا ہے۔ پھر یہ عذر کس طرح قابل قبول ہے۔ جب مقابلے پر اللہ کا جلال و جمال ہے جس کی کوئی انتہا نہیں +

الغرض اس منزل کو تمام و کمال پورا کرنے کے لئے حرص شدید اور عزم

صمیم اور طلبِ بلیغ کی ضرورت ہے۔ حرص و طلب کا مبداءِ محبوب و مطلوب کا جمال ہے جو شوق اور محبت کی آگ بھڑکاتا ہے۔ اور اس جمالِ جہاں آرا کے اور اک کے لئے نگاہِ شوق اور شائق آنکھ کی ضرورت ہے۔ جو تمام دوسری چیزوں سے منہ پھیر کر صرف اسی کی ہو رہے۔ اللہ تعالیٰ کے جلال کا نظارہ کرنے کے لئے بھی اسی چیز کی ضرورت ہے جو تمہارے شوق کو بھڑکائے اور تمہاری حرص کو برپا کرے اور اسی کے اندازہ کے مطابق تمہاری بد و جہد و تنگ و دو کی مقدار ہوگی +

پھر محبوب کے ساتھ دیر تک یکجا رہنے کے باعث عشق کا جذبہ اور زیادہ ہوتا ہے چونکہ اس انسان میں محبوب کے عمدہ اخلاق جو پہلے پوشیدہ تھے ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے محبت کئی گنا اور بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح مبتدی مرید جب پہلے پہل حضرت باری تعالیٰ کے جمال و جلال کی کرشمہ سازیاں ملاحظہ کرتا ہے تو لبنا اوقات ضعف اور اک کے باعث اس کی آنکھوں میں چکاچوند نہیں پیدا ہوتی۔ لیکن آہستہ آہستہ طلب و شوق زیادہ ہوتی جاتی ہے +

چنانچہ وہ ہر وقت اسی خیر کن جمال کے تصور میں محو رہتا ہے پھر اس پر اس کی خوبیاں اور فضائل روشن ہوتے جاتے ہیں۔ محبت کی آگ اضافہ مضاعفہ شعلہ زن ہوتی ہے۔ ہر لمحہ اور ہر گھڑی محبت بڑھتی جاتی ہے اور جس طرح عاشق اپنے محبوب کے قرب کا آرزو مند ہوتا ہے اسی طرح مرید اللہ تعالیٰ کے قرب کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے۔ یہ قرب مکافی نہیں ہوتا یا جسمی طور پر اس کو مس نہیں کیا جاسکتا۔ یا یوں نہیں ہو سکتا کہ اس کی صورت کے جمال کو کمال طور پر اپنے سامنے دیکھ لیں۔ یہ قرب قربِ کمال ہے نہ قربِ مکان، ان باتوں کا مفہوم اچھی طرح سمجھیں نہیں آ سکتا اس قربِ کمال کی تشبیہ یوں ہے کہ ایک شاگرد ہو اس کو اپنے استاد سے بے حد محبت ہو۔ اور اس کے قربِ کمال کا طالب ہو یا یہ زیادہ سچی تشبیہ ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرنے میں اس کا قرب چاہتا ہے یعنی آہستہ آہستہ اس کے رتبہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ بعض حالات میں یہ ممکن ہوتا ہے اور بعض میں متعذر، لیکن ترقی بجا فارتہ کے بالکل ممکن ہے۔ چنانچہ نسبت کے لحاظ سے اس میں زیادتی ہوتی ہے۔ اور ازل سے پہنچ جانا نامکن ہے، لیکن اسفل السافلین سے بلندی کی طرف رُخ کرنا ممکن ہے

شاگرد اپنی نگاہ میں ایک رتبہ مقرر کر لیتا ہے۔ جو محدود ہوتا ہے نہ یہ کہ محبت کے باعث اپنے استاد کا مرتبہ عین پائے۔ بلکہ درجہ بدرجہ ترقی کرتا ہے۔ اور دفعۃً انتہائی منزل کو پہنچنے کا شوق اس کے دل میں نہیں پیدا ہوتا۔ جب ایک رتبہ حاصل کر لیتا ہے تو اوپر کے درجے کا اشتقاق ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس شخص کا ہے جو عالم نہیں اُسے چاہئے کہ علماء سے جو ورثہ الانبیاء ہیں، مشابہت اختیار کرے۔ علماء انبیاء اور اولیاء کے ذریعہ سے ملائکہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، ایسا تک کہ صفات بشری کلی طور پر محو ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انسانی صورتوں میں فرشتے بن جاتے ہیں۔ پھر ملائکہ کے لئے بھی مختلف درجات و مراتب ہیں۔ اور سب سے بلند درجہ معشوق اُن کے کا ہے اور یہی نصب العین ہے۔ ملائکہ مقررین وہ ہیں جن کے اور حق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، انہیں جمالِ اطہر اور بہائے اتم حاصل ہے۔ بلحاظ نسبت کے اُن سے جو موجودات کاملہ میں سے اُن سے کم ہیں۔ پھر ہر ایک جمال اور کمال حقیر ہو جاتا ہے جب رب العزت کے جمال کی طرف نگاہ جاتی ہے۔

الغرض اسی طرح چاہئے کہ تم قربِ الہی کا اعتقاد کرو، نہ اس طرح کہ تم خیال کرو کہ جنت میں ایک گھر ہے، اور اس کے قریب کہیں اللہ تعالیٰ فرود گزشتہ ہے، یہ قرب مکانی ہے، اور خدا نے رب العزت اُس سے بہت بلند ہے، اور نہ یہ کہ تم عبادت کا ایک تحقہ اُس کی خدمت میں پیش کرو۔ وہ اُس سے خوش ہو کر اس کی قدر دانی کرے اور تم پر مہربان ہو جائے۔ جیسے بادشاہوں کے دربار میں ان کی رضا مندی اور حصولِ اغراض کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔ تو اُسے قربِ سلطانی کہتے ہیں۔ تو بہ تو بہ اللہ تعالیٰ بہت بلند اور پاک ہے۔ ان معانی سے جس سے دنیا کے بادشاہ متعصّف ہوتے ہیں۔ وہ تو خداوند متعالیٰ عاجزی و تابعداری اور دفاعِ کیشی سے خوش ہوتے ہیں گناہے بسلائے برنجند و گناہے بد شنائے خلعت و ہند۔ ان کی مشہور صفت ہے۔

اس قسم کے تمام عقائدِ جمالیات پر مبنی ہیں، اگر تم کو کہ اکثر عوام کا یہی اعتقاد ہے تو کیا جو شخص رنگریزی و کان سے غلبہ طلب کرے اُسے مجاہدین کا ہرگز نہیں جوتی ہیں ایک شخص کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ایک چیز کا اہل نہیں تو وہ چیز اُس سے کیسے طلب کر سکتے ہو۔ عوام کا انعام تو گدھے ہیں جن کو لسانِ الہی نے حرمِ مستقر و حرمت

من مسورہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور واقعی عوام گدھے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے علوم کی ہمارست نہیں کی۔ کیا تم نہیں دیکھ چکے کہ یہ لوگ خداوند تعالیٰ کے متعلق کس قسم کے خیالات و عقاید رکھتے ہیں، کہتے ہیں، وہ عرش پر بیٹھا ہے اس پر ایک سبز پتھری سائے کئے ہوئے ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ اسی قسم کی تشبیہات سے کام لیتے ہیں۔ کیونکہ لوگ اکثر تشبیہ کے عادی ہیں، لیکن تشبیہ میں درجات ہیں بعض لوگ خدا کی صورت کا خیال کر کے گمان کرتے ہیں کہ اس کے ہاتھ ہیں، آنکھیں ہیں، وہ اترتا ہے اور چڑھتا ہے۔ بعض لوگ اسے ناراضی، رضامندی، غصہ اور خوشی کے جذبات سے متصف کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ ہاں ان الفاظ کا شہرہ لیت نے تاویل کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ لوگوں کو افہام و تفہیم میں آسانی ہو۔ بعض لوگ حقیقت کا ادراک کر لیتے ہیں بعض لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ اگر تمام لوگ بلحاظ فہم برابر ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد باطل ٹھیرتا، سب حامل فقہ الی من ہوا فقا منہ و درب حامل فقہ لیس بفقہ، ہم ان لوگوں کی اس قسم کی باتوں سے درگزر کرتے ہیں کیونکہ یہ پاگلوں کا سلسلہ ہے اور شیطان کی بیڑیاں توڑتا ہے۔

فصل

مذہب اور فرقہ بندی

شائد تم کو کہ اس کتاب میں تم نے یا تو مذہب صوفیاء کے مطابق یا اشعریوں کے موافق یا بعض متکلمین کے مطابق گفتگو کی ہے۔ حالانکہ ایک مذہب کے مطابق ہی گفتگو صحیح سمجھی جاسکتی ہے۔ اب ان مذاہب میں سے کون حق پر ہے؟ اگر سب ہی حق پر ہیں۔ تو یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اور ان میں سے بعض حق پر ہیں، تو وہ کونسا ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ مذہب کی حقیقت کی شناخت تمہیں کوئی فائدہ نہیں دیکتی کیونکہ لوگوں کے اس بارے میں دو گروہ ہیں :-

(اول) وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مذہب ایک اسم مشترک ہے تین مرتبوں کی بنا پر (اول) جو مناظرات و مباحثات کے ذریعہ سے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ (دوم) جو کچھ تعلیمات و ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔ (سوم) وہ معتقدات جو انسان کے دل میں مشاہدات و نظریات کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں۔

ہر ایک کامل شخص کو اس اعتبار سے تینوں مذاہب حاصل ہوتے ہیں۔ پہلی صورت کے اعتبار سے مذہب یوں ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوا۔ یا جس استاد سے تعلیم پائی۔ یا جس شہر میں رہائش ہوئی۔ انہی کے مطابق مذہب بھی ہو گیا۔ یہ علاقہ، شہر اور استادوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اپنا بچہ جو شخص متزیوں یا اشعریہ، یا شافعیہ یا حنفیوں کے ملک میں پیدا ہوا اُس کے دل میں وہی بات جم گئی بچپن سے ہی وہ ایک مذہب پر قائم ہو گیا۔ اس کے علاوہ جو طریقہ ہے اُسے وہ ناپسند اور مذہب سمجھتا ہے۔

چنانچہ اُسے معتزلی، شافعی، اشعری یا حنفی کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص خیالات کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور ان کی امداد و موالات کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ایک قبیلہ ہو اور اُس کے مختلف افراد ایک دوسرے کی امداد و اعانت کریں۔ اس خاص تعصب کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک جماعت چاہتی ہے کہ میں عوام کی اتباع حاصل کر کے دوسروں پر غالب آ جاؤں، اور عوام کے سامنے جب تک ایک ایسی جماعت کی حیثیت نہ پیش کی جائے جو غلبہ و استیلا کے رنگ میں ہو، ان کو جوش نہیں آتا۔ چنانچہ تمام دینوں میں مذاہب اسی جماعتی رنگ کے باعث پیدا ہوئے نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ حسد و نفسانیت کی بلاتیں حرکت میں آ گئیں، ان کا نصب سخت ہو گیا، اور ایک دوسرے کی امداد کرنے کا جذبہ مضبوط۔ بعض شہروں میں جب سب لوگ ایک مذہب پر متحد ہو گئے اور طالبان ریاست و حکومت لوگوں کی تابعداری حاصل کرنے سے عاجز آ گئے تو انہوں نے بعض ایسی باتیں وضع کیں جن کے متعلق ان کا خیال تھا کہ ان کی ضرورت مخالفت کی جائے گی۔ اور ان کے برخلاف تعصب کا اظہار کیا جائے گا، جیسے

علمِ اسود اور علمِ احمر چنانچہ ایک گروہ نے کہا حق یہ ہے کہ وہ سیاہ ہے اور دوسروں نے کہا نہیں بلکہ زرد ہے چنانچہ ان گروہوں کے سرگردوں کا مقصد حاصل ہو گیا۔ عوام کی اتباع حاصل ہو گئی۔ اور مخالفین کا بازار گرم ہو گیا۔ عوام نے خیال کیا کہ یہ بہت اہم باتیں ہیں، وضع کرنے والوں کے سرگردوں نے وضع کرنے کی غرض معلوم کر لی۔

(مذہب ثانی) جو ارشاد و تعلیم کے مطابق اس شخص کو حاصل ہوتا ہے جو استفادہ کرے اور ہدایت پائے۔ اس کی کوئی خاص ایک ضرورت نہیں معین کی جاسکتی بلکہ یہ تعلیم حاصل کرنے والے کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر ایک طالب علم و رشد اپنے فہم کے مطابق عقائد قائم کرتا ہے۔ اگر سترشد نرکی ہے یا ہندی یا کند ذہن و زشت مزاج آدمی ہے اور معلوم ہو کہ اگر اس کے سامنے بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کوئی مقام نہیں، وہ نہ جہان میں داخل ہے نہ اس سے خارج۔ نہ کائنات میں متصل ہے نہ متصل۔ تو وہ جلدی ہی اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر ہو جائیگا۔ اور اس کو جھٹلا دیگا۔ تو چاہئے کہ اس کے بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہے اور یہ کہ وہ بندے کی عبادت سے خوش ہوتا ہے۔ اور مہربان ہوتا ہے۔ اور اپنے بندوں کو اس عبادت کے بدلے میں جنت میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اگر سترشد کے متعلق یقین ہو کہ حقیقت کو اخذ کرنے کا اہل ہے تو اس کے سامنے حق میں کا ذکر ہی کیا جائیگا۔ اس اعتبار سے مذہب متغیر اور مختلف ہو جائیگا۔ اور ہر شخص کے فہم اور سمجھ کے مطابق اس کی کیفیت ہوگی۔

(مذہب ثالث) وہ عقائد جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک راز کی صورت میں ہیں۔ اُن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جان سکتا، اور ان کا ذکر صرف اس شخص سے کیا جاتا ہے۔ جو اس کو چھ کامرد ہے اور ان حالات و کیفیات میں اس بندے کا شریک ہے۔ یا اس رتہ کو پہنچ چکا ہے۔ جو اس باتوں کو قبول کرنے اور سمجھنے کے قابل ہے۔ اس کی صورت یوں ہے کہ سترشد ذکی اور ذہین ہو۔ اُس کے دل میں کوئی موروٹی یا دوسرا اعتقاد جاگزیں نہ ہو چکا ہو اور نہ اس کا دل کسی خاص رنگ میں رنگا نہ جا چکا ہو۔ جس کا محو کرنا ناممکن ہو۔ اُس کی سال

کاغذ کی سی ہے جس پر کچھ لکھا جا چکا ہے اور اس کا ازالہ صرف جلاسنے یا پھار دینے سے ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے آدمی کی طبیعت بگڑ چکی ہے اور اُس کی اصلاح کیلئے سب سے بامقصد ہو جانا چاہئے چنانچہ جو کچھ اُس کی خرافات مرضی کا جائیگا اُسے سننا پسند نہ کریگا۔ بلکہ خلاف اس کی مدافعت کے سبیلے تلاش کریگا۔ اور اگر انتہائی طور پر وہ متوجہ ہو کر سُنے اور اس کی ہمت اُسے سمجھنے پر کمزور ہو جائے۔ تو اُسے اپنے فہم کے متعلق شک پیدا ہو جائیگا۔ تو پھر اس بات کا کیا علاج ہے کہ اس کی غرض ہی مدافعت اور نہ سمجھنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے آخری طریق کا ان تمام باتوں کے ہوتے سائقے بھی ہے کہ اس کے سامنے سکوت اختیار کر لے اور اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ وہی پہلا اندھا شخص نہیں جو اپنی نگاہی کے باعث ہلاک ہوا ہے۔ غرض یہ لوگوں میں سے ایک گروہ کا یہ طرز عمل ہے۔ اب آیا فریقِ دوم اور اس میں اکثر لوگ شامل ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ مذہب ایک ہی ہے ایسی وہ عقائد ہے جو ہر شخص کے حسب حال اور تعلیم و ارشاد کے مطابق بتایا جاتا ہے۔ اور اسی کا خیال دل میں بٹھایا جاتا ہے۔ اور وہ یا مذہب اشعری ہے یا معتزلی۔ یا کرامی یا کوئی اور مذہب اپنے لوگ ان لوگوں سے اس بات میں موافق ہیں کہ اگر وہ مذہب کے متعلق پوچھیں کہ آیا وہ ایک ہے یا تین تو تین کہنا جائز نہ ہوگا۔ بلکہ واجب ہے کہ کہہ دیا جائے کہ وہ ایک ہی ہے۔ اگر تم عقلمند ہو تو تمہاری مذہب کے متعلق زحمت سوال کو باطل کر دیگا۔ کیونکہ لوگ زبانی طور پر اس بات میں متفق ہیں کہ مذہب ایک ہی ہے۔ پھر وہ اپنے باپ کے مذہب یا اپنے معلم کے مذہب یا اپنے اہل شہر کے مذہب پر اڑے رہنے کے متعلق بھی متفق ہیں، اگر کوئی شخص اپنے مذہب کو ذکر کرے تو تمہیں اس میں کوئی منفعت حاصل نہ ہوگی۔ دوسرا شخص آئے گا تو اُس کی مخالفت کرے گا۔ ان میں سے کسی کے پاس بھی کوئی ایسی محیر العقول سند نہیں۔ جس سے وہ اپنی جانب کا پلڑا جھکا سکے۔ تم سب مذاہب کو برابر سمجھو اور سچائی کو غور و فکر کے ذریعہ سے تلاش کرو تاکہ تم خود صاحب مذہب ہو جاؤ۔ اور اندھوں کی طرح نہ بنو۔ کہ اپنے رہنما کے پیچھے اندھا دھند روانہ ہو، اور وہ نہیں ایک سترہ پر لے چلے، حالانکہ تمہارے ارد گرد ہمارے رہنما کی طرح کے ہزاروں رہنما ہیں۔

جو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ وہ نہیں گمراہ کر رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے۔ اتم
انجام کار اپنے رہنما کی غلطی کو معلوم کر لو گے۔ اس وقت سوائے استقلال کے اور
کوئی صورت رانی کی نہ ہوگی۔

خدا ترا و دوشیگاسمت به

في طالع الشمس ما يغنيك عن زحل

ہم نے اس قسم کی باتیں اس لئے کہی ہیں، کہ تمہیں اپنے موروثی عقیدے میں شک و شبہ پیدا ہو جائے۔ اور تم طلب و جستجوئے حق میں سرگرم و سرگرداں ہو جاؤ کیونکہ شکوک ہی حق کی منزل پر پہنچاتے ہیں۔ اور جو شخص شک نہ کرے گا۔ نظر و فکر سے کام نہ لے گا اور جو غور و فکر سے کام نہ لے گا بصیرت اندوز نہ ہوگا۔ اور جو بصیرت اندوز نہ ہوگا۔ اندھا رہیگا۔ اور قعر گراہی میں پڑا رہے گا نعوذ باللہ من ذالک +

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَا

وَاللَّهُ وَصِيْبُهُ وَسَلَّمَ

ششم

ایک سطر پر لکھ کر پندرہ ماہ کی عمر تک پہنچ کر

ڈیٹی پرنٹنگ پریس کو کتاب منزل علی گڑھ (۳۲) منشی غلام علی خان صاحب کی ایک ڈیوٹی باغیچہ کا بادکن
 (۳۳) محمد خان ثانی صاحب برادر کمر (۳۴) جناب محمد برہیم صاحب کا زنی آنریری میجر ٹیٹریو خاص سہ
 (۳۵) مراد علی صاحب قلعہ بخش صاحب ڈاکٹر امریکہ (۳۶) جلال الدین صاحب میر یاسو اکلیل فوریا امریکہ (۳۷)
 چلیخ دین صاحب میر یاسو اکلیل فوریا امریکہ (۳۸) محمد عظیم غنی صاحب نگلباری ایٹس آر جیڈنگ (۳۹) حاجی
 علی الدین صاحب کچر پورہ کامپنی (۴۰) مولوی محمد حسین صاحب کبلی فوریا امریکہ (۴۱) احمد محمدی الدین صاحب لد
 محمد عثمان صاحب محمد جیٹری کنٹر ضلع اورنگ آباد کن (۴۲) خان غلام سرو خان صاحب ہرید کنسٹبل تھانہ کھٹہ
 ضلع لاہور (۴۳) حضرت میرا و امیان صاحب بار ضلع سوات (۴۴) بیخوش صاحب پنجابی برادر کمر امریکہ (۴۵)
 علی محمد صاحب لد یعقوب علی صاحب موضع آموال ضلع جالندہر (۴۶) فتح الدین صاحب برادر کمر امریکہ (۴۷)
 چوہدری محمد عبداللہ خان صاحب گڈس پٹر اتر ریفندہ وغرنی (۴۸) منشی بوٹے خان صاحب ہرید کنسٹبل تھانہ کھٹہ
 (۴۹) محمد رائے خان صاحب برادر کمر امریکہ (۵۰) بابو ولی محمد صاحب آئیل ڈیلوری کلرک جنرل سٹورز منگلور
 لاہور (۵۱) مرزا شاہ محمد صاحب منگل کمانی چک ۶۸ جنوبی ڈاکھانہ کوٹ مومن ضلع شاہ پور (۵۲) مرزا ظفر
 حسین بیگ صاحب چک مذکور ضلع شاہ پور (۵۳) مولوی فتح محمد صاحب امام پٹن ۱۱۷ جناب جنٹ ہاگ چھاؤ
 (۵۴) خان صاحب ڈاکٹر جہان خان صاحب سب سٹنٹ سرجن پنجاب پورٹ کیمپ ڈیپنسنری رگل بھڑ عراق
 (۵۵) مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکٹر ہالنگر (۵۶) ڈاکٹر غلام نبی خان صاحب برادر کمر کیلے فوریا امریکہ (۵۷)
 چوہدری لایت حسین صاحب ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول بیہر (۵۸) عنایت خان صاحب یکریمنٹو کیلے فوریا امریکہ
 (۵۹) صوبیدار خان صاحب ڈاکٹر امام علی خان صاحب محمد پور ضلع اعظم گڑھ (۶۰) علی محمد صاحب لد یعقوب علی صاحب
 موضع ہری پور ڈاکھانہ کوٹ باؤل خان ضلع جالندہر (۶۱) ڈاکٹر شیخ محمد سمن صاحب نیئر سب سٹنٹ سرجن
 اول ریٹائرڈ ساگر چھاؤنی (۶۲) فضل الہی صاحب خواجہ دہتہ معروف دینسر خرمین برادر س پوتھ ڈاکہ
 (۶۳) چوہدری محمد کرم الدین صاحب سرے انکسپر بھڑ (۶۴) بیگم صاحبہ شیخ محمد نصیر الدین صاحب محمد ڈاکٹر کٹنج
 (والد شیخ محمد متا صاحب رقتی) گجرات (۶۵) نذیر احمد صاحب سرریک پارٹی سرے آف انڈیا بنگلور
 (۶۶) منشی خان صاحب یکریمنٹو کیلے فوریا امریکہ (۶۷) نعمت خان صاحب کبلی فوریا امریکہ (۶۸) تاج محمد الحق صاحب لد مولوی میاں محمد صاحب کبلی فوریا ضلع ہنڈی پور
 حال وارد امریکہ (۶۹) تاج محمد الحق صاحب لد مولوی میاں محمد صاحب کبلی فوریا ضلع ہنڈی پور
 ڈاکھانہ ہال ضلع برہما (۷۰) علی محمد ایوب صاحب اگر صد بازار ساگر (۷۱) صالح حسین صاحب خلف الرشید
 امیر ایم وزیر علی صاحب پنشنر و زمیندار چوگٹا ڈاکٹر کٹنج موبن لوئر برہما (۷۲) سید عبدالحق صاحب ہنڈی پور
 غازی مصطفیٰ کمال پاشا ہائی سکول بمبئی (۷۳) سید امیر شاہ صاحب نیئر انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول میانولی

سلطان علی میجر

تاریخ الحریکین

یہ کتاب مولانا عبد السلام صاحب دہلی رکن دارالمصنفین عظیم نے لکھی ہے جو اپنی خلوص و قابلیت کے باعث اسلامی دنیا میں اپنی بیش بہا تہہ بانیف کے باعث ثقافت کے دوم کا طرہ امتیاز حاصل کر چکے ہیں۔ کتاب میں تمام دستوں اور جموں ہمارے محترم کے تمام خاکے مشہور منظر کے فوٹو اور عرب شریف کارنگین نقشہ بھی دیا گیا ہے جس سے کتاب کی خوبی اور خوبصورتی کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے (۸/۲)

غازی انور پاشا

ناصریہ جمال امید لیل تحریک غازی انور شہید ملت انور پاشا یعنی سیف الہی کے جوہر کی وہ خیرہ کن چمک جو طرابلس کے ریگستانوں میں سب سے پہلے نظر آئی اور جس کی درخشندگی اور چمک کو زافروں ترقی کرتے کرتے آخر تمام عالم کی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کرنے لگی۔ اور مغرب سے اٹکی تو مشرق میں ختم ہوئی کی یہ کل پاکستان ہے پیدائش سے لیکر شہادت تک کے واقعات نہایت خوش اسلوبی اور لطافت سے اس کتاب میں درج کئے گئے ہیں بیوفہ سید ظہور احمد صاحب وحشی شاہ جہان ری قیمت صرف ایک سو بیس روپے (۱۳۵/۰)

مسئلہ شرقیہ

یہ کتاب علامہ مطفی کمال پاشا کی تصنیف مسئلہ شرقیہ کا اردو ترجمہ ہے مولانا نیا دھچو کی قلم ترجمہ کی نگینوں کا خاں ہے مسئلہ شرقیہ آج نہ صرف یورپ بلکہ دنیا کے ہر ایک مذہب و المان کی توجہ کو جذب کئے ہوئے ہے خصوصاً مسلمانوں کی زندگی کا تو دار و مدار اسی مسئلہ کے حل پر ہے۔ یورپ کی جوع الارض آج مشرق کے لقمہ ترکو آہستہ آہستہ ہٹ کر رہی ہے اور اسی کے متعلق مصنف نے اس میں بحث کی ہے۔ سیاسیات اسلامی و شرقی کی کتاب جان ہے۔ غرض قابل دید شے ہے۔ قیمت صرف دو روپے (۲/۰)

اگر آپ چاہتے ہیں کہ انسانیت کی جبین کی نور افشاں کا نظارہ کھیں مصلحت بہترین

میشا ایسیر اسلام { حقوق کے حالات معلوم کریں تو شاہ اسلام نگار پر ہیں قیمت تین روپے

میشا ایسیر صوفی ریڈنگ اینڈ پبلیشنگ کمپنی لمیٹڈ پٹنہ ہاؤس والین چیمبرا

